شرحِ بالِ جبریل

(متن، لغت و تشریح)

شارح

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

شرحِ بالِ جبریل

(متن، لغت و تشریح)

شارح

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.51 Yazdani, Dr. Khawaja Hameed
Sharah Baal-i Jibriel/ Dr. Khawaja Hameed Yazdani.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2009.
312pp.
1. Iqbal Studies. 2. Urdu Poetry.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2009
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-1732-6
ISBN-13: 978-969-35-1732-3

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

پیش گفتار

بالِ جبریل (جبریل کے پر) علامہ اقبال کے اردو کلام کا دوسرا مجموعہ ہے جو "پیامِ مشرق" کے بعد پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا اور تعداد کے لحاظ سے (دس ہزار) یہ علامہ کا پہلا مجموعہ تھا۔ بانگِ درا کی اشاعت کے بعد علامہ کی زیادہ تر توجہ فارسی شاعری کی طرف تھی، لیکن ان کے کلام کے شائقین کا یہ مسلسل اصرار رہا کہ اردو کلام کا دوسرا مجموعہ بھی تیار اور شائع کیا جائے۔ اس پر علامہ نے اس کتاب کا مجموعہ مرتب کیا۔ پہلے اس کا نام "نشانِ منزل" تجویز ہوا، اور مسودے کے سرورق پر لکھ بھی لیا گیا لیکن بعد میں، علامہ کو اس نام کی بجائے "بالِ جبریل" زیادہ موزوں لگا چنانچہ انہوں نے وہ نام کاٹ کر یہ نام لکھ دیا۔

جیسا کہ ملاحظہ ہوگا، علامہ نے اس کتاب کے آغاز میں کوئی تعارفی تمہید نہیں لکھی۔ کتاب میں غزلیات، رباعیات و قطعات کے علاوہ چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں۔ ان میں انہوں نے، اپنے مزاج اور نظریات کے مطابق، قومی اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی مختلف کیفیات کو کچھ اس طرح شعری رنگ میں پیش کیا ہے کہ اس سے ان کے خلوصِ جذبہ اور ملتِ اسلامیہ سے بیحد محبت کا پتا چلتا ہے۔ سوز و گداز، عشقِ حق اور حضور اکرمؐ سے بے پناہ محبت کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ انہوں نے زیادہ زور احکامِ حق پر چلنے، خودی کو برقرار رکھنے اور غیرت مندی و جسارت نیز مسلسل جہد و عمل کا درس بھی دیا ہے تاکہ ان کی سوئی ہوئی قوم بیدار ہو کر انگریز کی غلامی سے بھی نجات پائے اور آزادی کی باوقار زندگی بسر کر کے اپنی بقا اور عظمت و سربلندی کا سامان بھی کرے۔

راقم نے اس کتاب کی تشریح خاصی محنت اور شوق و جذبہ کے تحت کی ہے۔ چونکہ میرے پیشِ نظر، عام قاری کی نسبت، زیادہ تر طلبہ ہیں، اس لیے یہ کوشش کی ہے کہ زبان سادہ و عام فہم ہو۔ کسی بھی قسم کی فلسفیانہ بحثوں کو نہیں چھیڑا۔

اصل متن کی نقل بالِ جبریل کے مستند نسخے سے کی گئی ہے جو اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی شائع کردہ اردو کلیات میں شامل ہے۔ جہاں علامہ نے کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر نقل کیا یا اس پر تضمین

کی ہے، شرح میں اس کی کسی قدر تفصیل دے دی ہے۔ متعلقہ شاعر کے شعر کو اس کے دیوان سے چیک (Check) کیا اور اگر کوئی فرق تھا تو وہ لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کی ایک نظم ''پیر و مرید'' میں علامہ نے رومیؒ کے کئی اشعار دیے ہیں۔ جیسا کہ ملاحظہ ہوگا میں نے نہ صرف ان اشعار سے متعلق عنوانات دیے ہیں بلکہ ان حصوں کی خاصی تفصیل دی ہے تا کہ قاری رومیؒ کے خیالات سے بھی آگاہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں علامہ کے بعض اشعار کے مضمونوں سے ملتے جلتے دوسرے فارسی و اردو شعراء کے جو شعر مجھے یاد آ گئے شرح میں وہ بھی لکھ دیے ہیں تا کہ دلچسپی کا بھی سامان ہو۔

بعض اشعار میں جو بھی قرآنی، حدیث کی اور تاریخی وغیرہ تلمیحات آئی ہیں اور اسی طرح جن شخصیات کا ذکر آیا ہے، سب کے بارے میں لغت میں تفصیل دے دی ہے، اور شرح میں ویسے ہی رہنے دی ہیں۔ پھر بعض مشکل الفاظ اور ضرب الامثال کی وضاحت بھی لغت میں کر دی ہے۔ شرح میں اس قسم کی تلمیحات وغیرہ کے آگے احتیاطاً یہ لکھ دیا ہے ''لغت دیکھیے۔''

امید ہے میری اس پر خلوص محنت سے طلبہ اور عام قارئین پوری طرح استفادہ کر سکیں گے اور علامہ کے تعمیری احساسات و جذبات سے بخوبی آگاہ ہو سکیں گے۔ راقم اس سے پہلے، بفضلہٖ تعالیٰ، علامہ کی ساری فارسی شاعری اور ضربِ کلیم (اردو) کی شرح کر چکا ہے۔ یہ تمام کتابیں ادارہ سنگِ میل پبلی کیشنز نے شائع کی ہیں کہ اسی ادارے کے ایما پر میں نے یہ کام کیا ہے۔

آخر میں سنگِ میل پبلی کیشنز کے نیاز احمد صاحب کا شکریہ، جن کے ایما پر مجھے یہ کام کرنے کا موقع ملا بلکہ شرف حاصل ہوا۔

لاہور - ۱۶ر فروری ۲۰۰۵ء ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

maablib.org

شرح بالِ جبریل

(سرورق کا شعر)

"اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں"

= علامہ کا یہ شعر ایک طرح سے بال جبریل کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ ان کا یہ پیغام ہے کہ بیدار ہو جاؤ تا کہ زندگی کے نئے آفتاب کی نمود کا سامان کریں اور یوں اس دنیا کی شام وسحر میں، جو جلے ہوئے نفس والی یعنی بے کیفی کی حامل ہے، تازگی اور شادابی کی نئی شان پیدا ہو جائے۔

"پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر"
(بھرتری ہری)

= پھول کی پتی، نرم ہونے کے باوجود، ہیرے جیسی سخت چیز کا جگر کاٹ سکتی ہے جو گویا ایک ناممکن کو ممکن بنا لینا ہے لیکن ایک نادان اور بے سمجھ انسان نرم و نازک کلام کا کوئی اثر نہیں لیتا۔

حصہ اول

(۱)

۱۔ میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں

۲۔ حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

۳۔ گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

۴۔ گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود گاہ الجھ کے رہ گئی میری توہمات میں

۵۔ تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

۱۔ (اس حصے کی سب غزلیں ایک طرح سے حمد یہ ہیں، یعنی علامہ نے ان میں خدا سے خطاب کیا ہے اور ایک طرح سے اس سے باتیں کی ہیں) میرے نغمۂ عشق سے اس

ذات باری کی بارگاہ میں ایک شور پیدا ہو گیا اور اس نغمہ کی وجہ سے صفات کے بتکدے یعنی مادی دنیا میں ''پناہ بخدا'' کے غلغلے بلند ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے اپنی پُر درد آہ و فغاں کی بات کی ہے۔ الفاظ ''حریم'' اور ''بتکدہ'' میں صنعتِ تضاد سے کام لے کر ایک خاص معنویت اور حسن پیدا کر دیا ہے۔

۲۔ حوریں اور فرشتے میرے افکار کی قید میں ہیں اور میری نگاہ سے تیری (خدا کی) تجلیوں میں خلل ہے۔ مطلب یہ کہ حوریں اور فرشتے غیر مادی سہی' میں ان کی حقیقت کو پوری طرح سمجھتا ہوں اور میری بے باک نگاہیں کچھ اس ڈھب کی ہیں کہ ان کی وجہ سے تجلیاتِ ایزدی میں فرق آ گیا ہے۔

۳۔ اگرچہ میری تلاش و جستجو بت خانے اور کعبہ کے نقشے تیار کرنے والی ہے' یعنی انسان نے جگہ جگہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت گاہیں بنا لی ہیں' اس کے باوجود جب ان میں مجھے تیری ذاتِ اقدس کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو میں نے اپنی آہ و فغاں سے کعبہ اور بت خانہ میں ایک حشر برپا کر دیا۔ یہ گویا خدا کے دیدار کی انتہائی خواہش کا بالواسطہ اظہار ہے۔

۴۔ کبھی تو ایسا ہوا کہ میری تیز نگاہوں نے ہستی کا دل چیر ڈالا اور کبھی وہ میرے اپنے ہی پیدا کردہ وہم و گمان میں الجھ کر رہ گئی یعنی نگاہیں ذوقِ دیدار میں اس کائنات سے آگے تیری تلاش میں گئیں اور کبھی دوسری صورت پیدا ہوگئی۔ گویا انسان اس سلسلے میں مختلف حالتوں سے گزرتا ہے۔

۵۔ اے ذاتِ کریم! میں (انسان) ہی تو اس کائنات کے سینے میں ایک راز تھا' تو نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھ کو بھی ظاہر کر دیا۔ قرآن کریم کی رو سے آدم کا وجود پہلے آسمان پر تھا لیکن پھر ابلیس کے بہکاوے میں آنے کے سبب اسے زمین پر اتار دیا گیا۔ اسی حوالے سے راز اور اس کے ظاہر کرنے کی بات کی ہے۔

(۲)

۱۔ اگر کج رَو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا؟ مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا؟
۲۔ اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا؟
۳۔ اُسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر؟ مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟
۴۔ محمد بھی ترا' جبریل بھی' قرآن بھی تیرا مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

۵۔ اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

۱۔ (اس کائنات کا سارا نظام اس خالقِ حقیقی کی مصلحت کے مطابق چل رہا ہے جس سے انسان بالکل بے خبر ہے۔ اس غزل میں جو کچھ کہا گیا ہے' اسی حوالے سے ہے) اگر ستارے ٹیڑھے چل رہے ہیں' تو مجھے کیا خبر کہ ان کا انداز ایسا کیوں ہے' اس لیے کہ آسمان تو تیرا ہے (تو ہی مالکِ حقیقی ہے) میرا تو نہیں ہے۔ اس لیے میں اس کائنات کا فکر کیوں کروں' تو جس طرح چاہے اسے چلائے' کیونکہ یہ جہان تیرا ہے' میرا نہیں ہے۔

۲۔ اگر لامکاں میں عشق و عاشقی کے ہنگامے برپا نہیں ہیں تو یارب! یہ کس کی خطا ہے؟ لامکاں میرا تو نہیں تیرا ہے۔ یہ تو تیری رضا و منشا پر منحصر ہے کہ تو جہاں جو چاہے وہی کچھ سامنے لے آئے یا پیدا کرلے۔

۳۔ صبحِ ازل جب تو نے یہ کائنات تخلیق کی' تو ابلیس نے تیرا حکم ماننے سے انکار کیوں کیا' اسے ایسی جرأت کیوں کر ملی؟ مجھے تو اس صورتِ حال کی کچھ خبر نہیں' اس لیے کہ وہ تو تیرا راز داں ہے میرا تو نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس انکار کی مصلحت بھی تیری ذاتِ اقدس ہی جانتی ہے' انسان بے خبر ہے۔ (لغت بھی دیکھیے)

۴۔ حضرت محمدؐ بھی تیرے ہیں' جبرئیلؑ بھی تیرے ہیں اور قرآن بھی تیرا ہے' لیکن یہ شیریں بات (جذبہ عشق) بھی تیری ہی ترجمان ہے' میری تو نہیں۔ یعنی تو نے ہی حضور اکرمؐ کو خاتم النبیین بنایا اور اس کائنات کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا۔ جبرئیل سب نبیوںؑ تک تیرا پیغام اور تیرے احکام لاتے رہے اور قرآن کریم بھی تیری ہی ذاتِ اقدس نے نازل فرمایا جو آخری نازل شدہ کتاب ہے۔

۵۔ اے ربِ کریم! اسی ستارے یعنی انسان کی چمک سے تیری یہ کائنات روشن ہے۔ اس خاکی انسان کے زوال میں نقصان تیرا ہے' میرا تو نہیں۔ انسان افضلِ مخلوقات ہے اور اس کائنات کی تمام رونقیں اسی کے باعث ہیں۔ اگر تیری اس تخلیق (انسان) کو زوال آتا ہے تو اس میں میرا کیا جائے گا' اس لیے کہ اس زوال میں تو تیرا ہی نقصان ہے۔ انسان نہ ہوگا تو یہ رونقیں بھی نہ ہوں گی۔

رُباعی

۱۔ ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے بتا! کیا تو مرا ساقی نہیں ہے؟

۲- سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم   بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

۱- اے ذاتِ کریم یا اے محبوبِ حقیقی! کیا تیری صراحی میں شراب نہیں رہی یا تو میرا ساقی ہی نہیں ہے؟ اگر تو میرا ساقی ہے اور تیرے پاس شراب بھی کبھی کم ہونے والی نہیں ہے، پھر یہ کیا بات ہے یا کیا یہ مناسب ہے کہ ایک پیاسے کو سمندر سے صرف شبنم کے چند قطرے ملیں۔ یہ تو (گستاخی معاف) رزاقی نہیں، یہ تو سراسر بخیلی ہے۔ اس لیے کہ تیرا رزق ایک وسیع سمندر کی مانند ہے اور انسان گویا پیاسا ہے، اسے زیادہ سے زیادہ رزق عطا ہونا چاہیے۔ (غالباً یہی مراد ہے)

(۳)

۱- گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر   ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
۲- عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں   یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
۳- تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو   یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
۴- میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو   میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر
۵- نغمۂ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو   اس دمِ نیم سوز کو طائرکِ بہار کر
۶- باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟   کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
۷- روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل   آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

۱- اے محبوب! (یعنی محبوبِ حقیقی) تو اپنی بل کھائی ہوئی زلفوں کو اور بھی تابدار بنا دے اور میری عقل و خرد اور سوچ سمجھ کو اور میرے دل و نگاہ سب کو ان زلفوں کے جال میں پھنسا کر شکار کر لے۔ چونکہ محبوب کی بات ہے اس لیے زلفوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حسن میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اے محبوب حقیقی تو مجھ سے میری ہر شے لے لے اور مجھے اپنی ذاتِ اقدس میں گم کر لے۔ ''فنا فی اللہ'' کی کیفیت مجھ پر طاری ہو جائے۔

۲- یہ کیا بات ہوئی کہ عشق بھی پردے میں ہو اور حسن بھی پردے میں؟ تیری ذات سراپا حسن ہے اس لیے یا تو تو اپنے حسین چہرے سے پردہ اٹھا دے اور ظاہر ہو جا یا پھر مجھے، کہ میں سراپا عشق ہوں، ظاہر کر دے تاکہ میں اپنے عشق کے جذبے اور جوہر ظاہر کر سکوں۔

۳- تو ایک طرح سے بے انتہا وسیع سمندر ہے، جبکہ میری حالت ایک چھوٹی سی ندی کی سی ہے۔ تو یا تو مجھے اپنی آغوش میں لے لے تاکہ میں کنارے کی صورت اختیار کر لوں یا

پھر مجھے وسعت سے نواز کر بے کنارہ (بہت وسیع) کر دے۔ علامہ نے اس قسم کے استعاروں میں اس محبوبِ حقیقی سے اپنے والہانہ عشق کا اظہار کیا ہے۔

۴- میں ایک سیپی ہوں، مجھ میں جو موتی ہے، اس کی عزت و آبرو تیرے ہاتھ ہے۔ یعنی تو ہی اس میں چمک دمک پیدا کر سکتا اور اس کی قدر و قیمت برقرار رکھ سکتا ہے۔ موتی سے مراد غالباً دل ہے۔ اور اگر میں ایک ٹھیکری ہوں تو تو، اپنے فضل و کرم سے، مجھے ایک ایسا موتی بنا دے جو بادشاہوں کے لائق ہو۔ دوسرے لفظوں میں، میں جو کچھ بھی ہوں اور جیسا بھی ہوں، تیرا بندہ ہوں، مجھ پر اپنا فضل و کرم فرما تا رہ۔

۵- اگر تازہ بہار کے نغمے میرے نصیب میں نہیں ہیں تو، کم از کم، میرے ادھ جلے سانس ہی کو بہار کی آمد کی خوشخبری دینے والا پرندہ بنا دے۔ اس استعارے میں یہ کہنا مقصود ہے کہ میں نے اپنی عمر ملتِ اسلامیہ کو اس کی عظمتِ ماضی کی طرف لانے کے لیے وقف رکھی ہے۔ اب اگر اس عظمت و سربلندی کی بہار میری زندگی میں نہیں آتی تو اے کریم! اپنے فضل و کرم سے میرے وجود ہی کو اس عظمت و سربلندی کی تمہید بنا دینا۔

۶- تو نے (اے باری تعالیٰ!) مجھے بہشت سے کوچ کر جانے کا حکم کیوں دیا تھا؟ اب جب میں (انسان) اس دنیا میں آ ہی گیا ہوں تو چونکہ میں تیرے سونپے ہوئے کاموں میں مصروف ہو گیا ہوں اور یہ کام بڑے طویل ہیں، جلد ختم نہیں ہوں گے اور نہ انہیں میں نامکمل چھوڑ سکتا ہوں، اس لیے اب میرا انتظار فرما کر مجھے اپنی مہربانی سے نواز۔

۷- روزِ محشر جب تیرے سامنے میرا اعمال نامہ پیش ہو تو تو خود بھی شرمسار ہو اور مجھے بھی شرمسار کر۔ گویا شاعر کی شرم ساری تو اس کے گناہوں کے باعث ہو گی جبکہ خالق کی شرمساری اس بات پر کہ اس کے سوا اس بندے کا کوئی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں، بالواسطہ، خدا تعالیٰ سے جو رحیم و کریم ہے، اپنی بخش و مغفرت کی دعا کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے علامہ نے یہ شعر سعدیؔ کی گلستان کے درج ذیل شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے:

کرم بین و لطف خداوندگار
گنہ بندہ کرد است و او شرمسار

(کلیاتِ سعدی مطبوعہ ایران۔ ص ۶۹)

گلستان کے آغاز میں سعدیؔ نے لکھا ہے کہ خدا اپنے بندے کی فریاد سن کر فرشتوں سے فرمائے گا کہ مجھے اپنے بندے سے حیا آئی ہے، میرے سوا اس کا کوئی نہیں۔ یعنی

انسان کی اپنے گناہوں پر شرمساری اس خالق کے رحم و کرم کو جوش میں لائے گی اور یوں اس بندے کی مغفرت کا سامان ہو جائے گا۔

(۴)

۱- اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد — نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد
۲- یہ مشتِ خاک، یہ صرصر، یہ وسعتِ افلاک — کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجاد
۳- ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل — یہی ہے فصلِ بہاری، یہی ہے بادِ مراد؟
۴- قصوروار، غریب الدیار ہوں لیکن — ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
۵- میری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے — وہ دشتِ سادہ، وہ تیرا جہانِ بے بنیاد
۶- خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں — وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد
۷- مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں — انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

۱- اے میرے کریم! میری فریاد اثر کرے یا نہ کرے، لیکن تو (ازراہِ کرم) سن تو لے۔ تیرا یہ آزاد بندہ کسی داد کا طالب نہیں ہے۔ اس طرح کے ہر جھنجٹ سے پورے طور پر بے نیاز اور آزاد ہے۔

۲- یہ جو ایک جانب خاک کی مٹھی (انسان) ہے، اور دوسری جانب سے آندھیاں چل رہی ہیں، یعنی انسان کے لیے مصیبتوں، مشکلوں کا سامان ہے، پھر آسمانوں کی وسعت ہے، گویا وہاں بھی ایسی آندھیاں چل رہی ہیں، اب (اے خدا!) تو ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ تیرے شوقِ تخلیق کا کرشمہ تیرا لطف و کرم ہے یا تیرے قہر و غضب کی ایک صورت ہے۔

۳- اگرچہ موسم بہار میں چمن میں پھول پیدا ہوئے، کھلے، لیکن باغ کی فضا میں پھولوں کا خیمہ برقرار نہ رہ سکا یعنی کلیاں کھل کر پھول بنیں اور پھول دو ایک روز ہی میں مرجھا کے رہ گئے۔ اے مولا کریم! اب تو ہی فرما اس عمل کو ہم موسم بہار کہیں یا اسے بادِ مراد (موافق ہوا)۔ گویا قدرت کے حسین سے حسین اور دلکش مناظر بھی آنی جانی اور فانی ہیں (یہی مراد ہو سکتی ہے)

۴- اگرچہ میں قصوروار اور پردیسی ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ دنیا کا ویرانہ تیرے فرشتے آباد نہ کر سکے۔ قصوروار اس لیے کہ آدم ابلیس کے بہکاوے میں آ گیا جس کے نتیجے میں اسے دنیا میں بھیج دیا گیا۔ یہ گویا انسان کا پردیسی ہونا ہے۔ چونکہ انسان افضلِ

مخلوقات ہے' اس لیے کائنات میں وہی رونق و آبادی کا باعث بنا۔

۵- تیری یہ بے بنیاد یعنی فانی دنیا میری محنت و جاں فشانی کو دعائیں دے رہی ہے' اس لیے کہ میرے (انسان کے) وجود سے پہلے یہ دنیا ایک چٹیل میدان کی صورت تھی۔ میں نے آ کر اس میں اپنی تگ و دو سے رونق کا سامان کیا۔ ان دعاؤں کا سبب یہی امر ہے۔

۶- ایسی طبیعت جو خطروں کو پسند کرتی ہو (میری یا انسان کی طبیعت) اسے ایسا گلستان ہرگز پسند نہیں جس میں کوئی شکاری گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔ گویا انسان مصیبتوں میں رہتے ہوئے بھی اور ہر طرح کے خطرات سے دوچار ہوتے ہوئے بھی اس دنیا کی رونق اور چہل پہل کا سامان کرتا رہا اور کر رہا ہے۔

۷- جذبۂ عشق حقیقی سے سرشاری تیرے فرشتوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ انہیں کا کام ہے جن کے حوصلے بلند ہیں یعنی یہ سرشاری صرف انسان ہی کے مقدر میں ہے جو بڑا صاحب حوصلہ و ہمت ہے۔

(۵)

۱- کیا عشق ایک زندگیِ مستعار کا	کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
۲- وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک	اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا
۳- میری بساط کیا ہے' تب و تابِ یک نفس	شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
۴- کر پہلے مجھ کو زندگیِ جاوداں عطا	پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بیقرار کا
۵- کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو	یارب! وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

۱- ایک فانی و عارضی زندگی کے عشق کی حقیقت و حیثیت ہی کیا ہے۔ ایک ناپائدار یعنی فانی وجود (انسان) کا پائدار وجود (ہمیشہ قائم رہنے والی ذاتِ باری کی ہستی) سے عشق کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ گویا وہ کتنا بھی اظہار عشق کر لے' فانی ہونے کے باعث یہ عشق و محبت نامکمل ہی رہے گا۔

۲- جس عشق کے چراغ کو موت کی پھونک بجھا دے' اس میں بھلا فراق کی تڑپ اور محبوب کے انتظار کا کیا لطف و مزہ ہو سکتا ہے۔ ایک سچے عاشق کے لیے یہی دو باتیں سب کچھ اور باعث مزہ ہیں لیکن فانی ہونے کے باعث وہ کیونکر پوری طرح ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

۳- میری (انسان کی) حیثیت ہی کیا ہے؟ بس یہی کہ وہ ایک لحہ کے لیے چمکتا اور ختم ہو

جاتا ہے؟ یہ تو کوئی حیثیت نہیں۔ یہ تو چنگاری (انسان) کا شعلے (ذات باری تعالیٰ) سے بے جا الجھنا ہے۔ بیدل پانی پتی نے یہ بات یوں کی ہے:

گر کسے وصفِ اُو ز من پرسد
بیدل از بے نشاں چہ گوید باز
عاشقاں کشتگانِ معشوقند
بر نیاید ز کشتگاں آواز

(اگر کوئی اس ذات باری کا وصف مجھ سے پوچھے' تو بیدل بھلا اس بے نشان' یعنی جو نظر نہیں آ رہا' کے بارے میں کیا عرض کرے' اس لیے کہ عاشق تو اس محبوب حقیقی کے مارے ہوئے ہیں' ظاہر ہے مارے ہوؤں کی تو آواز نہیں نکلتی۔)

رباعی

۱۔ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر حریم کبریا سے آشنا کر
۲۔ جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

۱-۲= اے ربِ کریم! ملت اسلامیہ کے دلوں میں پھر سے اپنی محبت کا جذبہ پیدا کر دے۔ مسلمان وفا کے جذبے سے بھی سرشار ہو جائیں اور انہیں پھر سے اپنی ذاتِ کبریا سے آشنائی کے شرف سے نواز یعنی وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ چکے ہیں۔ ان میں پھر صحیح مومنانہ جذبے پیدا کر دے۔ جسے تو نے جو کی روٹی عطا فرمائی ہے اسے حضرت علیؓ حیدر کا سا زور بازو عطا فرما۔ گویا آج کے غلام مسلمان اگرچہ مفلسی و غربت کا شکار ہیں جس کے باعث ان کی خوراک معمولی ہے لیکن اگر انہیں تو حضرت علیؓ حیدر کا سا زورِ بازو عطا فرما دے تو وہ باطل قوتوں سے ٹکرا کر اپنی آزادی و خوشحالی کا سامان کر سکتے ہیں۔ علامہ نے بانگ درا کی ایک نظم ''میں اور تو'' کے ایک شعر میں کچھ اسی قسم کی بات کی ہے:

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

(۶)

۱۔ پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

۲- نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں — مرا سوزِ دروں پھر گرمیِ محفل نہ بن جائے
۳- کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو — کھٹک سی ہے، جو سینے میں، غمِ منزل نہ بن جائے
۴- بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو — یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
۵- کہیں اس عالمِ بے رنگ و بو میں بھی طلب میری — وہی افسانۂ دُنبالۂ محمل نہ بن جائے
۶- عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

۱- میری خاک، جذبہ عشق سے، بکھر رہی ہے۔ اس حالت میں کہیں یہ دل کی صورت اختیار نہ کر جائے اور یوں، یارب! جس مشکل سے میں اب دوچار ہوں، کہیں مشکلات کی پھر وہی صورت نہ بن جائے۔ گویا عاشق دل ہی کے باعث مشکلوں میں گھرا ہوا ہے۔ اگر دل نہ ہوتا تو عشق بھی نہ ہوتا۔ خاک کا بکھر کر دل بن جانا مزید مشکلوں کا باعث بنے گا۔

۲- بہشت میں کہیں حوریں مجھے فریاد و فغاں پر مجبور نہ کر دیں اور یوں میرے دل کا سوز وہاں بھی محفل کی رونق کا باعث نہ بن جائے۔ گویا دنیا میں تو شاعر کا سوز دل اس رونق کا باعث بنا رہا لیکن حوروں کے مجبور کرنے پر وہاں بھی ایسی صورتِ حال پیش آنے کا سامان نہ ہو جائے۔

۳- بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دورانِ سفر مسافر کو اپنی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آ جاتی ہے جو اس کی بیقراری کا باعث بنتی ہے۔ میرے سینے میں بھی جو ایک چبھن سی پیدا ہو رہی ہے، کہیں میرے لیے یہ بھی چھوڑی ہوئی منزل کا غم نہ بن جائے۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہوگئی تو میرے لیے سفر جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا اور اپنی سابقہ منزل ہی کے غم میں گم رہوں گا۔

۴- عشق کے جذبے سے سرشاری نے مجھے ایک انتہائی یا لا انتہا سمندر بنا دیا۔ میں ڈر رہا ہوں کہ میرا اپنے آپ پر نظر جمائے رکھنا کہیں میرا ساحل نہ بن جائے۔ عشق سے انسان میں بہت وسعت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر عاشق اپنے محبوب کی ذات میں گم نہ ہو اور اپنی حیثیت بھی برقرار رکھنا چاہے تو یہ کیفیت اس کی وسعت کو ختم کر دے گی اور اس کا عشق ایک سچا عشق نہ رہے گا۔

۵- میں اس خدشے کا شکار ہوں کہ جب میں رنگ و بو سے خالی دنیا یعنی محبوبِ حقیقی کی دنیا میں پہنچوں گا تو میرا شوق اور محبوب کی تلاش کہیں خود محمل کے پیچھے پیچھے جانے والی

داستان یعنی صورتحال نہ بن جائے۔ (لغت دیکھیے) گویا رنگ و بو کی دنیا میں مجھے محبوب نہ ملا مذکورہ دنیا میں بھی اسی حالت کا خدشہ ہے۔

۶- خاک سے تخلیق شدہ انسان کی عظمت و سربلندی کے تصور سے ستارے سہمے جا رہے ہیں، اس لیے کہ وہ اِس اندیشے کا شکار ہیں کہ یہ ٹوٹ کر زمین پر گرنے والا ستارہ کہیں چودھویں کا کامل چاند نہ بن جائے۔ ٹوٹا ہوا تارا اشارہ ہے آدم کے زمین پر اتارے جانے کی طرف۔ مہِ کامل سے مراد انسان کمال کی منزلیں طے کر کے اپنی عظمت و سربلندی کا سامان نہ کر لے۔

(۷)

۱- دگرگوں ہے جہاں، تاروں کی گردش تیز ہے ساقی — دلِ ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی
۲- متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی — یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی
۳- وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی — علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی
۴- حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا — کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی
۵- نہ اٹھا پھر کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے — وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
۶- نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے — ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
۷- فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی — بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

۱- اے ساقی! دنیا میں انقلاب آ گیا ہے۔ ستاروں کی گردش میں تیزی آ گئی ہے۔ یہاں کے ہر ہر ذرے کے دل میں قیامت کا سا شور برپا ہے۔ انقلاب کیسا ہے؟ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

۲- اللہ والوں کے پاس دین و عقل کا جو سرمایہ تھا، لٹ گیا ہے۔ گویا وہ دین و دانش اور جہد و عمل سے پورے طور پر بیگانے ہو گئے ہیں۔ اے ساقی! یہ کس کافر ادا کے ناز و غمزہ کا کرشمہ ہے؟ فرنگی تہذیب ہی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، جس کے ظاہر سے متاثر ہو کر مسلمان اپنے دین سے دور ہو گئے ہیں۔

۳- مسلمان اسی پرانی بیماری کا شکار ہیں اور ان کے دل پختگی سے محروم ہیں۔ گویا ان کے دل ایمان سے دور ہو گئے ہیں اور وہ راہِ حق میں ثابت قدم نہیں رہے۔ اے ساقی! مسلمانوں کی اس بیماری کا علاج ایمان کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے جسے حلق سے اتارتے ہی روح و قلب پر ایک خاص لطف و شادمانی کی کیفیت طاری ہو جائے۔

۴- مسلمانوں کے دلوں میں آرزو کا سوز پیدا ہی نہیں ہو رہا' اس لیے کہ تیرا جلوہ اب تک پردے میں ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور جہد و عمل کے جذبے ختم ہو چکے ہیں۔ اگر تو (اے خدا) اپنا جلوہ ظاہر فرما دے تو توقع ہے کہ مسلمانوں میں پھر اپنے اسلاف کے سے عظیم جذبے' ولولے پیدا ہو جائیں اور وہ پورے ذوق وشوق سے اپنے ایمان پر عمل پیرا ہو جائیں۔

۵- اے ساقی! اگرچہ ایران کی سرزمین وہی ہے جو صدیوں پہلے تھی اور تبریز کی بھی یہی صورتحال ہے لیکن افسوس کہ اس سرزمین سے مولانا رومیؒ اور حضرت شمسؒ تبریزی جیسی شخصیات وجود میں نہیں آئیں۔ حضرت شمسؒ کی تربیت سے رومیؒ' رومیؒ بنے۔ اگر آج بھی کوئی شمس پیدا ہو جاتے تو اسی تربیت کا سامان کرتے۔

۶- اقبال اپنی ویران کھیتی سے مایوس و ناامید نہیں ہے۔ اے ساقی اگر اس کھیتی کی آبیاری کا کسی قدر انتظام ہو جائے تو اس کھیتی کی مٹی بہت زرخیز ہونے کے باعث اچھی فصل دے گی۔ کھیتی سے مراد مسلمان قوم ہے جو آج ظاہری طور پر اچھی تو نہیں ہے' لیکن اگر زمانے کے حالات موافق ہوں اور تیری نظرِ کرم بھی ہو جائے تو وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا عظیم و بلند مرتبہ مقام حاصل کر سکتی ہے۔

۷- راستے میں بیٹھے ہوئے مجھ فقیر (علامہ) کو' اے ساقی! تو نے بادشاہت کے رازوں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ میری نوا (شاعری) کی قیمت پرویز بادشاہ کی سلطنت ہے۔ گویا علامہ کی شاعری کو' جو عظیم پیغام کی حامل ہے' وہ مقام و درجہ حاصل ہوا ہے کہ اس کے مقابلے میں ایران کے عظیم بادشاہ خسرو پرویز کی سلطنت کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۸)

۱- لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ۔۔۔ ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

۲- تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند ۔۔۔ اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

۳- میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی ۔۔۔ شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

۴- شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی ۔۔۔ رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

۵- عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے ۔۔۔ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

۶- سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات ۔۔۔ ہو نہ روشن' تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

۷- تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ ۔۔۔ ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

۱- اے ساقی (رب کریم!) ایک مرتبہ پھر وہی یعنی پرانی شراب اور جام لے آ، جس کے پینے سے مجھے میرا کھویا ہوا مقام پھر حاصل ہو جائے۔ مراد یہ کہ دینِ حق کی طرف خاص توجہ کا جذبہ وعشق جس کی بدولت مسلمان اپنے عظیم اور شاندار ماضی کی یاد عملی طور پر تازہ کر دیں۔

۲- تین سو سال سے ہندوستان کے مے خانے بند پڑے ہیں۔ اے ساقی! اب مناسب ہے کہ تیرا فیض عام ہو جائے۔ یعنی عہد جہانگیر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے لے کر آج تک ہند کے مسلمان دین و شریعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان پر پھر سے نظرِ کرم فرما دے تاکہ وہ پھر اس طرف مائل ہو جائیں اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تزکیہ نفس اور شریعت کے احیا کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، علامہ اس سے بہت متاثر تھے۔ اس لیے تین سو سال کہہ کر بالواسطہ اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳- اے ساقی! میری غزل (شاعری) کی صراحی میں ذرا سی شراب باقی رہ گئی تھی، شیخ اس پر بھی حرام ہونے کا فتویٰ صادر کر رہا ہے۔ شراب سے مراد علامہ کی خدمتِ دین ہے جو وہ اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں دین سے محبت پیدا کرنے کی خاطر انجام دے رہے تھے، لیکن نام نہاد ملاؤں کو ان کا یہ انداز پسند نہیں آیا اور انہوں نے اس پر بے جا تنقید کی۔

۴- تحقیق کا جنگل خدا کے شیروں یعنی جواں مردوں سے خالی ہو گیا ہے۔ اے ساقی! اب صرف صوفی اور ملا کے غلام رہ گئے ہیں۔ نام نہاد صوفیا عملی زندگی کی ترغیب دینے کے بجائے اپنے مریدوں کو خلوت نشینی کی ترغیب دلاتے ہیں اور انہوں نے جگہ جگہ اپنی گدیاں قائم کر رکھی ہیں۔ مُلا سے مراد وہ فرقہ پرست مولوی جو مذہب کے نام پر ملت میں تفریق و انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ ناسمجھ لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔

۵- معلوم نہیں کہ عشق کی تیز کاٹ والی تلوار کس نے اڑا لی ہے۔ اب اے ساقی! علم کے ہاتھ میں صرف نیام رہ گئی ہے۔ گویا مسلمان کبھی جذبہ عشق حقیقی سے بھی سرشار اور علم کی دولت سے بھی مالا مال تھے، لیکن نہ معلوم اب وہ کیوں ان جذبوں سے محروم ہیں۔ آج کے علم کی حیثیت تو اس نیام کی سی ہے جس میں تلوار نہ ہو یعنی دین و عشق حقیقی سے خالی ہے۔

۶۔ اگر سینہ جذبۂ عشق حقیقی کے نور سے روشن ہو تو شعر کا سوز و گداز سراسر زندگی ہے' یعنی حقیقی زندگی کا پیغام ہے اور اگر شاعر کا سینہ اس جذبے سے منور نہ ہو تو اے ساقی! شعر ہمیشہ ہمیشہ کی موت بن جاتا ہے۔ پہلی صورت میں شعر سننے اور پڑھنے والے میں ایک تازہ روح پیدا کر دیتا ہے' دوسری صورت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۷۔ اے ساقی (رب کریم!) تیرے پیانے میں ماہ کامل ہے۔ تو میری تاریک رات کو مہتاب کی روشنی سے محروم نہ رکھ۔ گویا تیرے پیانے میں جو شراب ہے' وہ ماہِ کامل ہے' اس سے میری تاریک رات میں اجالا فرما دے۔ مراد یہ کہ میری یا امتِ مسلمہ کی زندگی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہے' تو لطف و کرم فرما کر اس میں اجالا کر دے یعنی ہمیں پھر سے دینِ حق پر عمل پیرا ہونے کی ہمت و عادت عطا فرما دے۔

(۹)

۱۔ مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو — پلا کے مجھ کو مئے "لا اِلہ الا ھو"
۲۔ نہ مے' نہ شعر' نہ ساقی' نہ شورِ چنگ و رباب — سکوتِ کوہ و لبِ جوے و لالۂ خودرو
۳۔ گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ — پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو
۴۔ مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں — کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
۵۔ میں نو نیاز ہوں' مجھ سے حجاب ہی اولیٰ — کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو
۶۔ اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اس کا — صفائے پاکی طینت سے ہے گہر کا وضو
۷۔ جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے — نگاہِ شاعرِ رنگیں نوا میں ہے جادو

۱۔ میرے ساقی نے مجھے "لا الہ الا ھو" کی شراب پلا کر میں اور تو کا فرق مٹا دیا۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ عاشق محبوب حقیقی کی ذات میں فنا ہو کر وہی بن گیا۔

۲۔ مجھے نہ تو شراب کی خواہش ہے' نہ مجھے شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ چنگ و رباب کی موسیقی سے۔ مجھے اگر کوئی خواہش ہے تو پہاڑ کی خاموشی' ندی کے کنارے اور اس پر اپنے آپ اُگے ہوئے لالہ کے پھولوں کی خواہش ہے۔ گویا انہی میں میرے لیے سکونِ قلب کا سامان ہے۔ ان میں خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

۳۔ ذرا مے خانے کے گدا (درویش) کی شانِ بے نیازی ملاحظہ ہو کہ وہ آبِ حیات کے چشمہ پر پہنچ کر اپنا سبو ہی توڑ ڈالتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک عاشق حقیقی کی ساری توجہ اپنے محبوب حقیقی کی طرف ہے' اسے آبِ حیات سے کوئی بھی اور کسی طرح بھی

دلچسپی یا خواہش نہیں ہے۔

۴۔ میرے چھوٹے سے برتن میں جو شراب ہے، میں اسے غنیمت سمجھتا ہوں یا اسے غنیمت سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ آج کے جو صوفی ہیں، ان کی خانقاہوں میں ان کے تو بے بالکل خالی پڑے ہیں یعنی وہ محض نام کے صوفی ہیں، ان میں عشق حقیقی کا معمولی سا بھی جذبہ نہیں ہے۔

۵۔ میں نیا نیا نیاز مند بنا ہوں، یا ناز برداروں میں شامل ہوا ہوں۔ اس لیے محبوب کا مجھ سے پردے میں رہنا ہی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری نگاہ میرے دل سے بھی زیادہ بے قابو ہے، اس پر قابو پانا مشکل ہے۔ نو نیاز سے مراد یہی ہے کہ میرے عشق کا آغاز ہوا ہے اور اس میں ظاہر ہے بیقراری زیادہ ہوتی ہے۔

۶۔ موتی اگر چہ سمندر کی لہروں میں مقیم رہتا ہے لیکن وہ اپنی پاک فطرت کے صاف و شفاف پانی سے وضو کرتا ہے۔ لہروں میں رہتے ہوئے بھی، سیپی کے منہ میں بند ہونے کے باعث، موتی لہروں سے بے نیاز ہوتا ہے اور یوں مستقل طور پر پاکیزہ رہتا ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ انسان اگر پاک باطن و پاک فطرت ہے تو وہ کسی بھی ماحول میں رہے، اس کی پاک باطنی برقرار رہتی ہے۔

۷۔ دل کش اور رنگین شعر تخلیق کرنے والے شاعر کی نگاہ میں ایسا جادو ہے کہ اس کے فیض سے گلاب اور لالہ کے پھول مزید خوبصورت و دلکش اور شاداب بن جاتے ہیں۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ چونکہ ایسا شاعر عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے، اس لیے اس کے کلام میں بے حد تاثیر ہوتی ہے۔

(۱۰)

۱۔ متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

۲۔ ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

۳۔ حجاب اکسیر ہے آوارۂ کوئے محبت کو
مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی

۴۔ گذر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

۵۔ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

۶۔ زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

۷۔ مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

۱- عشق میں محبوب حقیقی کی آرزو کا سوز و درد ایک ایسا سرمایہ ہے جس کی قیمت لا انتہا ہے۔ اسی بنا پر اگر مجھے بندگی کی جگہ شانِ خداوندی/ آقائی بھی ملے تو میں اسے ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ گویا ایسا سرمایہ چھوڑ کر آقا کی سی بے نیازی اختیار کرنا عاشق کی شان کے خلاف ہے۔

۲- (اے مولا!) تیرے آزاد بندوں کی نہ تو یہ دنیا ہے اور نہ آخرت کی دنیا۔ اس لیے کہ آزاد بندہ کوئی پابندی یا قید قبول نہیں کرتا جبکہ تیری اس مادی دنیا میں مرنے کی پابندی ہے اور دوسری دنیا میں جینے کی قید و پابندی ہے۔ گویا یہاں تو ہر حال میں مرنا ہے لیکن وہاں ہمیشہ کی زندگی ہوگی اور یہ دونوں پابندیاں ہیں جو آزاد فطرت عاشق کے لیے گویا ناگوار ہیں۔

۳- محبت کے کوچے میں آوارہ گھومنے پھرنے والے عاشق کے لیے محبوب کا پردے میں رہنا ایک طرح سے اس کے لیے یہ (پردہ) اکسیر کی تاثیر رکھتا ہے۔ اس لیے کہ محبوب کا جلوہ دیر یا مدت کے بعد نظر آتا ہے جبکہ عاشق کے لیے محبوب کی یہ دوری یا فراق اس کی آتشِ عشق کو مزید بھڑکاتی / بھڑکاتا ہے۔ محبوب کے کوچے میں گھومنے پھرنے سے متعلق مصحفی کے یہ دو شعر خوب ہیں، اگرچہ ان کا تعلق مجازی محبوب سے ہے:

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا
تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں
ہم کو کوچے سے ترے روز میاں ہو جانا

۴- شاہین/ شہباز جیسے پرندے کے لیے اپنا آشیانہ بنا کر رہنا، ذلت کا باعث ہے، اسی لیے وہ کوہ و بیاباں میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ گویا بلند حوصلہ انسان کو اسباب و وسائل سے کوئی تعلق یا دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی عالی ہمتی کے باعث اپنی زندگی سنوارتا ہے، یا اسے اس طرح سنوارنی چاہیے۔

۵- حضرت اسمٰعیلؑ نے فرزندی کے جن ادب و آداب اور طور طریقوں کا بے مثال مظاہرہ کیا، وہ انہوں نے کس سے سیکھے تھے۔ کیا انہوں نے یہ کسی مکتب میں سیکھا تھا یا کسی کی نظر کا فیض تھا۔ ظاہر ہے یہ حضرت ابراہیمؑ کا فیض نظر تھا (نیز لغت ملاحظہ ہو) اللہ کرے ہماری نئی نسل کی بھی کچھ ایسی ہی تربیت ہو۔ آمین۔

۶۔ میری قبر ہمت وعزم والے لوگوں کے لیے زیارت گاہ بن گئی ہے' اس لیے کہ میں نے راستے کی گرد کو پہاڑ جیسا مضبوط و ثابت قدم اور وسیع بننے کا راز بتا دیا۔ یعنی میرے پیغام سے متاثر ہو کر کمزور ملت نے وہ انداز اپنائے اور اپنے استحکام کا سامان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بلند ہمت انسان میری قبر پر آتے جاتے رہتے اور فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں۔

۷۔ ذاتی جوہروں سے آراستہ حسن کو میرے بناؤ سنگار کی کیا ضرورت ہے (کوئی ضرورت نہیں ہے) اس لیے کہ قدرت لالہ کے پھولوں کو خود ہی مہندی لگاتی رہتی ہے۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ دل نشین و پرتاثیر باتوں کے لیے کسی فنی آراستگی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ سننے یا پڑھنے والوں کے دلوں میں اپنے آپ اترتی چلی جاتی ہیں۔

(۱۱)

۱۔ تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ — وہ ادب گہِ محبت' وہ نگہ کا تازیانہ

۲۔ یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں — نہ ادائے کافرانہ' نہ تراشِ آزرانہ

۳۔ نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت — یہ جہاں عجب جہاں ہے' نہ قفس نہ آشیانہ

۴۔ رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی — کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مے مغانہ

۵۔ مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے — انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

۶۔ مرے خاک وخوں سے تونے یہ جہاں کیا ہے پیدا — صلۂ شہید کیا ہے؟ تب وتابِ جاودانہ

۷۔ تری بندہ پروری سے مرے دن گذر رہے ہیں — نہ گِلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

۱۔ اے محبوب حقیقی! کیا تجھے وہ زمانہ یاد نہیں جب شروع شروع میں میرے دل میں تیرے عشق کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ وہ دور ایک ایسا دور تھا جب محبت کی ادب گاہ سے مجھے عشق کا درس مل رہا تھا اور یہ درس بعض دفعہ میری عدم توجہی کے باعث مجھے بھول جاتا تھا جس پر تو مجھے نگاہ کے تازیانے لگاتا تھا۔

۲۔ آج کے دور کے بت' جو مدرسوں میں تیار ہو رہے ہیں' ان کی حالت کچھ ایسی ہے کہ نہ تو ان میں کافرانہ ادائیں پائی جاتی ہیں اور نہ ان کی تراش میں آزر جیسے قدیم و ماہر بت تراش کی سی مہارت کا کوئی نمونہ یا کرشمہ نظر آ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ موجودہ طرزِ تعلیم سے نہ تو طلبا کا ظاہر ہی سنور رہا ہے اور نہ باطن ہی۔

۳۔ اس دنیا کی وسیع فضا میں کوئی ایسا کونہ کھدرا/ گوشہ نظر نہیں آ رہا' جہاں انسان بے

فکری اور آرام وسکون کی زندگی بسر کر سکے۔ یہ دنیا بھی کیا عجیب دنیا ہے کہ نہ تو اس میں پنجرہ ہے اور نہ کوئی گھونسلا ہی ہے۔ پنجرے سے مراد کسی کی قید میں رہنے کا عمل کہ یہ بے فکری وسکون کی علامت ہے' اسی طرح گھونسلے سے مراد ہے آزاد زندگی بسر کرنے کا عمل۔

۴۔ اے ساقی! انگور کی بیل تیرے کرم کی بارش کے انتظار میں ہے' اس لیے کہ عجم کے مے خانوں میں پرانی / پہلی شراب نہیں رہی۔ مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اہل مشرق میں وہ پہلے سے جذبے اور حوصلے نہیں رہے۔ ان پر تیرا لطف وکرم ہو جائے تو وہ پھر سے اپنے عظیم ماضی کو زندہ کر سکیں گے۔

۵۔ میرے عاشقانہ نغموں کو میرے ہم نواؤں نے موسم بہار کی آمد کا باعث قرار دیا۔ انہیں کیا علم کہ یہ نغمے الاپنے کے لیے دل وجگر کا خون کرنا پڑتا ہے۔ بہار کی آمد پر پرندے خوب چہچہاتے ہیں۔ اسی حوالے سے یہ کہا ہے کہ ہم نواؤں نے اسے ایک آسان کام سمجھ لیا۔ نغموں سے مراد شاعری ہے۔ کچھ اسی قسم کی بات میر تقی میر نے کی ہے:

مجھ کو شاعر نہ کہو میؔر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

اور بقولِ حالؔی:

خشک سیروں تنِ شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

غالب نے اور طرح سے بات کی ہے:

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

۶۔ اے خالق! تو نے یہ دنیا میرے خون اور خاک سے پیدا کی ہے۔ شہید کا صلہ / انعام کیا ہے؟ ہمیشہ ہمیشہ کی تڑپ اور بیقراری۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں زندگی کی رونق ان جانبازوں کے خون سے ہے جو تیری راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کی یہ تڑپ اس خاطر ہے کہ یہ جہاد جاری رہے تاکہ وہ مقاصد پورے ہوں جن کے لیے وہ شہید ہوئے۔

۷۔ اے میرے مولا کریم! تیری بندہ پروری سے میری زندگی کے دن گذر رہے ہیں' اسی

باعث مجھے کچھ ایسی بے نیازی حاصل ہے کہ میں نہ تو کبھی دوستوں کے روّیے کا گلہ کرتا ہوں یا گلہ کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ زمانے ہی سے مجھے کوئی شکایت ہے۔

(۱۲)

۱۔ ضمیرِ لالہ مَئے لعل سے ہوا لبریز — اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
۲۔ بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی — کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
۳۔ پرانے ہیں یہ ستارے، فلک بھی فرسودہ — جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز
۴۔ کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا — تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز
۵۔ نہ چھین لذتِ آہِ سحر گہی مجھ سے — نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز
۶۔ دلِ غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل — صدائے مرغِ چمن ہے بہت نشاط انگیز
۷۔ حدیثِ بے خبراں ہے "تو بازمانہ بساز" — زمانہ با تو نسازد، تو بازمانہ ستیز

۱۔ لالہ کے پھول کا ضمیر سرخ شراب سے پوری طرح بھر گیا۔ صوفی نے یہ صورتحال دیکھی تو فوراً شراب سے پرہیز کا سلسلہ ختم کر دیا، یعنی پی لی یا پینے کے لیے تیار ہو گیا۔ موسم بہار کی آمد کچھ ایسی دلکش ہے کہ میخوارے نوشی سے توبہ توڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن بقول ایک شاعر کے:

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

بقول غالب:

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

۲۔ عشق نے جہاں کہیں بھی اپنی بساط بچھائی ہے وہاں درویشوں کو خسرو پرویز جیسے عظیم بادشاہ کی سلطنت کا وارث بنا دیا ہے۔ گویا درویشی اور فقیری چونکہ عشق حقیقی کی دولت سے مالا مال ہوتی ہے اور دنیاوی مفادات و دولت وغیرہ سے بے نیاز ہوتی ہے، اس لیے وہ بہت بڑی عظمت کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ اس دنیا کے ستارے اب پرانے ہو چکے ہیں اور آسمان میں بھی افسردگی/ بوسیدگی آ چکی ہے۔ مجھے تو ایسی گھسی پٹی دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں تو ایسی دنیا کا آرزومند و مشتاق ہوں جو تازہ تازہ وجود میں آئی ہو اور جدت کی حامل ہو۔

۴- کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ محشر کا ہنگامہ کیا شے ہے۔ میرے لیے تو (اے محبوبِ حقیقی) تری نگاہ کی گردش یعنی تیرے لطف و کرم کی نگاہ کا مجھ سے پھر جانا ہی میرے لیے ایک قیامت ہے۔ میر ممنونؔ نے مجازی محبوب کے حوالے سے کہا ہے:

غلط کہ صرفِ خرابی ہے گردشِ شب و روز
کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

بقولِ حافظ شیرازی:

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ می کشد
جانا! گناہِ طالع و جرم ستارہ نیست

(اے محبوب! تو اپنی آنکھوں سے پوچھ کہ ہمیں کون مار رہا ہے' اس میں مقدر کا کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ستارے ہی کا کوئی جرم ہے)

بقولِ نشاط اصفہانی:

روشنانِ فلکی را اثرے در ما نیست
حذر از گردشِ چشمِ سیہی باید کرد

(ستاروں کی گردش کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اصل میں محبوب کی سیاہ آنکھوں سے بچنا چاہیے)

اور ابو طالب کلیم نے یوں کہا ہے:

کِہ دل برجا تواند داشت پیش چشم شہلایش
کشد ز آئینہ بیرون عکس را مژگانِ گیرایش

(اس کی شہلا جیسی آنکھوں کے سامنے کون اپنا دل برقرار رکھ سکتا ہے جس کی گرفت کرنے والی پلکیں آئینے سے عکس ہی باہر کھینچ لیتی ہوں)

بقولِ ناظم رامپوری:

بیخود ہے یہ اس چشم سیہ مست کا مارا
ہر چند قیامت ہوئی برپا' نہیں اٹھا

۵- اے محبوبِ حقیقی! مجھ سے صبح کے وقت کی آہ کی لذت نہ چھین' مجھے اس سے محروم نہ کر' اور تو اپنی نگاہ سے بے پروائی میں لطف و کرم کی آمیزش نہ کر۔ گویا عاشق کے لیے محبوب کا تغافل ہی سب کچھ ہے کہ اس سے وہ بیقرار ہوتا اور آہ و فریاد کرنے لگتا

ہے۔اس کی یہ آہ وفریاد اس کے لیے بہت بڑی دولت ہے۔

۶- موسم بہار ایک غمزدہ دل کے حسب حال نہیں ہے' اس لیے کہ اس موسم میں باغ کے پرندوں کے نغمے/ چہچہے بہت ہی نشاط انگیز ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں ایک یا میرا غمگین دل کیونکر خوش رہے گا۔

۷- یہ کہنا کہ ''تو زمانے کے ساتھ موافقت کر'' حقیقت سے بے خبر لوگوں کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر زمانہ تیرے ساتھ موافقت نہیں کرتا تو تو زمانے سے الجھ جا' لڑ پڑ۔ گویا خودی سے آگاہ اور بلند حوصلہ انسان زمانے کو تسخیر کر کے اپنے حسب خواہش اس سے کام لیتا ہے' اس کے برعکس بے ہمت و حوصلہ لوگ زمانے کی پیروی کرتے اور اپنی اس کمزوری ہی کو پسند کرتے ہیں۔ ''با زمانہ بساز'' مسعود سعد سلمانؔ کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

اگر سپہر بگردد ز حالِ خود' تو مگرد
وگر زمانہ نسازد تو با زمانہ بساز

(۱۳)

۱- وہی میری کم نصیبی' وہی تیری بے نیازی	مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی
۲- میں کہاں ہوں' تو کہاں ہے' یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟	یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی
۳- اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں	کبھی سوز و سازِ رومیؔ' کبھی پیچ و تابِ رازیؔ
۴- وہ فریب خوردہ شاہیں' جو پلا ہو کرگسوں میں	اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی
۵- نہ زباں کوئی غزل کی' نہ زباں سے باخبر میں	کوئی دل کشا صدا ہو' عجمی ہو یا کہ تازی
۶- نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا	یہ سپہ کی تیغ بازی' وہ نگہ کی تیغ بازی
۷- کوئی کارواں سے ٹوٹا' کوئی بدگماں حرم سے	کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

۱- مجھے شاعری میں جو کمال حاصل ہوا ہے' وہ میرے کسی کام نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (اے محبوب حقیقی!) میں جیسا پہلے کم نصیب تھا' آج بھی ویسا ہی کم نصیب ہوں اور تیری مجھ سے بے نیازی و بے توجہی جو پہلے تھی آج بھی ہے۔

۲- یہ راز کہ میں کہاں ہوں اور تو کہاں ہے اور یہ دنیا' جس میں میں زندگی بسر کر رہا ہوں' مکاں ہے یا کہ لامکاں؟ آج تک مجھ پر ظاہر نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ یہ دنیا میری دنیا ہے یا تیری کسی کرشمہ سازی کا نتیجہ ہے۔

سعدیؔ نے یہ بات کچھ اس انداز میں کی ہے:

اے بر تر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بآخر رسید عمر
ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

(اے ذاتِ باری! تو خیال و قیاس اور گمان و وہم سے بلند تر ہے، اور جو کچھ بھی تیرے بارے میں کہا گیا ہے اور ہم نے سنا اور پڑھا ہے وہ سب کچھ اس طرح ہے کہ محفل ختم ہوگئی اور عمر اپنے اختتام کو پہنچ گئی لیکن ہم ابھی تک اسی طرح تیرے وصف کے آغاز ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔)

۳- میری زندگی کی راتیں اسی کشمکش میں گذری ہیں کہ کبھی تو میں مولانا رومیؔ کے سے عاشقانہ سوز و ساز میں مبتلا ہوتا اور کبھی رازیؔ کے سے فلسفیانہ پیچ و تاب میں کھو جاتا۔

۴- دھوکے فریب میں آیا ہوا شاہین/ شہباز جس نے گِدھوں (گ کے نیچے زیر) میں پرورش پائی ہو، اسے شہبازی کے طور طریقوں کی بھلا کیا خبر ہو سکتی ہے۔ ''فریب خوردہ شاہیں'' استعارہ ہے مسلم نوجوان نسل کا جو غلامی کے ذلت آمیز دور میں پرورش و تربیت پا رہی ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیونکر اپنی عظمت و سربلندی کے لیے کوشش کر سکتی ہے۔

۵- میری غزل کی کوئی فنکارانہ زبان نہیں ہے اور نہ میں زبان کی باریکیوں ہی سے واقف ہوں۔ بات یہ ہے کہ محبوب کے ناز و ادا کے بیان کے لیے کوئی مخصوص زبان نہیں ہے، اس کے لیے تو کوئی دل کشا آواز یا شاعری ہونی چاہیے، وہ خواہ فارسی زبان میں ہو خواہ عربی زبان میں۔

۶- فقر و درویشی اور سلطنت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اس لیے کہ سلطانی / بادشاہی لشکر کے تلوار چلانے سے ہاتھ آتی ہے جبکہ درویشی میں نگاہ تیغ زنی کا کام کرتی ہے۔ گویا حکمران فوج کے ذریعے حکمرانی کرتے ہیں اور درویش اپنی نظرِ فیض اثر سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔

۷- مسلمانوں کی حالتِ زار پر اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوئی تو قافلے یعنی ملت سے قطع تعلق کیے ہوئے ہے اور کوئی حرم/ مرکزِ اسلام سے متعلق بدگمانی کا شکار ہے۔ اس

کی وجہ یا بنیادی وجہ یہ ہے کہ قافلہ سالار کچھ ایسی خصلت کا مالک ہے کہ وہ دوسروں کے دل موہ لینا جانتا ہی نہیں۔

(۱۴)

۱- اپنی جولاں گہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں — آب وگل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

۲- بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم — اِک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

۳- کارواں تھک کر فضا کے پیچ وخم میں رہ گیا — مہر و ماہ ومشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

۴- عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام — اس زمین وآسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

۵- کہہ گئیں رازِ محبت پردہ داری ہائے شوق — تھی فغاں وہ بھی جسے ضبطِ فغاں سمجھا تھا میں

۶- تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے دردناک — جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

۱- میں یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ میری تگ ودو/ بھاگ دوڑ کا اصل میدان یہ دنیا ہے' اور اس مادی دنیا کو میں اپنا جہان سمجھے ہوئے تھا۔ مطلب یہ کہ یہ کائنات' جس کا اے خالقِ حقیقی! تو خالق و مالک ہے' عارضی وفانی ہے' اصل اور بقا والی تو دوسری دنیا ہے۔ اگر انسان اسی مادی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔

۲- (اے محبوبِ حقیقی!) جب تو نے بے حجاب ہو کر اپنی تجلی کا سامان کیا تو اس سے میری نگاہوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ میں اس نیلی چادر کو آسمان سمجھے بیٹھا تھا۔ ظاہر ہے یہ میری نظر کا دھوکا تھا۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ محبوب حقیقی کے جلوے تو اس کائنات میں ہر جگہ نظر آ رہے ہیں لیکن اس کے لیے دیکھنے والی آنکھ یا بصیرت کی ضرورت ہے' عام آنکھ اس قابل نہیں ہے۔

۳- میں نے سورج اور چاند اور مشتری کو اپنا سفر کا ساتھی سمجھ رکھا تھا' لیکن یہ قافلہ (مہر و ماہ وغیرہ) فضا کے پیچ وخم ہی میں تھک کر رہ گیا۔ گویا میں انہیں یا اس قافلے کو ساتھ لیے عروج و بلندی کی منزلیں طے کر رہا تھا لیکن ان کے تھکنے (غروب ہو جانے) کے باعث میں اکیلا آگے نکل گیا۔ انسان اگر اپنی خودی سے آگاہ ہو جائے تو وہ صاحب بقا بن جاتا ہے اور اس کے تھکنے یا غروب ہونے یا فانی ہونے کی بات ختم ہو جاتی ہے۔

۴- عشق کی ایک ہی چھلانگ نے قصہ ہی ختم کر دیا جبکہ میں اس زمین وآسمان کو بے حد وسیع سمجھے ہوئے تھا۔ گویا عشق حقیقی سے سرشار انسان آسمان سے بھی اوپر جا سکتا ہے۔ ممکن ہے علامہ نے حضور اکرمؐ کے واقعہ معراج شریف کے حوالے سے یہ بات کی ہو۔

۵- عشق کی پردہ داریوں (عشق چھپانے کے راز) نے محبت کے سب بھید کھول دیے۔ میں جسے ضبطِ فغاں سمجھے بیٹھا تھا' درحقیقت وہ بھی فغان وفریاد ہی تھی۔ شمیم نے یہ بات یوں کی ہے:

لاکھ سمجھایا تم کو مگر اے شمیم تیری ہشیار آنکھیں نہ کام آ سکیں
آنکھ ملتی گئی راز کھلتے گئے اب حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ

٦- میں جس آواز کو قافلے کی روانگی کا اعلان سمجھ رہا تھا' وہ درحقیقت' کسی ایسے مسافر کی دردبھری آواز تھی جو اپنی تھکاوٹ کی وجہ سے قافلے سے بچھڑ کے رہ گیا تھا۔

(۱۵)

۱- اِک دانشِ نورانی' اِک دانشِ برہانی — ہے دانشِ برہانی' حیرت کی فراوانی
۲- اس پیکرِ خاکی میں اِک شے ہے' سو وہ تیری — میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی
۳- اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک — تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
۴- ہو نقش اگر باطل' تکرار سے کیا حاصل — کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟
۵- مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی — اِس دَور کے مُلا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی!
٦- تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں — ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی
۷- تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے — دونوں کے صنم خاکی' دونوں کے صنم فانی

۱- عقل و دانش کی دو قسمیں ہیں' ایک دانشِ نورانی اور دوسری دانش برہانی۔ دوسری یعنی برہانی حیرانی میں اضافہ کرتی ہے۔ (لغت دیکھیے)

۲- اے محبوبِ حقیقی! میرے اس مٹی کے بدن میں ایک ایسی چیز ہے جو صرف تیرے لیے ہے۔ اس شے کی حفاظت کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ چیز سے مراد دل ہے جو عشق و محبت کا بھی اور برائی کا سرچشمہ ہے۔ حدیثِ رسول اکرمؐ کے مطابق انسان کے جسم میں جو دل ہے' وہ اگر درست رہے تو سارا جسم درست ہو جائے اور اس کی خرابی کی صورت میں جسم خراب ہو جائے۔ گویا علامہ نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اے خالق و محبوب تو ہی میرے دل کی ہدایت و حفاظت کا سامان فرما۔

۳- اب اگر میری آہ و فغاں ستاروں تک جا پہنچی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں یا میری اس میں کیا خطا ہے' اے میرے محبوبِ حقیقی! تو نے ہی تو مجھے یہ غزل خوانی سکھائی تھی یعنی میں نے جو اپنی شاعری کے ذریعے آہ و فریاد کا طور طریقہ اختیار کیا تو یہ انداز اور جوہر

تیرے ہی کرم سے مجھے عطا ہوا تھا۔

۴۔ اے خالق! اگر کوئی نقش بے حقیقت ہو تو اسے بار بار تخلیق کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ کیا تجھے انسان کی یہ ارزانی و بے قدری اچھی لگتی ہے؟ مراد یہ کہ انسان فانی ہے۔ ایک انسان وجود میں آتا ہے تو دوسرا اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے۔ یہ گویا نقش باطل ہے۔ بقول شاعر!

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

یا:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹا دی

۵۔ میں یہ مان لیتا ہوں کہ یورپ والوں نے مجھے مذہب سے دوری سکھا دی ہے لیکن ہمارے اس دور کے مُلا کیوں مسلمانی / اسلام کے لیے باعث شرم بنے ہوئے ہیں۔ میں تو یورپ جانے کے باعث زندیق بنا' یہ نام نہاد مُلا تو یورپ نہیں گئے' پھر وہ ایسے کیوں ہیں؟ مُلاؤں کی فرقہ پرستی اور ملت میں انتشار وافتراق پھیلانے کے حوالے سے یہ بات کی ہے۔

۶۔ اس وجود کے بارے میں کم فہم لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ (یعنی انسان) تقدیر کا قیدی ہے' انہیں یہ معلوم نہیں کہ ابھی اس میں تقدیر شکنی کی قوت باقی ہے یعنی انسان اگر اپنی خودی سے آگاہ ہو جائے اور ہمت اور جہد وعمل سے کام لے اور اللہ کی رضا کے مطابق چلے تو وہ اپنی تقدیر سنوار سکتا ہے۔ ارمغانِ حجاز میں تقدیر سے متعلق علامہ نے یوں بھی کہا ہے:

عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۷۔ عام انسان سے خطاب ہے۔ تیرے پاس بھی بت کدے ہیں اور میرے پاس بھی بت خانے ہیں اور ہم دونوں کے یہ بت کدے عارضی و فانی ہیں۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں ان چیزوں کے عاشق ہیں جو ہمیں خدا کے عشق سے روکتی ہیں جیسے زر' زن اور زمین۔ جب آدمی مادہ پرستی میں لگ جائے تو وہ خدا سے دور ہو جاتا ہے۔

(١٦)

١- یارب! یہ جہانِ گذراں خوب ہے لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند
٢- گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ — دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند
٣- تو برگِ گیاہے ندہی اہلِ خرد را — او کشتِ گل و لالہ بخشد بہ خرے چند
٤- حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مے گلگوں — مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند
٥- احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند
٦- فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا — افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
٧- مدت سے ہے آوارۂ افلاک مرا فکر — کر دے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
٨- فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی — خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
٩- درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی — گھر مرا نہ دِلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند
١٠- کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نے ابلۂ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
١١- اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش — میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
١٢- مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش — خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند
١٣- ہُوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش — میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانۂ اسپند
١٤- پرسوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار — آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند
١٥- ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرم — کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکرخند
١٦- چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبالؔ — کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

١- اے خدا! یہ عارضی و فانی دنیا بظاہر تو بڑی اچھی ہے لیکن اس میں باکمال، حق گو اور پاک انسان کیوں خوار ہیں؟ یہ صورت حال تقریباً ہر دور میں رہی ہے۔ مثلاً حافظ شیرازی یہی بات استعارے میں کہتے ہیں:

اسب تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زریں ہمہ درگردنِ خری بینم

(عربی یعنی اصیل گھوڑا تو پالان کے نیچے زخمی ہو گیا لیکن میں پورا سونے کا طوق گدھے کی گردن میں دیکھ رہا ہوں)

بقول محسن بھوپالی:

نیرنگیِ سیاست دوراں تو دیکھیے

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ایک شاعر نے یوں کہا ہے:

گرگ میر و سگ وزیر و موش دربانی کند

ایں ہمہ ارکانِ دولت سلطنت ویراں کند

(بھیڑیا سردار یا بادشاہ ہے' کتا وزیر اور چوہا دربان ہے۔ حکومت کے یہ سب ارکان' سلطنت کو تباہ کر رہے ہیں)

۲۔ غاصب و فریبی انگریزوں نے برصغیر پر جس طرح غلبہ پا کر حکومت کی' اس طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ انگریز کے آقا یعنی حکمران بننے میں بنیے اور سرمایہ دار کا بھی ہاتھ ہے' تاہم لوگ انگریزوں ہی کو اپنا آقا و مولا سمجھ رہے ہیں۔ گویا صورتحال ایسی ہو گئی ہے کہ برصغیر کے لوگ غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

۳۔ اے خالق کائنات! تو تو عقل و دانش والوں اور ہنرمندوں کو گھاس کی ایک پتی بھی عطا نہیں فرماتا جبکہ انگریز حکمرانوں نے ایسا انداز اپنا رکھا ہے کہ وہ چند گدھوں کو گل و لالہ کے کھیت/ باغ بخش دیتے ہیں۔ یعنی وہ نااہل اور نالائق لوگوں کو بڑی بڑی جاگیریں اور دولتیں دیتے ہیں تاکہ وہ ان سے اپنے حسب منشا کام لے سکیں یا لیں۔

۴۔ عیسائیوں کی عبادت گاہوں یعنی گرجوں میں تو سرخ شراب اور کباب تک میسر ہیں یعنی انگریز حکمرانوں نے' عیسائی ہونے کے ناطے' انہیں ہر طرح کی سہولتیں دے رکھی ہیں اور ان کی تمام ضرورتیں پوری کر رہے ہیں' اس کے برعکس مسجدوں میں وعظ و نصیحت کے سوا اور کچھ بھی میسر نہیں ہے۔

۵۔ اے آقا و مولا! اگرچہ تیرے احکام سچے اور واضح ہیں لیکن ہمارے مفسر و علما اپنی تاویلوں سے اسے پاژند بنا سکتے ہیں (بنا رہے ہیں) قرآن مجید میں تمام ارشاداتِ خداوندی سچے اور واضح ہیں لیکن نام نہاد مفسرین نے پیچیدگیاں پیدا کر کے ان ارشادات و احکامات کی صورت ہی بدل دی ہے یا بدل رہے ہیں۔

۶۔ تیری جنت ہے تو سہی' جو تو نے نیک عمل انسانوں کے لیے بنا رکھی ہے' لیکن اسے کسی نے دیکھا نہیں' کیونکہ وہ نظروں کے سامنے نہیں ہے' جبکہ انگریزوں کی ہر بستی فردوس کی مانند ہے۔ یورپ والوں نے اپنی بستیاں کچھ اس ڈھنگ سے آباد کر رکھی ہیں کہ وہ فردوس دکھائی دیتی ہیں اور ظاہر بیں آنکھوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔

۷- ایک مدت ہو چلی ہے کہ میرے افکارِ بلند آسمانوں پر آوارہ گھوم رہے ہیں، یعنی لوگوں نے ان پر کوئی توجہ نہیں کی جس کے باعث ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی، اس لیے (اے مولا کریم!) تو میرے ان افکار کو اب چاند کے غاروں میں نظر بند کر دے کہ ان کا یہی حل بہتر ہے۔

۸- قدرت نے مجھے فرشتوں کے سے جوہروں سے نوازا ہے۔ اگر چہ میری تخلیق بھی عام انسانوں کی مانند خاک سے ہوئی ہے لیکن مجھے خاک کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ''جوہر ملکوتی'' کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔

۹- میں ایک ایسا درویش انسان ہوں جو خدا کی (یعنی اے محبوب تیری) ذات میں محو و مست ہے اور اسی لیے میں نہ مشرق سے تعلق رکھتا ہوں اور نہ مغرب سے۔ میرا وطن نہ تو دلی ہے، نہ اصفہان ہے اور نہ سمرقند ہی میرا وطن ہے۔ گویا میں تیرے عشق کے باعث ہر طرح کی جغرافیائی حدود سے ماوراا اور بے نیاز ہوں۔

۱۰- میں وہی بات کہتا ہوں جسے حق اور سچ سمجھتا ہوں۔ میں نہ تو مسجد کا نادان ملا ہوں اور نہ آج کی تہذیب کا فرزند۔ مطلب یہ کہ اپنی راست وحق گوئی کی بنا پر میں آج کے مُلاؤں کی طرح احمقانہ یا دقیانوسی باتیں نہیں کرتا اور نہ مجھے آج کی تہذیب سے، جو فرنگی تہذیب سے متاثر ہے، کوئی دلچسپی ہے۔

۱۱- (علامہ اپنی حق گوئی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ) مجھ سے اپنے، یعنی مسلمان بھی خفا ہیں اور غیر مسلم بھی، اس لیے کہ میں نے ہلاک کر دینے والے زہر کو کبھی قند نہیں کہا۔ وہی مطلب کہ میری راست گوئی ہی ان لوگوں کی ناراضگی کا باعث بن رہی ہے۔ جھوٹ بول کر انہیں خوش کرنا میری فطرت کے سراسر خلاف ہے۔

۱۲- ایک ایسے انسان کے لیے، جو حقیقت وراستی پر نظر رکھتا ہو اور اس کی سوچ اور فکر میں بھی سچائی اور راستی ہو، بہت مشکل ہے کہ وہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو کوہِ دماوند کہہ دے۔ شعر 10 والی بات نئے استعارے میں کہی ہے۔

۱۳- میں نمرود کی آگ کے شعلوں میں پڑے ہوئے بھی خاموش رہتا ہوں، اس لیے کہ میں ایک مومن بندہ ہوں، کوئی ہرمل کا دانہ نہیں ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کے حوالے سے بات کی ہے۔ کہنا یہ چاہا ہے کہ آج کے حالات ایک طرح سے آگ ہیں، جنہیں میں خاموشی اور صبر وتحمل سے برداشت کر رہا ہوں، کم ظرف اور کم حوصلہ نہیں ہوں۔

۱۴- میرا دل سوز سے پُر ہے، میری نگاہیں حقیقت وراستی پر رہتی ہیں، میں صرف اچھائیاں دیکھنے والا ہوں اور دوسروں کی تکلیف وآزار نہیں پہنچاتا۔ آزاد فطرت ہوں، عشق حقیقی سے سرشار ہوں، میری جیب میں کوئی دولت نہیں ہے، لیکن ان سب حالات کے باوجود میں زندگی اطمینان وخوشی سے گزار رہا ہوں۔

۱۵- میرا بے قید یعنی آزاد دل ہر حال میں خوش وخرم ہے۔ بھلا کوئی غنچے سے مسکرانے کی لذت چھین سکتا ہے؟ (نہیں چھین سکتا) خود کو غنچے سے اور اپنی خوشی وخرمی کو اس کے کھلنے سے تشبیہ دی ہے جس طرح غنچہ ہر صورت اور ہر حال میں کھلتا ہے، کچھ یہی میری حالت ہے۔

۱۶- اقبالؔ، خدا کے حضور بھی چپ نہ رہ سکا۔ کاش کوئی اس گستاخ بندے کا منہ بند کر دیتا۔ محبوبِ حقیقی سے علامہ کو جو عشق ہے، وہ واضح ہے۔ انہوں نے کہیں کہیں خدا کے ساتھ چونچلوں سے بھی کام لیا ہے، جسے خود ہی گستاخی کہا ہے۔

---

(۱)

(بال جبریل کے پہلے ایڈیشن میں، اس حصے کے شروع میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:
''اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی، رحمۃ اللہ علیہ، کے لطف وکرم سے نومبر ۳۳ء (یعنی ۱۹۳۳ء) میں مصنف کو حکیم سنائی غزنویؒ کے مزارِ مقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکارِ پریشاں، جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اس روزِ سعید کی یادگار میں سپردِ قلم کیے گئے۔'')

پہلا حصہ

''ما از پے سنائیؔ و عطارؔ آمدیم''

یہ مولانا رومیؒ کا مصرع ہے۔ پورا مشہور شعر یوں ہے:

عطارؔ روح بود و سنائیؔ دو چشم او
ما از پے سنائیؔ و عطار آمدیم

(عطار روح تھے اور سنائیؔ ان کی گویا دو آنکھیں تھیں، ہم سنائیؔ اور عطارؔ کے بعد آئے ہیں یعنی رومیؔ ان دونوں سے بے حد متاثر تھے۔)

۱- سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا

۲- خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

۳- نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

۴- رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

۵- خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

۶- نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

۱- میرا جنون و عشق اس کائنات کی وسعت میں نہیں سما سکتا۔ اے میرے جنون تیرا اندازۂ صحرا غلط ثابت ہوا۔ عالم جنون میں انسان دشت و صحرا میں نکل جاتا ہے' لیکن علامہ نے جس عشق و جنون کی بات کی ہے وہ عشق حقیقی ہے جس میں بڑی بیخودی کی حالت ہوتی ہے اور اس باعث اس کے لیے کائنات کی پہنائی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

۲- رنگ و بو کے اس جادو (دنیا) کا توڑ خودی کے زور سے کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہی توحیدِ ایزدی ہے جسے نہ تو تو (مخاطب) سمجھ سکا اور نہ میں سمجھا۔ گویا یہ دنیا ایک عاشق حقیقی اور محبوبِ حقیقی کے درمیان پردہ ہے' جسے خودی ہٹا سکتی ہے۔ خودی کی قوت سے اس کائنات کو تسخیر کر کے اس ذاتِ اقدس کی توحید کا راز ظاہر ہو جائے گا۔ عاشق اور محبوب کے درمیان مذکورہ پردہ نہ رہے گا۔

۳- اے غافل انسان! تو خود میں بصیرت (یا گہری نظر) پیدا کر۔ وہ ذاتِ حق ایک ایسا نور ہے جس کا مسلسل چمکتے رہنا اس کی فطرت ہے' اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ سمندر اپنی موجوں سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ سمندر میں جس طرح مسلسل لہریں اٹھتی رہتی ہیں' یہی کیفیت اس نور مطلق کی ہے لیکن اس کے لیے جس بصیرت کی ضرورت ہے تو اس سے محروم ہے۔

۴- علم اور عرفان/معرفت کو باہم ایک دوسرے کا حریف (مدِ مقابل) سمجھنا حق ناشناس عالم کی سراسر غلط بینی ہے۔ اس نام نہاد مذہبی عالم نے منصور علاج کی سولی کو اپنا حریف سمجھ لیا۔ علم سے مراد علم شریعت ہے اور عرفان سے مراد وہ حق شناسی ہے جو شریعت پر عمل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ منصور عرفان و معرفت کے مقام پر تھا لیکن ظاہر بیں نام نہاد مذہبی پیشواؤں نے اسے اپنا مدِ مقابل سمجھتے ہوئے اسے پھانسی دلوادی۔

۵- خدا کے جو پاک بندے ہیں' وہ حکمرانی کی حالت میں ہوں یا غلامی و محکومی کی حالت میں' انہیں اگر کوئی زرہ بچائے رکھتی ہے تو وہ ان کی بے نیازی و سیر چشمی ہے یعنی وہ

کسی بھی حالت میں ہوں، مال و دولت اور دنیاوی مفادات کے سلسلے میں وہ ہر طرح کی حرص و ہوس سے پاک ہوتے ہیں۔ حاکم ہوں تو رعایا کے حقوق نہیں چھینتے، محکوم ہوں تو مادی فوائد کی خاطر حاکموں کے پاؤں نہیں پڑتے، ان کی چاپلوسی نہیں کرتے۔

۶۔ اے جبرئیلؑ! آپ میرے جذب و مستی کی پیروی نہ کریں، اس لیے کہ تن آسان اہلِ عرش کے لیے جو بات سب سے بہتر ہے وہ اس ذاتِ حق کی تسبیح خوانی اور اس کا طواف ہے۔ جذب و مستی جو عشق کے باعث ہے ایک دشوار امر ہے جو صرف انسان ہی کے بس کی بات ہے۔ اہلِ عرش گویا آرام طلب ہیں وہ بھلا یہ مشقت کیونکر برداشت کر سکتے ہیں۔

دوسرا حصہ

۱۔ بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

۲۔ نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ

۳۔ یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ؟

۴۔ حضورِ حق میں اسرافیلؑ نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

۵۔ ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
"گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا"
(حکیم سنائیؒ)

۱۔ میں نے مشرق و مغرب کے بہت سے مے خانے دیکھے ہیں۔ ان کی حالت کچھ ایسی ہے کہ مشرق کے میخانوں میں شراب تو موجود ہے لیکن ساقی (شراب پلانے والا) کوئی نہیں ہے جبکہ مغرب یعنی یورپ کے شراب خانوں میں دی جانے والی شراب لذت و مستی سے خالی ہے۔ میخانہ استعارہ ہے ان علوم و اعمال کا جو انسان کو راہِ حق پر چلاتے ہیں۔ ایسے علوم مشرق میں تو بہت ہیں لیکن افسوس کہ انہیں عام کرنے والا کوئی نہیں۔ مغرب کے علوم اس لحاظ سے بے فائدہ اور مایوس کن ہیں کہ وہ راہِ حق کی طرف لے جانے کی بجائے مادیات میں عوام کو الجھاتے ہیں۔

۲۔ آج کے دور میں کچھ ایسی صورت حال ہے کہ نہ تو ایران میں اور نہ توران، یعنی اسلامی ملکوں (مشرق) میں خدا کے وہ خاص بندے یا پاک بندے نظر آتے ہیں جن کا فقر و درویشی قیصر و کسریٰ جیسے عظیم لیکن باطل حکمرانوں کی تباہی کا باعث بنتا تھا۔

۳۔ کیا یہی شیخ حرم ہے جو ابوذرؓ کی گدڑی اور حضرت اویسؓ قرنی کا خرقہ اور حضرت

فاطمۃ الزہراؓ کی چادر بیچ کھاتا ہے۔ مطلب یہ کہ آج عرب کی یہ حالت ہے کہ کعبہ سے تعلق کے باوجود وہ اسلامی خاصیتوں سے دور ہوگیا اور صرف پیٹ پوجا (شکم پروری) میں لگا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی باعث ملت اسلامیہ ذلت وخواری کی شکار ہے۔ بقول سعدیؔ جب قوم کا کوئی فرد نادانی کرتا ہے تو کسی بھی چھوٹے بڑے کی عزت و منزلت نہیں رہتی، بالکل اسی طرح جس طرح ایک گائے چراگاہ میں گاؤں کی سب گائیوں کو آلودہ کر دیتی ہے:

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کِہ را منزلت ماند نہ مِہ را
شنیدستی کہ گاوے در علف زار
بیالاید ہمہ گاوانِ دِہ را

بقولِ طالب آملی:

خانۂ شرع خراب است کہ اربابِ صلاح
در عمارت گریِ گنبدِ دستارِ خود اند

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حضور، قیامت کا صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل نے میری (علامہ کی) یہ شکایت کی کہ یہ بندہ کہیں وقت سے پہلے ہی قیامت برپا نہ کر دے۔ علامہ نے اپنی ہنگامہ خیز شاعری، راست گوئی اور بے باکی کے حوالے سے یہ کہا ہے۔

۵۔ (اس شکایت کے جواب میں) حضورِ حق سے یہ آواز آئی کہ کیا یہ صورت حال قیامت سے کم ہے کہ چینیوں نے تو احرام باندھ لیے ہیں (وہ حج کر رہے ہیں) جبکہ اہل مکہ بطحا میں سوئے پڑے ہیں یعنی دور دراز کے مسلمان تو جذبے کے ساتھ حج کے لیے آرہے ہیں لیکن عرب قریب ہونے کے باوجود اس جذبے سے محروم ہیں۔ دوسرا مصرع حکیم سنائی غزنوی کا ہے۔ پورا شعر درج ذیل ہے:

چو علمت ہست خدمت کن چو بے علماں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

تیسرا حصہ

۱۔ لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے 'لا' سے مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ 'اِلّا'

۲۔ دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے — بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا
۳۔ اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی — نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

۱۔ آج کے دور کی یا جدید تہذیب کا شیشہ (صراحی) ''لا'' کی شراب سے پورطرح بھرا ہوا ہے' لیکن ساقی کے ہاتھ میں ''الا'' کا جام نہیں ہے یعنی جدید تہذیب سراسر مادیت اور دہریت کی طرف مائل ہے اور کوئی ایسا مردِ حق نظر نہیں آتا جو لوگوں کو توحید کا درس دے کر انہیں اس کے مطابق عمل کرنے کی رغبت دلائے۔ علامہ کے مطابق:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

۲۔ یورپ کے ساز سے ابھی واویلا کے سُر بہت نیچے نکل رہے ہیں' کیونکہ ساز بجانے والے نے اپنی مہارت سے اس واویلا کو دبا رکھا ہے یعنی گو یورپ میں ابھی فتنہ وفساد اور تباہی کا سلسلہ کسی قدر کم ہے لیکن حالات یہ بتاتے ہیں کہ وہ وقت آنے والا ہے جب یہ معاملہ حد سے بڑھ جائے گا' یا دوسرے لفظوں میں' اس واویلا اور چیخ و پکار میں اضافہ ہی ہوگا۔ علامہ کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی' چنانچہ ۱۹۳۹ء کی دوسری جنگ عظیم میں یورپ بہت بڑی تباہی کا شکار ہوا۔

۳۔ یورپ کے دریا سے وہ تیز موج بھی اٹھ رہی ہے جس سے دریا کے مگرمچھوں کے نشیمن (ٹھکانے) بھی تہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ وہی بات کہ یورپ کے حالات اس کی آنے والی تباہی کا پتا دے رہے ہیں۔

چوتھا حصہ

۱۔ غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن وزیبائی سے محرومی — جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
۲۔ بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر — کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا
۳۔ وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے — زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

۱۔ سوال ہے کہ غلامی کیا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ غلامی سے انسان حسن وزیبائی اور دلکشی کے ذوق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے یا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ یہ حسن وزیبائی کیا ہے۔ درحقیقت وہی چیز زیبا ہے جسے آزاد انسان زیبا کہیں۔ یہاں مراد فکر وعمل کا حسن ہے' جس سے غلام بے خبر ہیں' صرف آزاد ہی اس کا صحیح

اندازہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ غلاموں کی بصیرت پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا' اس لیے کہ دنیا میں صرف آزاد مردوں ہی کی آنکھ بینا ہے' غلام صاحب بصیرت نہیں ہو سکتا' یہ شرف صرف مردانِ حق کو ہے کہ وہ گہری نظر والے ہوتے یں۔

۳۔ ''آج''یعنی جدید دور کا مالک یعنی رہنما (صحیح لیڈر) وہی ہو سکتا ہے جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے آنے والے کل کا موتی نکالا ہے یعنی جو کوئی اپنے جہد و عمل سے اور اپنی گہری بصیرت کے باعث آنے والی حقیقتوں کا صحیح اندازہ کر کے مستقبل کی نسلوں کے لیے راہِ حق کا تعین کرے وہی ''صاحب امروز'' کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

پانچواں حصہ

۱۔ فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی — مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیِ خارا
۲۔ رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک — مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا
۳۔ وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے — جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا
۴۔ محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری — محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا
۵۔ عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں — ''کہ برفتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خودرا''
۶۔ وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
۷۔ نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیٓن وہی طاہا
۸۔ سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ — ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ

۱۔ یورپی شعبدہ باز نے اپنے فنِ مکاری کا کچھ اس انداز میں اظہار کیا ہے کہ اس سے پتھر بھی پانی ہو گئے ہیں جبکہ اس خالقِ حقیقی کے فضل و کرم سے میری اکسیر سے شیشے میں بھی سخت پتھر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ پتھر پانی ہونا استعارہ ہے مشرق کی قوی قوموں کا جنہیں انگریز نے اپنی مکاری و شعبدہ بازی سے اپنا غلام بنا لیا اور اکسیر علامہ کی پرسوز و جذبہ شاعری کا استعارہ جس کے ذریعے انہوں نے غلام قوموں کو بیدار کر کے دشمن سے ٹکر لینے کے قابل بنا دیا۔

۲۔ آج کے فرعون پہلے بھی میری گھات میں لگے ہوئے تھے اور اب بھی لگے ہوئے ہیں' لیکن مجھے ان کی اس حرکت کا کوئی خوف نہیں ہے اور نہ کوئی غم ہی ہے اس لیے کہ میری

آستین میں یدِ بیضا ہے۔ فرعون استعارہ ہے اس دَور کی باطل قوتوں یا خدا کے منکر حکمرانوں کا اور یدِ بیضا سے یہی مراد ہوسکتی ہے کہ توحید پر میرا ایمانِ کامل ہے' اسی لیے میں ہر طرح کے خوف وغم سے بے پروا ہوں۔ (نیز لغت دیکھیے)

۳- بھلا وہ چنگاری' جسے خالقِ کائنات حق تعالیٰ نے نیستاں کے لیے تخلیق کیا ہو' خس و خاشاک سے کیونکر دب سکتی ہے۔ چنگاری سے مراد بیداری کا پیغام ہے جو علامہ نے شاعری کے ذریعے دیا ہے' تاکہ اقوامِ مشرق بیدار ہوکر غلامی سے نجات حاصل کر لیں۔ میرے اس پیغام کو اگر کوئی روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا۔

۴- محبت کیا شے ہے' اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ محبت خویشتن بینی اور خویشتن داری ہے۔ (لغت ......) اور محبت قیصر و کسریٰ کے آستانے سے بے نیاز و بے پروا ہونے کا نام ہے۔ اگلے شعر کے حوالے سے یہاں محبت کا مطلب عشق رسول اکرمؐ ہے۔ عشقِ رسولؐ اکرم سے سرشار انسان دنیا کی بڑی بڑی باطل قوتوں سے بے خوف و بے نیاز ہوجاتا ہے۔

۵- اگر میں چاند اور ستاروں کو شکار کرلوں تو یہ کوئی حیران کن بات نہ ہوگی کیونکہ میں نے ایک صاحبِ دولت کے فتراک میں اپنا سر باندھ رکھا ہے۔ حضور اکرمؐ سے اپنے والہانہ عشق کی بات کی ہے جس کی بدولت اس کائنات کو تسخیر کیا جاسکتا ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع' معمولی فرق کے ساتھ' صائب تبریزی کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

ازاں خورشید برگردِ جہاں سرگشتہ می گردد
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بندد سرِ خود را

۶- (یہاں ''صاحب دولتے'' کی وضاحت یوں کی ہے) وہ عظیم ہستیؐ جو دانائے سبلؐ ختم الرسلؐ اور اس کائنات کی آقا ہے اور جس نے راستے کے غبار کو وادی سینا کی تجلی کے سے مرتبے سے نوازا یعنی حضور اکرمؐ کی تعلیمات کی بدولت ایک جاہل و ظالم قوم بھی انسانیت کے بلند مقام پر پہنچی۔ (لغت ......)

۷- عشق و مستی کی نگاہ میں حضور اکرمؐ ہی اول ہیں اور آپؐ ہی آخر ہیں۔ یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے آپؐ کا نور تخلیق ہوا۔ حضورؐ ہی قرآن ہیں۔ (حضرت عائشہؓ کے بقول حضورؐ قرآنی اخلاق کا کامل عملی نمونہ ہیں۔) آپؐ ہی نے حق اور باطل میں فرق واضح کیا۔ آپؐ ہی یٰسین اور آپؐ ہی طٰہٰ ہیں۔ (لغت ......) شیخ سعدیؒ نے حضور اکرمؐ سے

اپنی محبت وعقیدت کا اظہار یوں کیا ہے کہ امت کی دیوار کو آپؐ جیسے پشتیبان کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہیں' اسے سمندر کی موجوں سے کیا خوف ہو سکتا ہے جس کے ملاح حضرت نوحؑ ہوں:

چہ غم دیوارِ امت را کہ دارد چون تو پشتی بان
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوحؑ کشتی بان

۸- میں نے حضور اکرمؐ کی نعت کے سلسلے میں حکیم سنائی غزنوی کے ادب کے خیال سے بحرِ نعت میں مزید غوطے نہ لگائے ورنہ اس سمندر میں ابھی لاکھوں چمکتے موتی باقی ہیں۔ چونکہ سنائیؒ کے قصیدے سے متاثر ہو کر علامہ نے اشعار کہے تھے' اس لیے یہ کہا کہ میں نعت میں اور بھی بہت کچھ کہہ سکتا تھا لیکن سنائی کا ادب میرے پیش نظر رہا۔

(۲)

۱- یہ کون غزل خواں ہے پرسوز ونشاط انگیز — اندیشۂ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز
۲- گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ — ناپختہ ہے پرویزی بے سلطنت پرویز
۳- اب حجرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی — خونِ دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز
۴- اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا — ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
۵- جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن — جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
۶- کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا — اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز
۷- یوں دادِ سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس — یہ کافرِ ہندی ہے بے تیغ وسناں خوں ریز

۱- یہ کون غزل سرائی کر رہا ہے؟ اس کے کلام میں تو بڑا سوز وگداز اور کیف وسرور ہے' جس سے اربابِ دانش کے فکر وشعور میں جنون کی سی حالت طاری ہو رہی ہے۔ علامہ نے اپنی عظیم پیغام کی حامل شاعری کی بات کی ہے' جو پڑھنے والوں کے دلوں میں جذبہ عشق حقیقی پیدا کرتی اور جہد وعمل کی رغبت دلاتی ہے۔

۲- اگر چہ فقر و درویشی کے طور طریقے بھی شاہانہ طور طریقوں کے سے ہیں' لیکن دونوں (فقر اور شاہی) میں یہ فرق ہے کہ صاحب فقر تو کسی سلطنت کے بغیر ہی شاہی شان و شوکت والا ہوتا ہے یعنی لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے جبکہ پرویزی (یعنی سلطنت) پرویز کے بغیر خام یا نامکمل ہوتی ہے۔ بادشاہی سلطنت کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۔ اب صوفی کے حجرے میں وہ فقیر نہیں رہا جس کی دستاویز کبھی شیروں کے دل کا خون ہوا کرتی تھی۔ گویا آج کے صوفیوں میں وہ جذبے اور درویشی دبدبے ہی نہیں رہے جن کی بدولت بڑے بڑے شیر دل انسان ان کا سامنا کرنے سے ڈرا کرتے تھے۔ آج کے صوفی و درویش تو محض نام کے اور دکھاوے کے صوفی و درویش ہیں۔

۴-۵= اے درویشوں کے حلقے میں بیٹھنے والو! ذرا اس مردِ خدا کے بارے میں تو بتاؤ کہ وہ کیسا مردِ خدا ہے جس کے گریبان میں قیامت کا ہنگامہ موجود ہے۔ قیامت کا ہنگامہ سے مراد ہے ایسا سوز و جذبہ جو پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دے اور وہ پورے جوش و ولولہ کے ساتھ راہِ حق پر گامزن ہو جائیں۔ وہ مردِ حق ذکر حق کی گرمی سے شعلے کی طرح چمک رہا ہو اور جس کی فکر حق تک رسائی کے سلسلے میں بجلی سے بھی زیادہ سرعت و تیزی کی حامل ہو۔

۶- بادشاہت جنون کے آثار پیدا کرتی ہے' چنانچہ تیمور اور چنگیز اللہ کے نشتر ہیں۔ (لغت ......) مطلب یہ کہ جب کوئی بادشاہ اپنی حکومت کے غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے' گویا اس میں جنون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ تیمور اور چنگیز ایسے جابروں کو مقابلے میں لے آتا ہے جو اس جنون کے مارے بادشاہ کا علاج نشتر بن کر کرتے اور بادشاہت کے بدن سے فالتو خون نکال دیتے ہیں تاکہ وہ غرور و تکبر اور عیش و عشرت اور رعایا پر ظلم و ستم سے باز آ جائے۔ تاریخ کے مطابق تو ان دو ظالموں نے انسانوں کا قتلِ عام کیا تھا' خدا معلوم علامہ کی یہاں کیا مراد ہے۔ ٹھیک ہے کہ اس دور کے بادشاہ اچھے نہ تھے' لیکن دونوں صورتوں میں تو عوام ہی مارے گئے۔

۷- عراق اور فارس (ایران) کے اہل سخن میرے کلام کی یوں داد دیتے ہیں کہ یہ ہندی کافر تلوار اور نیزے کے بغیر ہی خون ریزی کر رہا ہے۔ باطل قوتوں کے خلاف ٹکرانے کا درس علامہ نے اپنی شاعری میں دیا ہے۔ یہ گویا اسلحہ کے بغیر ان قوتوں کی خون ریزی کرنا ہے۔

(۳)

۱- وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنون — خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

۲- ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا — وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

۳- حیات کیا ہے؟ خیال ونظر کی مجذوبی — خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں
۴- عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دے کر — وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
۵- ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق — نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطوں
۶- سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے — کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
۷- یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید — کہ آرہی ہے دمادم صدائے ''کن فیکون''
۸- علاج آتشِ رومیؔ کے سوز میں ہے ترا — تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
۹- اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن — اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

۱- جنون یعنی عشق حقیقی مجھے راز کی جو بات سکھا گیا ہے' اگر خدا تعالیٰ مجھے جبرئیل کی سی سانس یعنی اہلیت وصلاحیت سے نوازے تو وہ میں بیان کر دوں (بیان کر سکتا ہوں) میرے دل میں جو باتیں ہیں' وہ چونکہ قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ہیں' اس لیے انہیں وضاحت سے بیان کرنے کے لیے خدائی وحی کی ضرورت ہے۔

۲- ستارہ جو خود آسمانوں کی وسعت میں خوار وزبوں حالت میں گردش کر رہا ہے' وہ بھلا میری تقدیر کے بارے میں کیا بات سکتا ہے۔ لوگ ستاروں کی گردش کے حوالے سے اپنی تقدیر معلوم کرنے کے لیے انجم شناسوں (نجومیوں) کے پاس جاتے ہیں۔ علامہ نے اسی حوالے سے یہ کہا ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے مسلسل جہد وعمل سے اپنی تقدیر سنوارے۔ قرآن کریم میں بھی آیا ہے کہ جتنا کچھ کرو گے اتنا ہی تمہیں ملے گا۔ تقدیر کے حوالے سے علامہ نے یوں بھی کہا ہے:

عبث ہے شیوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

نظیر نیشاپوری کے بقول:

برقدرِ قابلیت دادند ہرچہ دادند
حق راست بر تو حجت تہمت مکن قضارا

(ہر شخص کو قدرت نے اس کی اہلیت کے مطابق دیا ہے جو کچھ دیا ہے' اس سلسلے میں خدا کے پاس دلیل ہے' لہٰذا تو تقدیر پر تہمت نہ لگا)۔

اور بقول شاعر:

تقسیم کیا — قسامِ ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

۳۔ سوال یہ ہے کہ زندگی کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زندگی فکر و نظر کی مجذوبی کا نام ہے، یعنی انسان کی سوچ اور فکر نیز نظر میں بھی عشقِ حقیقی کا جذبہ سمایا ہوا ہو اور وہ ہر طرح کے دوسرے خیالات اور وسوسوں وغیرہ سے دور اور بے نیاز ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس انسان کی خودی مر جاتی ہے یعنی وہ خودی سے محروم ہو جاتا ہے۔

۴۔ یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ قضا و قدر کے ارکان مجھے خودی کی لذت دے کر اس امر کے خواہاں ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں۔ ''چاہتے ہیں'' کا فاعل ارکانِ قضا و قدر ہی ہو سکتے ہیں، جن کی وساطت سے گویا محبوب حقیقی نے یہ لذت عطا کی ہے۔

۵۔ مجھے نہ تو قارون کے بہت بڑے خزانے کی خواہش ہے اور نہ افلاطون کی سی عقل و خرد کی۔ میری تو بس یہی خواہش ہے کہ میرا خالق مجھے پاک باطن، بلند نگاہ اور عشق کی مستی سے نوازے یعنی میں دنیا کی ہر طرح کی آلائشوں اور مادی فوائد وغیرہ سے بے نیاز رہ کر ان عظیم صفات سے سرشار ہو جاؤں۔

۶۔ حضور اکرم مصطفیٰؐ کے واقعۂ معراج سے مجھ پر یہ گہری بات واضح ہوئی ہے کہ آسمان انسان کی زد میں ہے، اس کی رسائی سے دور نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ بنیادی طور پر انسان تھے۔ آپؐ عرش پر خدا کے پاس پہنچے، جہاں جبرئیل کی بھی رسائی نہیں۔ اس لحاظ سے انسانی عظمت کی بات کی ہے۔

۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کائنات ابھی مکمل نہیں ہوئی کیونکہ ''کن فیکون'' کی آواز مسلسل سنائی دے رہی ہے۔ (لغت ......) گویا جو کچھ خالقِ کائنات چاہتا ہے اسے مختلف صورتوں میں تخلیق کر رہا ہے۔

۸۔ تیری (مخاطب کی) عقل پر فرنگیوں کا جادو غالب آیا ہوا ہے، تیرے اس مرض کا علاج رومیؔ کی آتش کے سوز میں ہے یعنی تو مولانا رومیؔ جیسے عاشقِ حقیقی کے عشق سے سرشار ہو جاتا کہ اس کی بدولت تو راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔

۹۔ میری نگاہ جو روشن ہے تو وہ مولانا رومیؒ ہی کے فیض سے ہے اور انہی کے فیض سے میرے چھوٹے سے مٹکے میں جیحوں سمایا ہوا ہے۔ گویا مولانا ہی کے فیضان سے مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی ہے کہ میں حق اور باطل میں تمیز کر سکوں اور عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہو جاؤں۔

(۴)

۱- عالم آب و خاک و باد! سرِ عیاں ہے تو کہ میں؟ وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں؟
۲- وہ شبِ درد و سوز و غم کہتے ہیں زندگی جسے اس کی سحر ہے تو کہ میں؟ اس کی اذاں ہے تو کہ میں؟
۳- کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرمِ سیر شانۂ روزگار پر بارِ گراں ہے تو کہ میں؟
۴- تو کفِ خاک و بے بصر، میں کفِ خاک و خودنگر کشتِ وجود کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں؟

۱- اے آب و خاک اور ہوا کی دنیا! ذرا یہ تو بتا کہ اس خالق حقیقی کا کھلا راز تو ہے کہ میں ہوں؟ اور وہ ذاتِ اقدس جو نظروں سے چھپی ہوئی ہے' اس کا جہان تو ہے کہ میں ہوں؟ گویا اس کائنات سے خطاب کرتے ہوئے انسان کے اشرف مخلوقات ہونے کی بات کی ہے۔ اگرچہ یہ کائنات اس خالق حقیقی کی تجلیوں سے پر ہے لیکن اس کے مقابلے میں انسان کہیں زیادہ ان تجلیوں کی حقیقی شان سے آراستہ ہے۔

۲- دکھ درد اور سوز و غم کی وہ رات جسے زندگی کہا جاتا ہے' اس کی صبح تو ہے کہ میں ہوں' اس کی اذان تو ہے کہ میں ہوں؟ انسان کی تخلیق سے پہلے کائنات میں زندگی کے وہ آثار نہ تھے جو اس کی تخلیق کے بعد ظاہر ہوئے۔ انسان نے آ کر اس میں اذان دی' یعنی اس کائنات کا مقصدِ تخلیق سمجھا اور پھر اس مقصد کو پورا کرنے میں مصروف ہو گیا۔

۳- اے مذکورہ دنیا! ذرا یہ تو بتا کہ یہ شام و سحر کس کے ظہور یعنی خفیہ جوہروں کو ظاہر کرنے کے لیے تیزی سے رواں دواں ہیں۔ زمانہ کے کندھوں پر بھاری بوجھ تو ہے کہ میں ہوں؟ رات دن کا سلسلہ ایک طرح سے انسانی جوہروں/ خوبیوں کے واضح طور پر آشکار ہونے کے لیے ہے' اس لحاظ سے وہ زمانے کے کندھوں پر بھاری بوجھ کیونکر ہو سکتا ہے' یعنی نہیں ہے۔ یہ بھاری بوجھ تو تُو (عالم آب و باد) ہی ہے۔

۴- اے آب و خاک و باد کی دنیا تو سراسر خاک کی مٹھی اور بصارت و بصیرت سے عاری ہے' جبکہ میں (انسان) خاک کی مٹھی ہوتے ہوئے بھی (انسان مٹی سے تخلیق ہوا ہے) خودنگر ہوں۔ ذرا یہ بتا کہ وجود کی کھیتی کے لیے بہتا ہوا پانی تو ہے کہ میں ہوں؟ گویا زندگی کی تازگی اور شگفتگی انسان ہی کی وجہ سے ہے اور کائنات کی ساری رونق انسان ہی کے وجود کے دم سے ہے۔

(۵)

۱۔ تو ابھی رہ گذر میں ہے قیدِ مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر

۲۔ جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

۳۔ گرچہ ہے دل کشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گذر

۴۔ کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشادِ شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گذر

۵۔ تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر

(یہ اشعار علامہ نے لندن میں لکھے)

۱۔ (مسلمانوں سے خطاب ہے) اے مسلم! تو ابھی راستے ہی میں ہے، کسی مقام یا منزل کا پابند نہ ہو کیونکہ ابھی تیری منزل مقصود نہیں آئی۔ مصر و حجاز اور فارس (ایران) اور شام سے گذر جا۔ مطلب یہ کہ تو یورپی تصورِ قومیت یا جغرافیائی حدود کے حوالے سے قومیت کا تصور اختیار نہ کر، کیونکہ تجھے ابھی اس دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔

۲۔ جو کوئی کسی غرض یا مفاد کے بغیر کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کی جزا ہی کچھ اور ہے (وہ زیادہ اچھی جزا ہے) اس لیے تو بھی اسی طرح عمل کر اور حور و قصور اور خیموں کے اور شرابِ طہور وغیرہ کے چکر سے نکل۔ یعنی محض اس خاطر نیک عمل کرنا کہ بہشت میں جگہ ملے گی تو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی مزدوری کی اجرت کا طالب ہو۔ غالب نے بھی کچھ ایسے ہی خیال کا اظہار کیا ہے:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

۳۔ اگرچہ یورپ کے حسن کی بہار بہت دل کش و جالب ہے لیکن اے بلند پرواز پرندے تو اس دانے اور جال سے خود کو دور رکھ۔ یہ حسن گویا ایک جال ہے جس میں شکار کو پھانسنے کے لیے دانہ رکھا ہوا ہے، تاکہ پرندہ دانہ دیکھ کر فضا سے اتر آئے اور جال میں پھنس جائے۔ علامہ نے یہ مثال دے کر یورپ کے ظاہری حسن کی دل کشی سے بچنے کو کہا ہے۔

۴۔ تیری (مسلمان کی) ضرب اتنی زبردست ہے کہ اس سے تو پہاڑوں کو پھاڑ سکتا یا ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے، لہٰذا تو ہلال (پہلے دن کے چاند) کی طرح، جو شکل میں تلوار کی مانند ہوتا ہے، میان کے عیش سے گذر۔ ضرب توحید کے حوالے سے ہے۔ مسلمان

توحید پر ایمانِ کامل کی بدولت بڑی سے بڑی باطل قوت سے ٹکرا کر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ مسلمان سے کہا گیا ہے کہ وہ توحید کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے کہ اسی کی بدولت مشرق و مغرب کی مشکلات کا حل ممکن ہے۔

۵- (اے مسلم!) تیرے مذہبی پیشوا حضوری کی دولت سے محروم ہیں اور خود تیری نماز حضورِ قلب سے نہ ہونے کے باعث کیف و سرور سے محروم ہے۔ تو ایسی بے فائدہ و بے مقصد نماز سے اور ایسے اماموں سے گذر۔ یہ دونوں تیری منزلِ مقصود تک رسائی کا سامان نہیں کر سکتے۔ گویا ان ملاؤں کا اسلام محض نام ہی کا اسلام ہے۔ کسی مزاح گو شاعر نے اس پر بالواسطہ طنز کیا ہے:

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

(اِس لام یعنی ل کے)

بقول شمیم:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوصِ عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

(۶)

۱- امینِ راز ہے مردانِ حُر کی درویشی	کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی
۲- کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے	فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
۳- نگاہِ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اڑ جائیں	نہ آہِ سرد کہ ہے گوسفندی و میشی
۴- طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا	ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی
۵- وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے	یہ رنگ و نم یہ لہو آب و ناں کی ہے بیشی

۱- آزاد مردوں یا مردانِ حق کی درویشی راز کی امانت دار ہے' اس لیے کہ اس درویشی کو جبرئیلؑ سے عزیز داری کا تعلق ہے جس طرح جبرئیلؑ کو امین کہا گیا ہے کہ وہ وحی پوری طرح سے انبیاؑ تک پہنچاتے رہے' بعینہٖ مذکورہ درویشی کی بنا پر مردانِ حق بھی حقیقت حال اور حق باتوں کو کسی کمی بیشی کے بغیر دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا یہی عمل گویا جبرئیلؑ سے عزیز داری یا خاص تعلق کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ آج کے نام نہاد فقیہوں اور صوفیوں اور شاعروں کی ناخوش اندیشی اب تک کتنے سفینے (کشتیاں) ڈبو چکی ہے' اس سے کوئی بھی باخبر نہیں ہے۔ گویا ان حق ناشناس لوگوں کی ناعاقبت اندیشی اور بے عملی کتنی قوموں کو یا ملتِ اسلامیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا چکی ہے' لیکن چونکہ لوگوں کی نظر ان کے ظاہر پر ہے' اس لیے وہ نہیں جانتے کہ ملت کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔

۳۔ قوم میں ایسی گرم نگاہ ہونی ضروری ہے جو شیروں کے بھی ہوش اڑا دے۔ ایسی سرد آہ بیکار اور غیر ضروری ہے جو ملت میں بھیڑ بکری کی سی فطرت یعنی بزدلی پیدا کرنے کا باعث بنے۔ نگاہِ گرم عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ طبیبِ عشق نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ تو جس مرض کا شکار ہے' وہ یہ ہے کہ تیرا دل آرزو کی چٹکیوں سے محروم ہے۔ مجھے سے مراد ملت ہے۔ مطلب یہ کہ ملت اسی وقت عظمت و بلند مرتبگی کے مقام پر پہنچ سکتی ہے جب اس کے پیش نظر عظیم آرزوئیں ہوں اور وہ ان کے حصول کے لیے مسلسل تگ و دو اور جہد و عمل میں مصروف رہے۔

۵۔ جسے صاحبانِ بصیرت پاک جان کہتے ہیں وہ یہ عام جان نہیں بلکہ کچھ اور ہی شے ہے۔ عام جان تو چہرے کی چمک دمک اور تازگی اور لہو رگوں میں چلنے اور زیادہ کھانے پینے کا نام ہے۔ جان پاک عظیم مقصدوں کی حامل ہوتی ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لیے وہ مسلسل تگ و دو اور جہد و عمل میں لگی رہتی ہے۔

(۷)

۱۔ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

۲۔ پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

۳۔ برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

۴۔ حسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

۵۔ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

۶۔ من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

۷۔ من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

۸۔ من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

۹- پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات　　تو جھکا جب غیر کے آگے تو من تیرا نہ تن

۱- موسم بہار میں پھولوں کی کثرت اور پرندوں کے دلربا چہچہے خوب رونق کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔ علامہ نے شروع کے چار شعروں میں ان باتوں کی تصویر کشی کی ہے۔ پہاڑ اور وادیاں پھر گل لالہ کے چراغ سے روشن ہو گئے۔ لالہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔اس لیے اس کے چراغ کی بات کی ہے۔چمن کے پرندوں کے نغمے (چہچہے) میرے دل میں بھی نغمے الاپنے کا شوق پیدا کر رہے ہیں۔

۲- صحرا یا جنگل میں رنگ برنگے پھول کچھ اس کثرت سے کھلے ہوئے ہیں، لگتا ہے جیسے پریاں قطار باندھے کھڑی ہوں اور ان میں بعض کے لباس تو اودے اودے ہیں، بعض کے نیلے نیلے اور بعض کے پیلے پیلے۔ پھولوں کی کثرت اور ان کے مختلف رنگوں کو استعارے میں بیان کیا ہے۔

۳- صبح کی ہوا پھول کی پتی پر شبنم کا موتی (یعنی قطرہ) رکھ گئی ہے اور اس موتی کو سورج کی کرنیں اور بھی چمکانے لگی ہیں۔ سورج نکلنے پر شبنم کا قطرہ چمکنے لگتا ہے (اگرچہ تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی، کیونکہ وہ پھر سوکھ جاتا ہے۔)

۴- بے پروا حسن یعنی حسن قدرت کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے اگر شہروں کی نسبت جنگل پیارے ہوں تو پھر شہر اچھے ہوئے کہ جنگل۔یعنی قدرت کے یہ حسین و دلکش منظر شہروں کی بجائے جنگلوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔

۵- (اے مخاطب!) اگر تجھے زندگی کی حقیقت سے آگاہی کی خواہش ہے تو تو اپنے من میں ڈوب جا۔اگر تو میرا نہیں بنتا تو نہ سہی، کم از کم اپنا تو بن۔مطلب یہ کہ تو اگر میری بات ماننے پر تیار نہیں ہے تو کم از کم تو اپنی حقیقت و معرفت سے تو آگاہ ہو جو صرف من میں ڈوبنے ہی سے ممکن ہے، اور یہ معرفت حقیقی زندگی کا پتا دیتی ہے۔

۶- سوال ہے کہ من کی دنیا کیا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ من کی دنیا سوز و مستی اور جذب و شوق کی دنیا ہے۔یعنی عشق حقیقی (محبوب حقیقی سے والہانہ عشق) کے باعث باقی ہر شے سے بے نیاز ہو جانا ہے۔تن کی دنیا کیا ہے؟ تن کی دنیا ذاتی نفع و فائدہ اور مادی اغراض کے چکر میں پڑے رہنا ہے اور اس کے لیے مکر و فریب اور چالاکی اور ہیرا پھیری سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

۷- من کی دولت ایک عظیم دولت ہے کہ اگر یہ کسی خوش بخت کو میسر آ جائے تو پھر ہاتھ

سے نہیں جاتی۔اسے بقا و دوام ہے۔اس کے برعکس تن کی دولت چھاؤں کی مانند ہے کہ کبھی چھا گئی اور کبھی چلی گی۔ یہ دولت ادھر ہاتھ لگتی ہے تو دوسرے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔گویا تن فانی ہے جبکہ من کو بقا حاصل ہے۔

۸۔ من کی دنیا ایک ایسی عظیم دنیا ہے جس میں فرنگی یا انگریز کی حکومت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ اسی طرح من کی دنیا میں مجھے شیخ اور برہمن بھی نظر نہیں آئے یعنی اس (من کی) دنیا میں نہ تو اس بات کا خطرہ ہے کہ انگریز اسے اپنی غرض و غایت کے لیے استعمال کر سکے گا اور نہ مختلف مذہبوں کے پیشواؤں کا جھنجٹ ہے جو مذہب کے نام پر قوموں کو گمراہی کے غار میں دھکیلتے رہتے ہیں۔

۹۔ مردِ حق یا مرد درویش کی اس بات سے میں (شرم کے مارے) پانی پانی ہو گیا ہوں کہ جب تو غیر کے آگے جھکے گا تو نہ تو تیرا من تیرا رہے گا اور نہ تیرا تن ہی تیرا رہے گا۔ گویا تیری روح کی یا روحانی جذبوں کی لازوال دولت بھی تجھ سے چھن جائے گی اور تیری مادی دولت بھی، جس کے حصول کے لیے تو تگ و دو کرتا رہتا ہے، تیرے بس میں نہ رہے گی۔

(۸)

۱۔ مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا	مروت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا
۲۔ شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے	سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
۳۔ بہت مدت کے نخچیروں کا اندازِ نگہ بدلا	کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا
۴۔ قلندر جز دو حرف "لاالٰہ" کچھ بھی نہیں رکھتا	فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
۵۔ حدیثِ بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو	نہ کر خارا شگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا
۶۔ کہاں سے تو نے اے اقبالؔ سیکھی ہے یہ درویشی	کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

۱۔ (علامہ نے یہ اشعار کابل میں لکھے) مسلمان کے لہو یعنی فطرت میں دوسروں کے ساتھ پیار محبت اور ہمدردی سے پیش آنے کا سلیقہ ہے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے غازیوں کی مروت عالمگیر حسن یا خوبیوں کی مالک ہے۔صحیح انسان وہی ہے جو دوسروں کی دلداری کرے، اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ رومیؒ کے بقول لوگوں کے دل جیتو کہ یہ حجِ اکبر ہے۔ایک دل ہزاروں کعبوں سے بہتر ہے:

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

بقول شاعر:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اور پنجابی صوفی کے بقول: اللہ کی مخلوق سے پیار کرو۔ ''یار دی گلی دے کُتے سینے نال لاندا جائیں'' بلھے شاہؒ کے بقول:

ڈھادے مندر ڈھادے مسجد ڈھادے جو کجھ ڈھیندا
اِک بندے دا دل نہ ڈھائیں رب دلاں وچ رہندا

۲- اے خدا! مجھے درس گاہوں کا نظام چلانے والوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ شاہین کے بچوں کو خاک بازی کا سبق دے رہے ہیں۔ جدید طرزِ تعلیم' جو یورپی طرز کا حامل ہے' بچوں میں عظمت و بلند پروازی کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے انہیں مادہ پرستی اور ست الوجودی و کم ہمتی کی رغبت دلاتا ہے۔ بقولِ اکبرالہ آبادی:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعوؔن کو کالج کی نہ سوجھی

علامہ ''بانگ درا'' کے حصہ ''ظریفانہ'' میں ایک جگہ طنزاً کہتے ہیں:

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے' بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ

نیز:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے پیشِ نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

۳- جو لوگ ایک عرصے سے دوسرں کا شکار بنے ہوئے تھے' ان کے اندازِ نگاہ میں اس بنا

پر تبدیلی آ گئی کہ میں نے شاہبازی کا طریقہ واضح طور پر بتا دیا۔ محکوم یا غلام لوگ بیدار ہو کر اور ذلت و پستی کی زندگی سے نجات پا کر کس طرح اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کر سکتے ہیں' وہ میں نے اپنی بامقصد شاعری سے ان پر واضح کر دیا۔

۴- مردِ حق یا حقیقی درویش کو صرف ''لا الٰہ'' ہی کے دو لفظ یاد ہیں' یعنی وہ توحیدِ ایزدی پر پورا یقین و ایمان رکھتا اور اس کے مطابق عمل پیرا رہتا ہے جبکہ شہر کا فقیہہ محض عربی الفاظ کے خزانوں سے مالا مال ہے۔ یہ عالم عربی الفاظ کے کثرتِ استعمال سے دوسروں کو مرعوب کرتے ہیں لیکن عملاً صفر ہیں۔

۵- میں (عام شعرا) کی طرح محض شراب' صراحی اور جام کی باتیں نہیں جانتا' لہٰذا تو (اے قاری) مجھ سے ایسی باتوں کی توقع نہ رکھ۔ میں تو پتھر پھاڑنے والا ہوں اور تو مجھ سے شیشہ سازی کا تقاضا کر رہا ہے یعنی میں تو سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر رہا اور اسے عظمت و سربلندی کے حصول کے لیے جہد و عمل کا درس دے رہا ہوں۔ اکثر شعرا کے یہاں مذکورہ قسم ہی کے اشعار نظر آتے ہیں جیسے:

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

بقولِ غالبؔ:

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

نیز غالبؔ:

کل کے لیے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

۶- اے اقبالؔ! تو نے یہ درویشی کہاں سے سیکھی ہے کہ اس کی بنا پر بادشاہوں میں تیری بے نیازی کا چرچا ہے۔ گویا یہ درویشی انتہا کی ہے کہ حکمران تک اس سے باخبر ہو رہے ہیں۔

(۹)

۱- عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم — عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بدم
۲- آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق — شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

۳- اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
۴- دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟
۵- اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

۱- عشق ایک ایسا والہانہ جذبہ ہے جو زندگی کے نغمے میں اونچے نیچے سُر پیدا کرتا ہے۔ عشق یعنی عشق حقیقی ہی سے مٹی کی تصویروں یعنی انسانوں میں مسلسل سوز و گداز پیدا ہوتا رہتا ہے۔

۲- عشق انسان کی رگ رگ میں کچھ اس انداز سے سما جاتا ہے جس طرح پھول کی شاخ میں صبح کی ہوا کی نمی سما جاتی ہے۔

۳- اگر تو اپنے رازق کو نہ پہچانے تو تو بادشاہوں کا محتاج ہو جائے گا۔ رزق دینے والی تو وہی ذاتِ کریم ہے، اگر انسان اس حقیقت سے بے خبر رہے تو اسے حکمرانوں کی چاپلوسیاں کرنا پڑیں گی تاکہ اسے دو وقت کی روٹی نصیب ہو۔ لیکن اگر تو (انسان) اس حقیقت کو پالے کہ اصل رازق تو خدا تعالیٰ ہے تو تجھ میں ایسے جذبے پیدا ہو جائیں گے جن کے باعث دارا و جمشید جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی تیرے در کے بھکاری بن جائیں گے۔

۴- دل کی آزادی شہنشاہی ہے، جبکہ شکم موت کا باعث بنتا ہے۔ جب انسان مادی فوائد سے بے نیاز اور حرص و ہوس یا شکم پروری کے چکر سے نکل جاتا ہے تو عظمت و سربلندی اور بقا اس کا مقدر بن جاتی ہے جبکہ شکم پروری سے وہ فنا کا شکار ہو جاتا ہے۔ (میں نے یہ صورتِ حال واضح کر دی ہے) اب اے مخاطب! تو خود ہی فیصلہ کر کہ تو دل کی آزادی چاہتا ہے یا شکم پروری ہی سے تجھے لگاؤ رہے۔

۵- یہ جو کعبہ اللہ کے بندوں یا مردانِ حق سے خالی ہو گیا ہے (آج ایسے بندے کیوں نظر نہیں آرہے) تو اے مسلمان! یہ بات تو مُلا سے نہ پوچھ، کہ وہ تو پیٹ پوجا میں لگا رہتا ہے، بلکہ اپنے دل سے پوچھ۔ مطلب یہی کہ آج کا مسلمان دل کی آزادی سے محروم ہو گیا ہے اور اسی باعث وہ غلامی کی اور ذلت و پستی کی زندگی گزار رہا ہے۔

(۱۰)

۱- دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
۲- ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل! تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

۳۔ وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن پُرکار و سخن ساز ہے' نمناک نہیں ہے
۴۔ کیا صوفی و مُلا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے
۵۔ کب تک رہے محکومیِ انجم میں مری خاک یا میں نہیں یا گردشِ افلاک نہیں ہے
۶۔ بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری میرے لیے شایاں خس وخاشاک نہیں ہے
۷۔ عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحبِ ''لولاک'' نہیں ہے

۱۔ اے مخاطب! تیرے دل میں سوز وگداز نہیں رہا' عشق کی تڑپ ختم ہوگئی ہے اور تیری نگاہ دنیاوی آلودگیوں سے پاک نہیں ہے۔ اس بنا پر جب تو بے باکی و بے خوفی سے عاری ہو چکا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ بے باکی و دلیری عشقِ حقیقی ہی کی برکت سے پیدا ہوتی ہے اور انسان ہر طرح کی مادی آلائشوں سے بھی دور رہتا ہے اور یہی حقیقی زندگی ہے ورنہ انسان محض ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔

۲۔ اے غافل انسان (مسلمان) تجھے قدرت کی طرف سے صرف فہم اور سوجھ بوجھ یا فہم وشعور ہی سے نہیں نوازا گیا بلکہ تیری اس مٹی میں' جس سے تیری تخلیق ہوئی ہے' تجلی کا ذوق بھی پوشیدہ ہے۔ گویا محض عقل وخرد سے کام لینا حقیقی زندگی نہیں ہے' بلکہ عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار ہونا ہے کہ انہی کی بدولت دل تجلی ایزدی سے منور ہوتا ہے جو حقیقی زندگی کی علامت ہے۔

۳۔ جو آنکھ یورپی سرمے یعنی یورپی تہذیب کے سرمے سے روشن ہے' وہ مکار و چالاک اور سخن ساز (باتیں بنانے والی) تو ہوگی لیکن نمناک نہیں ہو سکتی۔ یعنی وہ عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار نہ ہونے کے باعث سوز وگداز سے محروم رہے گی' جو (سوز و گداز) حقیقی زندگی کا لازمہ ہے۔

۴۔ (آج کے یا نام نہاد) صوفی و مُلا کو میرے جنون (عشق) کی حالت کی کیا خبر ہے؟ یعنی انہیں یہ حقیقت وکیفیت معلوم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے تو دامن کا سرا بھی ابھی نہیں پھٹا۔ دامن چاک ہونا علامت ہے عشق حقیقی سے سرشار ہونے اور دل میں سوز وگداز پیدا ہونے کی۔ صوفی و مُلا ان جذبوں سے عاری ہیں۔ پھر وہ بھلا اس حقیقت وکیفیت سے کیونکر آگاہ ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میری خاک کب تک ستاروں کی گردش کی محکوم رہے' اب اپنا تو یہ اٹل فیصلہ ہے کہ یا میں نہیں یا پھر آسمانوں کی گردش نہیں رہے گی۔ تقدیر کے حوالے سے بات کی ہے۔

لوگ نجومیوں سے ستاروں کی گردش کے حوالے سے اپنی تقدیر معلوم کراتے ہیں جو علامہ کے نزدیک غلط ہے' اس لیے کہ آدمی اپنی تقدیر اپنے جہد و عمل اور تگ و دو سے خود بناتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک جگہ کہتے ہیں:

عبث ہے شیوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۶- میں (علامہ) بجلی ہوں اور کوہ و بیاباں پر میری نظر ہے۔ میری شان کے شایاں نہیں ہے کہ میں خس و خاشاک (گھاس پھوس) پر گروں۔ یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ میں بلند مقاصد اور جہد و عمل کا درس دینے والا ہوں' محض عام قسم کی شاعری میرے لیے مناسب نہیں ہے۔

۷- یہ کائنات صرف مردِ مومن یا مردِ حق کی میراث ہے۔ جو کوئی صاحبِ لولاک نہیں ہے وہ مومن نہیں ہوسکتا (لغت ......) مطلب یہ کہ جو مسلمان حضور اکرمؐ کی راہ پر نہیں چلتا اور خود میں حضورؐ کے سے اوصاف پیدا نہیں کرتا' وہ مومن کہلانے کا حق دار نہیں ہوسکتا۔

(۱۱)

۱- ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

۲- ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

۳- علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہے رازی کے نکتہ ہائے دقیق

۴- مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

۵- اسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق

۶- مِرے لیے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت
ہزار شکر کہ مُلّا ہیں صاحبِ تصدیق

۷- اگر ہو عشق' تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

۱- قلندروں کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ اگرچہ انہیں کئی مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے لیکن وہ وہی بات کہتے ہیں جسے وہ حق سمجھتے ہیں۔ حق بات کہنا ان کی فطرت ہے۔

۲- شراب خانے میں جو اتنا بھیڑ بھڑکا (جمگھٹا) ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیرِ مغاں حسنِ اخلاق کا مالک ہے' خوش اخلاق ہے۔ مراد یہ ہے کہ حسنِ اخلاق ہی سے تبلیغ و ہدایت بااثر ہوتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنے حسنِ اخلاق ہی سے بدو اور قبیلہ پرست عربوں کو عظیم انسان بنا دیا۔ مولانا رومیؒ نے دلوں پر قابو پانے یعنی

دوسروں سے حسن اخلاق اور پیار محبت سے پیش آنے کو حجِ اکبر اور ایک دل کو ہزاروں کعبوں سے بہتر کہا ہے۔ شعر پہلے آ چکے ہیں۔

۳- اگرچہ مشہور فلسفی رازیؔ نے بڑی باریک، گہری اور علم افزا باتیں کی ہیں، جو حیران کن ہیں اور ان کی ''تفسیر کبیر'' کو بھی خاص مقام حاصل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتنی اہمیت کے باوجود یقین کی کمزوری دور کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ دین ویقین کی پختگی صرف عشقِ حقیقی ہی کی بدولت ممکن ہے۔

۴- مرید نے تو اپنی سادہ مزاجی کے باعث رو رو کر اللہ کے حضور توبہ کر لی۔ اب خدا پیر یا مرشد کو بھی یہ (توبہ کرنے کی) توفیق عطا فرمائے۔ مرشد نے مریدوں کو تو یہ ہدایت کی کہ اللہ کے حضور رو کر توبہ کرو تو وہ بخشش فرما دے گا لیکن مرشد/ پیر نے خود ایسا نہیں کیا، اسی لیے اس کے حق میں دعا کی گئی ہے۔

۵- آج کا انسان اسی پرانے جادو کا اسیر ہے، چنانچہ اس کی بغل میں آج بھی پرانے دور کے بت موجود ہیں۔ ''پرانا جادو'' سے مراد رنگ ونسل، حسب نسب، قبیلہ دوستی اور وطنیت وغیرہ کا تصور جس سے انسان مختلف گروہوں اور قوموں میں بٹے ہوئے ہیں اور یہ انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔

۶- میرے لیے تو زبانی اقرار کر لینا ہی کافی ہے (کس چیز کا اقرار؟ اسلام کا) ہزار شکر کہ مُلّا تصدیق والا بن گیا ہے۔ مطلب یہ کہ میں تو ایک عام انسان ہوں، میرا زبانی اقرار بھی بہت ہے جبکہ ملا جو مذہبی پیشوا بننے کا دعویدار ہے، اس تصدیق کا حامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان نام نہاد مُلاؤں پر زبردست چوٹ ہے جو زبان سے تو ''اسلام اسلام'' کی رٹ لگاتے ہیں، لیکن عمل کے لحاظ سے وہ بالکل بے بہرہ ہیں۔

۷- اگر عشق یعنی عشقِ حقیقی ہو تو کفر بھی مسلمانی ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ایک نام کا مسلمان بھی کافر وزندیق ہے۔ مطلب یہ کہ زبانی کلامی مسلمان ہونے کے دعوے کرنا لیکن عملاً اسلام کی تعلیمات اور عشقِ حقیقی کے جذبوں سے خالی رہنا، کوئی مسلمانی نہیں ہے۔ عشقِ حقیقی کا جذبہ دل میں ہو تو کفر بھی گویا اسلام ہی ہے۔

(۱۲)

۱- پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۔۔۔ تو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

۲۔ کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
۳۔ کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
۴۔ کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیرِ مسلماں مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی
۵۔ میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک دیرینہ ہے تیرا مرضِ کور نگاہی

۱۔ تو اپنے بارے میں فطرت یعنی دل سے پوچھ لے کہ اس کی گواہی کو قبولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس سے پوچھنے پر تجھے یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ تو صاحب منزل ہے یا بھٹکا ہوا مسافر ہے۔ گویا انسان اپنے دل میں ڈوب کر غور کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ اس کے عمل اور طور طریقے دین کی تعلیمات کے مطابق ہیں یا نہیں۔
علامہ ہی کے بقول: اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

۲۔ اگر مسلماں، کافر ہے (یعنی عملاً مسلمان نہیں محض نام کا مسلمان ہے تو اس میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں) تو اس کے مقدر میں نہ تو دنیاوی عظمت و شاہی ہے اور نہ درویشی و قلندری۔ اس کے برعکس جو حقیقی معنوں میں مومن ہے اسے درویشی میں بھی شاہانہ عظمت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ اگر (یہ نام کا مسلمان) کافر ہے تو وہ تلوار پر بھروسا کرتا ہے، اور اگر وہ مومن (حقیقی مسلمان) ہے تو ایسا سپاہی تلوار کے بغیر بھی لڑتا ہے۔ صحیح مومن باطل قوتوں سے ٹکر لینے کے لیے کسی ساز و سامان کے چکر میں نہیں پڑتا، اس لیے کہ اس کے دینی جذبے اس میں بے پناہ جرأت و دلیری پیدا کر دیتے ہیں جبکہ نام کا مسلمان ایسے جذبوں سے خالی ہوتا ہے۔

۴۔ اگر مسلمان محض نام کا مسلمان ہے تو وہ تقدیر کا تابع و پابند رہتا ہے، یعنی وہ اپنی تقدیر سنوارنے کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرتا بلکہ یہی سمجھتا یا کہتا ہے کہ جو کچھ میری تقدیر میں لکھا ہے، وہ مجھے مل جائے گا۔ اس کے برعکس مرد مومن خود تقدیر الٰہی ہوتا ہے، یعنی وہ مسلسل جہد و عمل سے اپنی تقدیر سنوارتا ہے۔ قرآن کی رو سے ''جتنا کچھ تم کرو گے اتنا ہی تمہیں ملے گا'' علامہ کا نظریہ تقدیر کے متعلق یہ ہے:

عبث ہے شیوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۵۔ میں نے تو رازوں کا پردہ واضح طور پر کھول کر تجھے حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے، لیکن

کیا کیا جائے کہ تیرا اندھے پن کا مرض ہی بہت پرانا ہو چکا ہے۔ کور نگاہی سے مراد دل کی عشقِ حقیقی کے جذبوں سے محرومی ہے۔

(۱۴)

۱۔ یہ حوریانِ فرنگی دل و نظر کا حجاب — بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب
۲۔ دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا — مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب
۳۔ جہانِ صوت و صدا میں سما نہیں سکتی — لطیفۂ ازلی ہے فغانِ چنگ و رباب
۴۔ سکھا دیے ہیں اُسے شیوہ ہائے خانقہی — فقیہِ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
۵۔ وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی — اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
۶۔ سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے — دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب
۷۔ ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثرا تیرا — مری نوا میں ہے سوز و سرورِ عہدِ شباب

۱۔ (علامہ نے یہ اشعار اسلامی اُندلس کے دارالحکومت قرطبہ میں ۱۹۳۳ء میں لکھے) یہ یورپی حوریں (حسینائیں) دل و نظر کا پردہ ہیں۔ اہل مغرب کی بہشت ایسے جلووں کی حامل ہے جو تیزی سے اڑ جاتے یعنی ناپائدار ہیں۔ حوروں کے حوالے سے بہشت کی بات کی ہے۔ مطلب یہ کہ ان حسیناؤں کا حسن دل و نظر دونوں کو راہِ حق سے دور کر دیتا ہے اور یہ کہ یہ حسن عارضی و فانی ہے۔

۲۔ تو (اے مخاطب!) چاند اور ستاروں سے 'جو جود/ کائنات کے سمندر کا گویا بھنور ہیں' اپنے دل و نظر کی کشتی بچا کر لے جا۔ مطلب یہ کہ کشتی بھنور میں پھنس جائے تو آگے نہیں نکل سکتی۔ اس کائنات کو اگر اپنا مقصد بنا لیا جائے تو انسان اس حقیقی عظمت و بلند مرتبگی سے محروم رہ جاتا ہے' جو عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشاری اور جہد و عمل سے میسر آتی ہے۔ اس لیے کائناتی مقصد سے دوری ضروری ہے۔

۳۔ چنگ و رباب کے نغمے میں ایک ازلی لطافت و تاثیر ہے جو صوت و صدا کی دنیا میں نہیں سما سکتی۔ یعنی ایسی دل کشی و تاثیر ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو علامہ کو خود موسیقی سے بڑی دلچسپی تھی' دوسرے قرطبہ کے لوگوں کی موسیقی میں مہارت نے انہیں متاثر کیا ہوگا جو انہوں نے ایسی بات کی ہے۔

۴۔ صوفیوں نے شہر کے فقیہوں (علمائے شریعت) کو بھی اپنے خانقاہی طور طریقے سکھا کر

انہیں بگاڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ فقیہوں نے بھی ان نام نہاد صوفیوں کے دیکھا دیکھی وہی روش اختیار کر لی ہے جس کے نتیجے میں وہ بھی حقیقت سے دور ہو گئے ہیں۔ گویا وہ بھی صوفیوں کی طرح بگڑ گئے یا برباد ہو گئے ہیں۔

۵- وہ سجدہ جس سے کبھی زمین کی روح کانپ کانپ اٹھا کرتی تھی، افسوس کہ آج اسی کو مسجدوں کے منبر و محراب ترس رہے ہیں۔ حضورِ قلب نہ ہونے اور حقیقت سے دور ہونے کے باعث ان فقیہوں اور علما کے سجدوں میں کوئی سوز اور تڑپ نہیں رہی۔

۶- میں نے نہ تو مصر میں اور نہ فلسطین ہی میں (اپنے قیام کے دوران) ایسی اذان سنی جس نے کبھی پہاڑوں تک کو پارے کی طرح بے قرار کر دیا تھا۔ وہی بات کہ مسلمانوں میں عشقِ حقیقی کے جذبے نہ ہونے کے باعث ان کی اذانیں یا نمازیں محض نام کی رہ گئی ہیں۔

۷- اے قرطبہ کی فضا! شاید یہ تیرا اثر ہے کہ میرے نغموں میں عہدِ جوانی کا سا سوز و سرور پیدا ہو گیا ہے۔ نغموں سے مراد شاعری ہے۔

(۱۴)

۱- دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کرّاری	مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
۲- دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک	نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری
۳- مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا	ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری
۴- اس اندیشے سے ضبطِ آہ میں کرتا ہوں کب تک	کہ مُغ زادے نہ لے جائیں تری قسمت کی چنگاری
۵- خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں	کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری
۶- مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی	کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
۷- تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر	مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

۱- بیدار دل انسان میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ حیدر کرار کی سی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یوں سمجھو کہ انسان گویا تانبا ہے اور دل کی بیداری اکسیر ہے اور اس تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔

۲- (اے مسلمان!) تو بیدار دل پیدا کر یا حاصل کر، اس لیے کہ جب تک تیرا دل سویا رہے گا تو تیرا وار بااثر ہوگا اور نہ میرا وار ہی کاری ہوگا۔ دل کی بیداری کے بغیر نہ تو باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں فنا کیا جا سکتا ہے اور نہ عشقِ حقیقی کا سوز و جذبہ ہی دل میں

پیدا ہو سکتا ہے۔اس طرح زندگی کی حقیقت سے انسان دور ہو جاتا ہے۔

۳- تاتاری ہرن کا' جو اپنی مشکِ نافہ کے باعث مشہور ہے' نشان اور کھوج لگانے کے لیے سونگھنے کی تیز قوت کی ضرورت ہے۔اس سلسلے میں ظن وتخمین سے کام نہیں چلتا۔ گویا حقیقی زندگی کے لیے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لینے کی ضرورت ہے' اس کے بغیر' اندازوں وغیرہ سے' بات نہیں بنتی۔

۴- میں آخر کب تک اس خیال یا خوف سے اپنی آہ ضبط کرتا رہوں کہ کہیں آتش پرستوں کے بچے تیری قسمت کی چنگاری نہ اڑا لے جائیں۔اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے کہ میں ملت کو بیدار کرنے میں لگا ہوا ہوں تاکہ وہ اپنی عظمت وسربلندی کا سامان کر لے ورنہ دوسری قومیں (غیر مسلم) اس (ملت) پر چھا جائیں گی اور اس کا مقدر بگڑ جائے گا۔سو اگر ملتِ اسلامیہ میرے پیغام پر توجہ نہیں دیتی تو میں کب تک اس کام میں لگا رہوں گا۔

۵- اے خدا تعالیٰ! تیرے یہ سادہ دل بندے آخر کدھر جائیں کہ آج کے دور کی درویشی بھی محض عیاری ومکاری اور دھوکا فریب ہے اور کچھ یہی کیفیت سلطانی (حکمرانی) کی بھی ہے۔نہ درویشوں میں حقیقی جذبے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکیں اور نہ حکمران ہی عوام کی فلاح وبہبود کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔سب اپنے مفادات کے بندے ہیں اور اپنے مفاد کے حصول کے لیے وہ ہر طرح کے دھوکے فریب سے کام لے رہے ہیں۔

۶- مجھے جدید دور کی تہذیب نے کچھ اس قسم کی آزادی عطا کی ہے کہ بظاہر وہ آزادی معلوم ہوتی ہے لیکن باطن میں گرفتاری ہے۔گویا ایمان واخلاق اور دل کو عشقِ حقیقی کے جذبوں سے یہ آزادی بیگانہ کر رہی ہے۔علامہ نے اپنی مزاحیہ شاعری میں اس تہذیب پر یوں چوٹ کی ہے:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

۷- اے حضور اکرمؐ! آپ ہی میری کوئی چارہ سازی فرمائیں کہ میری دانش (جو علم حاصل کیا) تو سراسر افرنگی (یورپی) ہے اور میرا ایمان زناری ہے' یعنی کافروں کا سا ہے۔یہ گویا آج کے مسلمانوں کی تصویر کشی ہے کہ وہ محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ان کی سوچ اور ان کے عمل سب غیر مسلموں کے سے ہیں۔

(۱۵)

۱- خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں — جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں
۲- نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے — شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں
۳- میری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی — کہ بانگِ صور سرافیل دل نواز نہیں
۴- سوالِ مے نہ کروں ساقیِ فرنگ سے میں — کہ یہ طریقۂ رندانِ پاکباز نہیں
۵- ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق — سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں
۶- اک اضطرابِ مسلسل غیاب ہو کہ حضور — میں خود کہوں تو مری داستاں دراز نہیں
۷- اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم — فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

۱- خودی اگر تند و شوخ بھی ہو جائے تو اس میں کسی قسم کا تکبر اور ناز نخرا نہیں ہوتا اور اگر ناز ہو بھی تو وہ بھی نیاز کی لذت کے بغیر نہیں ہوتا۔ مراد یہ کہ صاحب خودی مغرور و متکبر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کہیں ایسی ضرورت پیش آ جائے یا لوگ ایسا سمجھ لیں تو بھی حقیقت میں نیاز ہی اس میں مخفی ہوتا ہے۔

۲- عشق کی نگاہ ایک دلِ زندہ کی تلاش میں رہتی ہے' اس لیے کہ مردہ شکار شاہباز کی شان کے خلاف ہے' یا لائق نہیں ہے۔ عشق کو شاہباز سے اور دنیاوی یا مادی مفادات کو مردہ شکار سے تشبیہ دی ہے۔

۳- میرے نغمے (شاعری) میں محبوبی و دل فریبی کی کوئی ادا نہیں ہے' یوں سمجھ لو کہ جس طرح حضرت اسرافیل کے صور کی آواز میں دل نوازی کا کوئی پہلو نہیں ہے' کچھ ایسی ہے میری شاعری کی کیفیت ہے۔ صور کی آواز سے مردے اٹھ کھڑے ہوں گے' میں اپنی مردہ دل قوم کو اس (شاعری) کے ذریعے بیدار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' بے شک میری شاعری میں تلخ حقیقتوں کا ذکر ہے۔

۴- میں یورپ کے ساقی سے شراب نہیں مانگوں گا' اس لیے کہ یہ انداز پاک فطرت رندوں کا نہیں ہے۔ مراد یہ کہ ایسی شراب جو پاک فطرتی میں اضافہ کرے یورپ کے پاس نہیں ہے۔ یہاں شراب افکار و خیالات کا استعارہ ہو سکتی ہے۔

۵- دنیا میں عشق کی حکومت کبھی عام نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں ہے۔ عشق کے لیے جذبوں میں خلوص ہونا ضروری ہے۔ وہ مادی مفادات کے چکر

میں نہیں پڑتا۔ان سے بے نیاز رہتا ہے' جبکہ عوام اس جذبے ہی سے خالی ہیں۔ان کی ساری دوڑ اور تگ و دو دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے ہے۔

۶- میں اگر اپنی داستان خود بیان کروں تو وہ طویل نہیں' ہر چند لوگ اسے خوب پھیلائیں۔ یہ داستان ان دو لفظوں پر مشتمل ہے کہ جدائی اور حضوری دونوں مسلسل بیقراری کا باعث ہیں۔محبوبِ حقیقی سے جدائی یا دوری ہو تو وہ بھی اور اگر اس کا قرب میسر آ جائے تو وہ بھی' دونوں میری مسلسل بیقراری کا باعث بنتے ہیں۔

۷- اے مخاطب یا قاری! اگر تو صاحبِ ذوق ہے تو تنہائی میں میری کتاب زبور عجم (فارسی شاعری کا ایک مجموعہ) پڑھ۔ یہ گویا میری آدھی رات کے وقت کی آہ و فغاں ہے اور یہ آہ و فغاں راز کی باتوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔

(۱۶)

۱- میرِ سپاہ ناسزا' لشکریاں شکستہ صف | آہ! وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف
۲- تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں | ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف
۳- عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا | نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف
۴- کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق | عشق ہے مرگِ باشرف' مرگِ حیات بے شرف
۵- صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش | لاکھ حکیم سربجیب' ایک کلیم سربکف
۶- مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی | اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ "لاتخف"
۷- خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ | سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

۱- فوج کا سربراہ نااہل ہے جبکہ اہلِ لشکر کی صفیں انتشار کا شکار ہیں۔اس اُدھ کھچے تیر پر افسوس ہے جس کا کوئی نشانہ نہ ہو۔ میر سپاہ استعارہ ہے ملت کے رہنما یا رہنماؤں کا اور لشکریاں افرادِ ملت کا۔ گویا ایک مردِ حق قسم کا رہنما نہ ہونے کے باعث ملت افتراق و انتشار میں غرق ہے۔ علامہ نے اپنے پیام کو تیرِ نیم کش کہا ہے جس طرح اس کا کوئی نشانہ نہیں ہوتا' اسی طرح علامہ کے پیام کا افرادِ ملت پر کوئی اثر نہیں ہو رہا جو لائقِ افسوس ہے۔

۲- (اے فردِ ملت) تیرے سمندر میں زندگی کا کوئی موتی نظر نہیں آ رہا۔ میں یہ موتی ہر ہر لہر اور ہر ہر سیپی میں تلاش کر چکا ہوں۔ مراد یہ کہ مسلمانوں میں عشق و ولولہ کے

جذبے نہیں رہے اور وہ جہد و عمل سے بھی دور ہیں۔

۳- تو بتوں کا عشق چھوڑ دے اور اپنی خودی (کے سمندر) میں ڈوب جا' غوطہ لگا۔ اس دنیا کے یا بت کدے کے نقش و نگار میں اپنا خونِ جگر ضائع نہ کر۔ مطلب یہ کہ مادی فوائد کے حصول کے چکر سے باہر نکل' اس کی خاطر مشقت و محنت سے کام نہ لے بلکہ اپنی معرفت حاصل کر کے جہد و عمل سے اپنی عظمت و بقا کا سامان کر۔

۴- میں موت اور عشق کے مقام کے راز کے بارے میں تجھے کیا بالکل واضح طور پر بتاؤں۔ بس یوں سمجھ کہ عشق گویا ایک باعظمت موت ہے جبکہ حقیقی زندگی کی موت یہ ہے کہ عزت و عظمت سے محروم زندگی بسر کی جائے۔ گویا ایسی زندگی سے بچ۔

۵- مولانا رومیؒ کی صحبت سے مجھ پر یہ راز فاش ہوا کہ لاکھوں فلسفی' جو گریبان میں سر ڈال کر غور و فکر کرتے ہیں' ایک طرف اور سر ہتھیلی پر لیے ہوئے ایک کلیم ایک طرف۔ مطلب یہ کہ ایک جانباز کلیم جو معرکہ انجام دے سکتا ہے' وہ لاکھوں فلسفیوں کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔ گویا مسلمانوں کے لیے مجاہدانہ زندگی بسر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ باطل قوتوں کی فنا کا سامان کرتے رہیں۔

۶- اگر آج بھی کوئی انسان حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی طرح باطل قوتوں سے نبرد آزما ہو جائے تو درختِ طور سے آج بھی ''لاتخف'' کی آواز آ رہی ہے (لغت دیکھیے) مطلب یہ کہ مذکورہ انسان خدا کی مدد سے باطل قوتوں کو فنا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

۷- یورپ کے علم و حکمت کا جلوہ میری نگاہوں کو بھونچکا نہ کر سکا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری آنکھوں میں مدینہ و نجف کی خاک کا سرمہ لگا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے حضور اکرمؐ کی تعلیمات سے فیض حاصل کیا۔ اسی فیض سے حضرت علیؓ بھی مستفیض ہوئے تھے۔

(۱۷)

۱- زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی	نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی
۲- کہیں سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری	کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آمیزی
۳- زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا	طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
۴- جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو	جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
۵- سوادِ رومتہ الکبریٰ میں دِلّی یاد آتی ہے	وہی عبرت' وہی عظمت' وہی شانِ دل آویزی

۱- (علامہ نے یہ اشعار یورپ میں لکھے جب ۰۰ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں یورپ گئے تھے' دونوں مرتبہ موسم سرما تھا) اگر چہ موسم سرما ئی ہو تلوار کی طرح تیز تھی' پھر بھی لندن میں بھی میرے صبح سویرے اٹھنے کے طور طریقے برقرار رہے۔ وہاں بھی میں حسب معمول صبح بہت جلد اٹھ جاتا رہا۔

۲- (لندن میں) کہیں تو میری گرم گفتاری محفل کی رونق کا باعث بنتی رہی اور کہیں میری کم آمیزی دوسروں کے لیے پریشانی کا سبب بنتی رہی۔ علامہ وہاں خود تو کم ہی دوسروں کے پاس آتے جاتے' البتہ اگر کوئی ان سے ملنے آتا یا آتے تو وہ حسب عادت ان سے بے تکلف ملتے۔

۳- حکومت کے امور کی باگ ڈور اگر مزدور کے ہاتھ میں ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' اس لیے کہ آج کوہکن کے طریقوں میں بھی وہی پرویزی مکر و حیلہ نظر آتا ہے۔ گویا کوہکن مزدور کا اور پرویزی شہنشاہی کا استعارہ ہے۔ اس میں روس کے کمیونزم نظام کی طرف اشارہ ہے جو بظاہر مزدوروں کی حکومت تھی لیکن حکمرانوں کے انداز' طور طریقے وغیرہ سب شہنشاہی مکروں اور حیلوں پر مشتمل تھے۔ (پرویز نے فرہاد کو شیریں سے دور رکھنے کے لیے اسے پہاڑ کھودنے کے لیے کہا تھا۔ جب وہ یہ کام مکمل کر چکا تو پرویز نے شیریں کے مرنے کی جھوٹی خبر اڑا دی' جس پر فرہاد نے اپنے پہاڑ کھودنے والے تیشے سے اپنا سر پھوڑ کر اپنا خاتمہ کر لیا۔)

۴- بادشاہی کا جلال و دبدبہ ہو یا (نام نہاد) جمہوریت کا تماشا ہو' دونوں صورتوں میں اگر دین' سیاست سے جدا ہو یا سیاست دین سے جدا کر دی جائے تو یہ سراسر چنگیزی عمل ہوگا۔ اس قسم کی بادشاہت اور سیاست میں ظلم و ستم جاری رہتا ہے جبکہ ان کے ساتھ دین کو شامل کر لیا جائے تو حکمرانوں کو عوام کے ساتھ محبت بھی ہوگی اور وہ ان کی ہر طرح کی فلاح و بہبود کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔

۵- رومتہ الکبریٰ کے گرد و نواح کو دیکھ کر دِلی (جو کبھی مغلیہ حکومتوں کا' پھر خبیث انگریزوں کا پایہ تخت رہا ہے اور آج کل بھارت کا دارالخلافہ ہے' اسے دہلی بھی کہا جاتا ہے) یاد آ جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں (رومہ میں) بھی دلی کی طرح کئی جگہ کھنڈر پڑے ہیں جو عبرت کا باعث بن رہے ہیں۔ وہاں بھی ویسی ہی عظمت کا نقشہ دکھائی دیتا ہے جو دلی میں اکثر جگہوں پر' مختلف صورتوں میں' نظر آتا ہے۔ اس

کے علاوہ وہاں دلی کی سی دلکشی کی شان بھی موجود ہے۔

(۱۸)

۱- یہ دَیرِ کہن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک — مشکل ہے گذرا اس میں بے نالۂ آتشناک
۲- نخچیر محبت کا قصہ نہیں طولانی — لطفِ خلشِ پیکاں، آسودگیِ فتراک
۳- کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں — سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک
۴- اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی — ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک
۵- اے رہ روِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی — نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک
۶- رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی — ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بے باک
۷- فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا — یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

۱- یہ پرانا مندر (بت خانہ) یعنی دنیا کیا ہے؟ یہ محض گھاس پھوس کا ڈھیر ہے۔ آتشناک فریاد کے بغیر اس میں سے گذرنا مشکل ہے۔ مطلب یہ کہ دنیوی یا مادی مقاصد و مفادات انسان کی حقیقی زندگی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بنتے ہیں اور وہ صاحب بقا نہیں بن سکتا۔ ان سے چھٹکارا اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان سراپا سوز بن جائے اور عشق حقیقی کے جذبہ سے سرشار ہو جائے۔

۲- محبت کے شکار کی داستان زیادہ طویل نہیں ہے۔ مختصراً وہ کچھ یوں ہے کہ تیر لگنے سے جو چبھن پیدا ہوئی وہ اس کے لیے لطف کا باعث بنی اور پھر فتراک میں بندھ کر اسے چین اور سکون مل گیا۔ اس استعارے میں یہ کہنا مقصود ہے کہ عاشق کے لیے راہِ محبت میں آنے والی تمام تکلیفیں وغیرہ دکھ کی بجائے مسرت و راحت کا سامان بنتی ہیں۔

۳- جو مطلب (حقیقت) بہتر (۷۲) فرقوں میں گم ہو گیا یا بٹ گیا، اسے تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکے گا جب تک تیرا فہم و شعور فرقہ بندی کی غلاظت سے پاک نہ ہو جائے۔ ظالم فرقہ پرستوں نے ملت اسلامیہ کو جو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے وہ کوئی دشمن بھی اسے نہیں پہنچا سکا۔ علامہ نے ان ظالموں پر بڑی تنقید کی ہے، مثلاً:

ع دینِ مُلا فی سبیل اللہ فساد

(مُلا کا دین اللہ کی راہ میں بھی فساد کا باعث ہے)

۴- ایک چیز اسلامی شرع (شریعت) ہے اور ایک شے اسلامیت کا شوق و جذبہ ہے۔ یہ

شوق و جذبہ عرش کا ایک بھید ہے یعنی جب کوئی مسلمان عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار ہو جاتا ہے تو اس کی رسائی اس محبوبِ حقیقی تک ہو جاتی ہے۔ (اس میں حضور اکرمؐ کے واقعہ معراج کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔)

۵- اے دانشمند سالک! اس اسلامی شوق/عشق و جذبہ کے بغیر نہ تو عمل کا کوئی راستہ مل سکتا ہے اور نہ یقین و ایمان کی شاخ ہی میں تازگی و شگفتگی آ سکتی ہے۔ یہ سب کچھ (راہِ عمل اور تازہ شاخ) اسی عشق و جذبہ اور یقین کامل ہی سے ممکن ہے۔

۶- گستاخی اور بے خوفی محبت کی رمزیں ہیں۔ ہر شوق یا عشق گستاخ نہیں ہو سکتا اور نہ ہر جذبہ ہی میں بے خوفی پیدا ہو سکتی ہے۔ عشقِ حقیقی انسان میں جرأت و بے باکی پیدا کر دیتا ہے اور وہ بے خوف ہو کر ہر باطل قوت سے ٹکرا جاتا ہے۔ دنیاوی مفادات سے وہ بے نیاز رہتا ہے۔

۷- میرا جنون قیامت میں بھی نچلا نہ بیٹھے گا' یا تو میں اپنا گریبان پھاڑ ڈالوں گا یا پھر خدا کا دامن چاک کر دوں گا۔ مطلب یہ کہ میرا جوش و ولولۂ عشق قیامت کے روز بھی وہی کچھ کرے گا یا وہی رنگ دکھائے گا جو اس نے دنیا میں دکھایا ہے۔ (راقم یزدانی نے ازراہِ مزاح علامہ کے اس شعر کو یوں بدلا ہے:

فارغ تو نہ بیٹھے گا گھر میں بھی جنون میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ زوجہ چاک

(علامہ کی روح سے معذرت کے ساتھ)

(۱۹)

۱- کمالِ ترک نہیں آب و گِل سے مہجوری	کمالِ ترک ہے تسخیرِ خاکی و نوری
۲- میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا	تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری
۳- نہ فقر کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے	وہ قوم جس نے گنوایا متاعِ تیموری
۴- سنے نہ ساقیِ مہوش تو اور بھی اچھا	عیارِ گرمیِ صحبت ہے حرفِ معذوری
۵- حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور	کسے خبر کہ تجلی ہے عینِ مستوری
۶- وہ ملتفت ہوں تو کنجِ قفس بھی آزادی	نہ ہوں تو صحنِ چمن بھی مقامِ مجبوری
۷- برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے	فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری

۱- آب وگِل یعنی اس دنیا سے دوری یا علیحدگی اختیار کر لینا ترک کا انتہائی درجہ نہیں ہے۔ ترک کا انتہائی درجہ یا تو مقام خاکی ونوری کو مسخر کرنا ہے۔ یعنی اس کائنات کی ہر شے کو مسخر کرنا ہی صحیح معنوں میں ترکِ دنیا ہے اور یہ ترک عشق حقیقی اور اپنی خودی کی معرفت ہی سے ممکن ہے۔ایک گوشے میں بیٹھ رہنے یا بیابانوں میں ڈیرا جما لینے سے نہیں۔

۲- اے اہلِ تصوف! میں ایسے فقر سے باز آیا جو تمہارا ہے' اس لیے کہ تمہارا فقر یا تمہاری درویشی تو سراسر بے برکتی ومحتاجی بھی ہے اور بیماری اور رنجوری بھی۔ سراسر بے عملی کی حامل اور حقیقی جذبوں سے عاری ہے۔

۳- وہ قوم نہ تو درویشی وفقر کے لائق ہے اور نہ حکومت وسلطنت ہی کے لیے' جس نے اپنی نااہلی کے باعث تیموری متاع ضائع کر دی۔ علامہ نے مغلیہ دور کے حوالے سے یہ بات کی ہے۔ مسلمانوں کا یہ دور عظیم دور تھا لیکن پھر عالمگیر کی وفات کے بعد حالات دگرگوں ہو گئے تا آنکہ خبیث انگریزوں نے مسلمانوں کی نااہلی کا فائدہ اٹھا کر برصغیر پر قبضہ کر لیا۔

۴- اگر چاند جیسے چہرے والے (حسین) ساقی تک یہ بات نہ پہنچے تو اور بھی اچھا ہوگا' کہ میں نے جو شراب پینے سے معذوری ظاہر کی ہے تو وہ در حقیقت گرمیِ محفل کی ایک کسوٹی تھی۔ گویا ساقی کی طرف سے تو مجھ پر بڑی مہربانی رہی' پھر اس نے جب محفل میں مجھے شراب پیش کی تو میں نے معذرت کر لی۔ میری یہ معذرت میری بے ذوقی کا ثبوت نہ تھی بلکہ ساقی کی مہربانی کا ثبوت تھی۔ یہ بات ساقی تک نہ پہنچے تا کہ اس کی مہربانی جاری رہے۔

۵- خواہ کوئی فلسفی ہے اور خواہ عارف وصوفی' سبھی اس ذاتِ اقدس کے جلوے کو ظاہر دیکھنے کے خواہاں ہیں لیکن کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ جسے وہ تجلی سمجھتے ہیں وہ تو سراسر پوشیدگی ہے۔ گویا محبوب حقیقی بے پردہ نظر نہیں آ سکتا اور اس کا جلوہ بھی ایک پردہ ہی ہے۔

۶- اگر محبوب مہربان ہو جائے تو پھر پنجرے کا کونا یا گوشہ بھی قید کی بجائے آزادی ہے اور اگر مہربان نہ ہو تو چمن کا صحن بھی گویا مقام مجبوری ہے۔ یعنی محبوب کی نظر عنایت ہو تو مصائب وآلام میں بھی راحت ہے اور اگر نہ ہو تو راحت بھی مصیبت ہی ہوگی۔

۷- اگرچہ یورپی علوم عقل وخرد میں اضافے کا باعث بنتے ہیں لیکن ان سے دلوں میں نورِ ایمان نہیں رہتا۔ میرے اس قول کا برا نہ منا بلکہ خود اسے آزما کے دیکھ لے' تجھ پر یہ

حقیقت واضح ہو جائے گی۔

(۲۰)

۱- عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں
۲- دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
۳- علم میں بھی سرور ہے لیکن — یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں
۴- کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں — ایک بھی صاحبِ سرور نہیں
۵- اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے — اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
۶- ناصبوری ہے زندگی دل کی — آہ وہ دل کہ ناصبور نہیں
۷- بے حضوری ہے تیری موت کا راز — زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
۸- ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا — تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
۹- "ارنی" میں بھی کہہ رہا ہوں مگر — یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں

۱- عقل اگرچہ محبوبِ حقیقی کے آستانے سے دور نہیں ہے (قریب ہے) لیکن اس کے مقدر میں اس محبوب کی بارگاہ کی حضوری ممکن نہیں' کیونکہ وہ صرف دلیلوں سے کام لیتی ہے۔ یہ حضوری صرف عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہونے سے میسر آتی ہے۔

۲- گو تیری آنکھیں بصارت سے منور ہیں' لیکن تو خدا سے دلِ زندہ یا حقیقت بیں دل بھی مانگ' اس لیے کہ آنکھوں کا نور دل بینا کا نور نہیں بن سکتا۔ آنکھیں تو صرف ظاہر کو دیکھ سکتی ہیں جبکہ دل بینا کی نظر کائنات کے باطن پر ہوتی ہے۔

۳- ہر چند علم میں بھی ایک خاص ذوق و سرور ہے' لیکن اس کی حالت ایسی جنت کی سی ہے جس میں کوئی حور نہیں ہے' یعنی جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۴- بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں کوئی بھی ایسا انسان نظر نہیں آ رہا یا نہیں مل رہا جو ذوق و شوق والا ہو' یعنی جو عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہو۔

۵- ایک جنون وہ ہے جس میں شعور و ہوش بھی ہے اور وہ ایک وہ جنون ہے جو ہوش و سرور سے محروم ہے۔ پہلے جنون سے مراد عشق حقیقی کے جذبے سے سرشاری ہے اور دوسرا عام پاگل پن جس میں انسان کے لیے ہوش وحواس برقرار نہیں رہتے۔

۶- بیقراری دل کی زندگی کا باعث بنتی ہے۔ اس دل کی حالت افسوسناک ہے جو بیقرار

نہیں ہے۔ بیقراری محبوب سے دوری کا سبب ہے۔اس سے عشق زندہ و برقرار رہتا ہے' محبوب کے سامنے بھی سچا عاشق بیقرار رہتا ہے' جبکہ اس کے برعکس جو عاشق ہے' وہ عشق کے سچے جذبے سے محروم ہے۔ مومن خان مومنؔ نے یہی بات اس انداز میں کی ہے:

مرگ ہے انتہائے شوق یاں رہی ابتدائے عشق
زندگی اپنی ہو گئی رنجشِ بار بار میں

۷- تیری (مخاطب کی) بے حضوری (محبوب کے قرب سے محرومی) تیری موت کے برابر ہے۔ اگر تو زندہ ہو تو بے حضوری نہیں ہو سکتی۔ دل زندہ اور سچے جذبوں ہی سے اس محبوب تک رسائی ممکن ہے ورنہ آدمی محض چلتی پھرتی لاش ہے۔

۸- ہر موتی نے سیپی توڑ ڈالی یعنی باہر نکل آیا لیکن تو (مخاطب) ہی خود کو ظاہر کرنے پر تیار نہیں ہوا یعنی تو نے اپنی اہلیت و قابلیت سے کام نہیں لیا' اپنی خودی کو نہ پہچانا اور یوں بے حقیقت و حیثیت ہو کر رہ گیا۔

۹- ''ارنی''، تو میں بھی کہہ رہا ہوں لیکن میرا ایسا کہنا کلیم وطور والی بات نہیں ہے۔ (لغت دیکھیے) مطلب یہ کہ میں بھی محبوبِ حقیقی کا جلوہ دیکھنے کا آرزومند ہوں اور اسے دیکھنے کی تاب بھی اس محبوب سے مانگتا ہوں۔

(۲۱)

۱- خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں — تو آب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
۲- طلسمِ گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں — زجاج کی یہ عمارت ہے سنگِ خارہ نہیں
۳- خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں — مگر یہ حوصلۂ مردِ ہیچ کارہ نہیں
۴- ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے — کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
۵- یہیں بہشت بھی ہے' حور و جبرئیل بھی ہے — تری نگہ میں ابھی شوخیِ نظارہ نہیں
۶- مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا — وہ پیرہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں
۷- غضب ہے عینِ کرم میں بخیل ہے فطرت — کہ لعلِ ناب میں آتش تو ہے شرارہ نہیں

۱ خودی ایک ایسا وسیع سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اگر تو اسے محض ندی سمجھا ہے تو تیری کم نظری کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ یعنی قدرت کی طرف سے انسان کو بے حد

صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا گیا ہے۔ ان قوتوں سے وہی کام لے سکتا ہے جو اپنی خودی کی معرفت سے آگاہ ہو جائے' ورنہ زندگی بیکار ہے۔

۲۔ گردش کرنے والے آسمان کا طلسم بآسانی توڑا جا سکتا ہے' اس لیے کہ یہ (آسمان) گویا شیشے کی عمارت ہے' کوئی سخت پتھر نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آسمان یا ستاروں کی گردش کے حوالے سے اپنی تقدیر جاننا اچھی بات نہیں ہے' مسلسل جہد و عمل سے اپنی تقدیر کو سنوارا جا سکتا ہے۔ علامہ نے اس موضوع کو کئی جگہ مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے' مثلاً:

عبث ہے شیوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

۳۔ جو اہلِ ہمت ہیں' وہ خودی میں ڈوب بھی جاتے اور پھر ابھر بھی آتے ہیں' لیکن بیکار اور جہد و عمل سے بیگانہ لوگ ایسے حوصلے سے محروم یا بیگانہ ہیں۔ صاحب خودی بلند عزم و ارادہ اور بلند ہمت و حوصلہ کا مالک ہوتا ہے اور بڑے بڑے معرکے انجام دے سکتا ہے جو کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

۴۔ تیرا کیا مقام و مرتبہ ہے' اس کی نجومی کو کیا خبر ہو سکتی ہے' اس لیے کہ تو ایک زندہ ہستی ہے اور ستاروں کے ماتحت یا ان کے زیر اثر نہیں ہے۔ وہی بالواسطہ تقدیر والی بات۔ جب تو ستاروں کے چکر میں پڑنے کی بجائے اپنے جہد و عمل سے اپنی تقدیر سنوار سکتا ہے' تو نجومی تجھے کیا بتائے گا کہ تیری تقدیر کیسی ہے۔

۵۔ اسی دنیا میں بہشت بھی ہے اور جبرئیل اور حوریں بھی ہیں' لیکن کیا کیا جائے کہ تیری نگاہ میں ابھی وہ تیزی' دور بینی اور بصیرت پیدا نہیں ہوئی جس کی بدولت تو ان کو دیکھ سکے۔ گویا انسان اپنی جدوجہد اور اپنے حسنِ عمل سے اور عشقِ حقیقی کے جذبہ سے سرشار ہونے کے باعث اس دنیا ہی میں اپنے لیے بہشت کی سی صورتحال پیدا کر سکتا ہے۔ حسن عمل وغیرہ کے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

۶۔ میرے جنون نے زمانے کے ذوق کو خوب پہچانا' چنانچہ اس نے مجھے وہ لباس عطا کیا جو پھٹا ہوا نہیں ہے۔ یہاں جنون سے مراد جذبہ عشق ہے' عام پاگل پن نہیں جس میں

پاگل اپنا لباس تک پھاڑ لیتا ہے۔ علامہ نے جذبہ عشق حقیقی سے اپنی سرشاری کی بات کی ہے۔

۷۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ فطرت (قدرت) سراپا بخشش وکرم ہوتے ہوئے بھی کنجوسی کا مظاہرہ کر رہی ہے اور وہ یوں کہ خالص لعل میں آگ (بے حد سرخی) تو ہے لیکن اس میں کوئی چنگاری نہیں ہے۔ علامہ نے ایک جگہ یوں بھی کہا ہے:

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزّاقی نہیں ہے

(۲۲)

۱۔	یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی	کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
۲۔	تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے	جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رُوسیاہی
۳۔	نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے	مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے، تو نہ رہ نشیں نہ راہی
۴۔	مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں	وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسم کج کلاہی
۵۔	یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر	کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
۶۔	تو ہُما کا ہے شکاری، ابھی ابتدا ہے تیری	نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی
۷۔	تو عرب ہو یا عجم ہو، ترا ''لا الٰہ الا''	لُغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی

۱۔ صبح سویرے چلنے والی ہوا مجھے یہ پیغام دے گئی ہے کہ جو لوگ اپنی خودی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں، انہیں پادشاہی کا مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنی مخفی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہو کر اور پھر مسلسل جہد و عمل سے وہ عظمت و سربلندی کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

۲۔ خودی کی معرفت ہی سے تیری حقیقی زندگی ہے اور اسی سے دنیا میں تیری عزت و آبرو ہے۔ اگر تیری خودی برقرار ہے تو تو بادشاہ ہے، صاحبِ عظمت و سربلندی ہے اور اگر تیری خودی برقرار نہیں ہے تو ذلت و خواری اور روسیاہی تیرا مقدر بنے گی۔ اس انداز میں علامہ نے خودی برقرار رکھنے کا درس دیا ہے۔

۳۔ اے فلسفی! تو نے مجھے منزل یا منزل مقصود کا کوئی نشان نہیں بتایا۔ (خیر کوئی بات نہیں) مجھے تجھ سے کیا گلہ ہو (کوئی گلہ نہیں) کہ تو نہ تو اس راستے میں بیٹھنے والا ہے اور نہ اس

راہ پر چلنے والا ہے۔ منزلِ مقصود سے مراد محبوبِ حقیقی تک رسائی ہے جو صرف عشق کے جذبہ سے سرشاری ہی کی بدولت ممکن ہے جبکہ فلسفہ محض دلیلوں سے کام لیتا اور اس جذبے سے خالی ہے۔

۴۔ میری شاعری کے حلقے میں ابھی وہ گدا یا درویش تربیت حاصل کر رہے ہیں جو بادشاہت کے طور طریقوں سے آگاہ ہیں۔ یعنی ابھی ایسے کچھ لوگ ہیں جو میرے شاعرانہ پیغام سے متاثر ہو کر اپنی عظمت و سربلندی کے لیے جہد و عمل کر سکتے ہیں۔

۵۔ اے خانقاہ نشین صوفی! جو تیرا دل چاہتا ہے تو کر، یہ بڑے نازک معاملے ہیں، مجھے تیرے خانقاہی طور طریقے اچھے نہیں لگتے۔ نازک معاملے سے مراد اسلامی جذبے اور طور طریقے ہیں۔ صوفی گوشہ نشینی اختیار کر کے ترکِ دنیا کا مظاہرہ کرتا ہے جو سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لیے کہ ہمیں تو دین اور دنیا دونوں کو سنوارنے کا کہا گیا ہے۔ یہ آج کے صوفیا یا نام نہاد صوفیا پر گویا تنقید ہے۔

۶۔ تو ہما کا شکاری ہے، ابھی تو ابتدائی دور میں سے گذر رہا ہے۔ یاد رکھ کہ یہ جہانِ مرغ و ماہی مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ گویا اس کائنات کی تخلیق میں قدرت نے مصلحت رکھی ہے۔ تیری زندگی کا اصل مقصد اس کائنات کی تسخیر اور محبوب حقیقی تک رسائی ہے، جس کے لیے جذبہ و ولولہ اور جہدِ مسلسل بنیادی شرط ہے۔

۷۔ تو (اے مسلم) خواہ عربی ہے یا عجمی، تیرا پیغام صرف ''لا الہٰ الا اللہ'' یعنی توحید ہے اور یہ پیغام و مقصد اگر صرف زبان ہی سے کہتا ہے اور اس پر عمل نہیں ہے تو یہ ایک اجنبی زبان کا لفظ ہوگا۔ اس کے لیے تیرے دل کی گواہی ضروری ہے۔ خدا کی توحید کو دل سے ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

(۲۳)

۱۔ تری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ　　ترا گنہ کہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ
۲۔ گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا　　کہاں سے آئے صدا ''لا الہٰ الا اللہ''
۳۔ خودی میں گم ہے خدائی، تلاش کر غافل　　یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ
۴۔ حدیثِ دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ　　خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ
۵۔ برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر　　یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

۶- نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازیِ افلاک	خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ
۷- اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک	نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

۱- تیری نظر گھٹیا ہے کہ دور تک نہیں پہنچی، جبکہ تیرا ہاتھ بلندی تک نہیں پہنچتا۔ اس صورت میں خطا تیری ہے یا کھجور کے بلند درخت کی، جس سے پھل توڑنا مقصود ہے۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ بلند مقاصد کے حصول کے لیے بلند ارادوں اور بلند ہمتوں کی ضرورت ہے، ان کے بغیر زندگی کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں ہے۔

۲- مدرسہ والوں نے تو تیرا گلا ہی دبا دیا ہے۔ اب بھلا ''لا الہ الا اللہ'' کی آواز کہاں سے آسکتی ہے۔ جدید یورپی طرزِ تعلیم کی طرف اشارہ ہے جو نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات سے دور کر رہا ہے۔ اکبرالہ آبادی مرحوم کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

علامہ نے اپنے ظریفانہ کلام میں ایک جگہ یوں بھی کہا ہے:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِنظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

۳- اے غفلت کے مارے مسلم! خدائی، خودی ہی میں پوشیدہ ہے۔ تو اسے وہاں تلاش تو کر۔ اب تیرے لیے یہی صلاح کار ہے۔ یعنی جب تو اپنی خودی کی معرفت حاصل کر لے گا تو تجھ میں خدائی صفات پیدا ہو جائیں گی۔

۴- تو دل کی باتیں کسی ایسے درویش سے پوچھ جو بے گلیم ہو۔ خدا تجھے تیرے اصل مرتبہ و مقام سے آگاہ فرمائے۔ یعنی کسی مردِ حق کی رہنمائی حاصل کر کے حقیقی زندگی کے مقصد سے آگاہ ہو اور پھر جہد و عمل سے اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کر۔ خدا تعالیٰ تجھے اس کی توفیق سے نوازے۔ (آمین)

۵- اگر تیرا سر ننگا ہے تو تو خود میں بلند ارادہ و ہمت پیدا کر، اس لیے کہ یہاں صرف شاہین

کے سر کے لیے تاج ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تو صاحبِ عظمت و بلندی بننے کی خواہش رکھتا ہے تو اس کے لیے بلند ہمتی پیدا کر' اس لیے کہ اس کے بغیر یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ شاہین چونکہ بلندی پر پرواز کرتا ہے' اس لیے اس کا حوالہ دیا ہے۔

۶۔ تو (مسلمان) جو زوالِ نعمت و جاہ کا شکار ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ تیری خودی مر چکی تھی۔ تجھ میں خودی نہ رہی تھی۔ ستاروں کی گردش یا آسمان کی چال کا اس زوال میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مذکورہ گردش کو اپنی شان و عظمت کے زوال کا ذمہ دار ٹھہرانا اپنی نااہلی و بے عملی کو چھپانا ہے۔ جو کوئی اپنی خودی سے عملاً آگاہ ہے وہ کسی مصیبت یا زوال کا شکار نہیں ہو سکتا۔

۷۔ میں مدرسے اور خانقاہ دونوں سے غم زدہ ہو کر اٹھا' اس لیے کہ ان میں نہ تو حقیقی زندگی کے کوئی آثار نظر آئے' نہ محبت و معرفت کے اور نہ حقیقت بیں نگاہ ہی دیکھنے میں آئی۔ گویا علامہ کے نزدیک ظاہری علوم کے ادارے (مدرسے) اور باطنی علوم کے ادارے (خانقاہیں) دونوں اپنی اصل روح سے محروم ہو چکے ہیں۔

(۲۴)

۱۔ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں — ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
۲۔ ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا — حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۔ گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ — گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں
۴۔ رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل — حیات سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں
۵۔ عروسِ لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب — کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں
۶۔ جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فرنگ — وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں
۷۔ بڑا کریم ہے اقبالؔ بے نوا لیکن — عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

۱۔ عقل و فلسفہ کے پاس خبر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تیرا علاج کسی صاحب دل کی نظر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ایسے انسان سے خطاب ہے جس میں یقین و ایمان کی پختگی نہیں ہے۔ گویا یہ ایک بیماری ہے جس کا علاج اہل فلسفہ کے پاس نہیں ہے' بلکہ ایک مردِ حق ہی کی توجہ سے اس ضعف کا علاج ممکن ہے۔

۲۔ تیرا مقام ہر مقام سے آگے ہے۔ حقیقی زندگی اسی میں ہے کہ انسان مسلسل سفر میں

رہے اور کہیں بھی نہ رکے۔ اصل اور حقیقی زندگی جہد مسلسل ہی سے میسر آتی ہے۔ انسان مادی مفادات سے بے نیاز ہو کر محبوبِ حقیقی تک رسائی کے لیے لگاتار جہد و عمل کرتا رہے کہ اس سے روحانی جذبے بھی زندہ ہوتے ہیں اور انسان صاحب بقا بھی بن جاتا ہے۔ علامہ نے یہی بات یوں بھی کی ہے:

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

۳۔ اگر تیری بہت قدر و قیمت اور حیثیت ہے تو یہ خودی کی حفاظت ہی کے طفیل ہے، ورنہ موتی میں اس کی چمک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ گویا جس طرح موتی کی قدر و قیمت اس کی چمک دمک کے طفیل ہے، کچھ اسی طرح وہ انسان شان و عظمت اور قدر و قیمت والا ہوتا ہے جو اپنی خودی کی معرفت حاصل اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔

۴۔ اگر خون رگوں میں گردش کر رہا ہے تو یہ کوئی حقیقی زندگی کی علامت نہیں ہے، اس لیے کہ حقیقی زندگی تو سراسر سوزِ جگر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جگر کا سوز و گداز عشق حقیقی کی علامت ہے۔ اگر انسان میں یہ سوز و گداز نہیں ہے تو وہ محض چلتی پھرتی لاش ہے۔

۵۔ اے لالہ کے حسین پھول! مجھ سے تو کوئی پردہ نہ کر، اس لیے کہ میں صبح کی ہوا کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ لالہ ایک سرخ، بہت خوبصورت اور دل کش پھول ہے جو صبح کی ہوا سے کھلتا ہے ورنہ وہ کلی کی صورت میں بند ہوتا ہے۔ علامہ نے اس کی دل کشی کی تصویر کھینچی ہے اور اس کے لیے انوکھا اور بے مثال انداز اختیار کیا ہے۔

۶۔ یورپی تاجر جس چیز کو کھوٹا قرار دیتے ہیں وہ ہنر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ گویا یورپ والے حقیقی ہنر سے بے خبر ہیں یا اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، وہ تو ظاہری نمود و نمائش والے ہنر ہی کو سب کچھ جانتے ہیں اور یوں انسانیت کے لیے مفید اشیا کو ایک طرف رکھ رہے ہیں۔

۷۔ اقبال اگرچہ ایک بے نوا و غریب انسان ہے، پھر بھی وہ سخی ہے۔ بہر حال اس کی حیثیت شعلے کی سی ہے جس میں چنگاری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ شعلے سے مراد عشق حقیقی کا سوز و گداز ہے جس سے علامہ سرشار تھے۔ تو جو کوئی بھی ان کی محفل میں آ جائے، وہ اس کے دل میں یہ سوز و گداز پیدا کر سکتے ہیں یا کرنا چاہیے۔

(۲۵)

۱۔ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے	خراج کی جو گدا ہو' وہ قیصری کیا ہے
۲۔ بتوں سے تجھ کو امیدیں' خدا سے نومیدی	مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
۳۔ فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں	خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
۴۔ فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا	نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
۵۔ اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر	کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے
۶۔ کسے نہیں ہے تمنائے سروری' لیکن	خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
۷۔ خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری	وگرنہ شعر مرا کیا ہے' شاعری کیا ہے

۱۔ درویش و فقر کی نگاہ میں سکندر جیسے بڑے بادشاہ کی شان و شوکت کی کیا حیثیت ہے؟ (کوئی حقیقت و حیثیت نہیں ہے) اس لیے کہ جو بادشاہی خراج کی بھیک مانگتی ہو' وہ بھی کوئی بادشاہی ہے؟ گویا درویش تو کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا' اس کی ساری توجہ خدا کی طرف ہوتی ہے جبکہ بادشاہ اپنے خزانے بھرنے کے لیے رعایا کا محتاج ہوتا ہے۔

۲۔ تجھے بتوں سے تو امیدیں ہیں لیکن خدا کی رحمت سے تو مایوسی کا شکار ہے۔ اب تو ہی بتا کہ کیا تیرا یہ انداز یا تیری یہ سوچ کافری کی غماز نہیں ہے؟ ظاہر ہے خالق سے مایوسی اور جو خود اس خالق کے محتاج ہیں' ان سے توقعات رکھنا سراسر کافرانہ عمل ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تقنطوا من رحمتہ اللّٰہ" (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) بقول شاعر:

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند
(تو بھیک منگوں کی طرح اجرت کی شرط پر عبادت نہ کر
اس لیے کہ دوست یعنی خدا خود بندہ پروری کا انداز جانتا ہے)

۳۔ آسمان نے ایسے لوگوں کو آقائی کے مقام سے نوازا ہے جو بندہ پروری کے طور طریقوں ہی سے بے خبر ہیں۔ گویا نالائق انسان برسراقتدار ہیں اور جو اقتدار کے لائق ہیں' انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ یہ صورتحال ہر دور میں رہی ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازی یہی بات استعارے میں کہتے ہیں کہ جو اصیل عربی گھوڑا ہے وہ تو پالان کے

نیچے زخمی ہو رہا ہے، جبکہ سونے کا گلوبند میں گدھے کی گردن میں دیکھ رہا ہوں۔

اسب تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زریں ہمہ درگردنِ خر می بینم

محسن بھوپالی:

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

بقول شاعر:

گرگ میر و سگ وزیر و موش دربانی کند
ایں ہمہ ارکانِ دولت، سلطنت ویراں کنند

(بھیڑیا بادشاہ ہے، کتا وزیر ہے اور چوہا دربانی کر رہا ہے۔ حکومت کے یہ سب ارکان سلطنت کو تباہ کر رہے ہیں)

۴۔ صرف ایک نگاہ ہی سے دل کا فیصلہ ہو جاتا ہے (یعنی عاشق محبوب کی ایک ہی نگاہ پر اسے دل دے بیٹھتا ہے۔) اگر نگاہ میں شوخی نہ ہو تو وہ دلبری کیسی؟ محبوب کی نگاہ یا نظر کی انتہائی دل کشی کی یوں بھی تصویر کشی کی گئی ہے:

ناظم رامپوری:

بیخود ہے یہ اس چشم سیہ مست کا مارا
ہر چند قیامت ہوئی برپا، نہیں اٹھا

لالہ سیورام داس حیاؔ:

غمِ تغافل صد سالہ می رود ز دلِ من
حیاؔ نگاہ زچشمش چو عذر خواہ برآید

حافظ شیرازی:

از چشم خود بپرس کہ مارا کی می کشد
جانا! گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

(اے محبوب! تو اپنی آنکھوں سے پوچھ کہ ہمیں کون مار رہا ہے، یہ ہمارے مقدر کا گناہ یا ستارے کا جرم نہیں ہے۔)

میر ممنونؔ

غلط کہ صَرفِ خرابی ہے گردش شب و روز
کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

نشاط اصفہانی:

روشنانِ فلکی را اثرے در مانیست
حذر از گردشِ چشم سیہے باید کرد

(ستاروں کی گردش کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے، کسی محبوب کی سیاہ آنکھوں سے بچنا چاہیے۔)

ابو طالب کلیم:

کہ دل برجا تواند داشت پیش چشم شہلایش
کشد ز آئینہ بیروں عکس رامژگانِ گیرایش

(اس محبوب کی گلِ شہلا جیسی حسین آنکھوں کے سامنے کون اپنا دل سنبھال سکتا ہے، اس کی تو زبردست پکڑ کرنے والی پلکیں آئینے سے عکس کو باہر نکال لیتی ہیں۔)

خود علامہ نے ایک جگہ یوں کہا ہے:

مرا در دل خلد ایں نکتہ از مردِ ادا دانے
ز معشوقاں نگہ کاری تراز حرفِ دل آویزے

(ایک اداشناس آدمی کی یہ گہری بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے کہ معشوقوں کی دل آویز باتوں کی نسبت ان کی نگاہیں بڑی کاری ہوتی ہیں، یعنی بڑا اثر کرتی ہیں۔) بقول غالب:

آنکھوں آنکھوں میں پلا دی مرے ساقی نے مجھے
اب نہ شیشے کی ضرورت ہے نہ پیمانے کی

۵- پادشاہ (یا حکمران) جو مجھ سے ناراض اور خفا ہیں تو اس ناراضی کا سبب میری یہ خطا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ پادشاہی (حکمرانی) کا انجام کیا ہے یعنی یہ پادشاہی وحکمرانی سب عارضی وفانی ہے، آج کوئی بادشاہ ہے تو کل کوئی اور، لیکن ہمارے بادشاہ اپنے انجام سے بے خبر غرور وتکبر کا شکار ہیں اور اپنے غلط طور طریقوں کو بدلنے پر تیار نہیں ہیں۔

٦- کسے اس بات کی خواہش وآرزو نہیں ہے کہ وہ سروری وسرداری کے مقام ومرتبہ پر پہنچے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس سروری وسرداری میں انسان کی خودی مر جائے (ختم

ہو جائے) وہ سراسر ایک بے قدر و اہمیت سروری ہے۔ اصل سروری وہی قرار پائے گی جس میں صاحب سروری کی خودی برقرار رہے۔

۷- دنیا کو میری قلندری پسند آ گئی ہے یا اچھی لگی ہے' اسی بنا پر لوگ میری شاعری یا میرے شاعرانہ پیغام کو قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرا شعر کیا ہے اور میری شاعری میں کوئی خاص بات یا فنی خوبی کہاں ہے۔ علامہ نے اپنی شاعری کے بارے میں محض انکسار سے کام لیا ہے۔

(۲۶)

۱- نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے ... جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
۲- یہ عقل و دل ہیں شرر شعلۂ محبت کے ... وہ خار و خس کے لیے ہے یہ نیستاں کے لیے
۳- مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن ... نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے
۴- رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ... ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لیے
۵- نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ... ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے
۶- نگہ بلند' سخن دل نواز' جاں پرسوز ... یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے
۷- ذرا سی بات تھی' اندیشۂ عجم نے اسے ... بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے
۸- مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب ... سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

۱- تو (انسان) نہ تو زمین کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور نہ آسمان ہی کے لیے تیری تخلیق ہوئی ہے' بلکہ یہ جہان قدرت نے تیرے لیے پیدا کیا ہے' تو اس جہان کے لیے نہیں ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ کائنات قدرت نے اس کے لیے پیدا کی ہے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ انسان اس کی تسخیر کی طرف توجہ کرے۔

۲- عقل و دل دونوں محبت کے شعلے کی چنگاری ہیں۔ وہ (عقل) تو خار و خس کے لیے ہے جبکہ یہ (دل) نیستاں کے جلانے کے لیے ہے۔ عقل سے دلیلوں کے ساتھ غیر یقینی باتوں کو یا شبہات کو دور کرنا چاہیے اور دل سے جو مرکزِ عشقِ حقیقی ہے' اس کائنات کو مسخر کیا جا سکتا ہے یا مسخر کرنا چاہیے۔

۳- یہ چمن یعنی یہ جہان نالہ و فریاد کی تربیت کا مقام ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ یہاں

پھولوں کی سیر کی جائے' ان سے دل بہلایا جائے اور نہ اس لیے ہے کہ یہاں آشیانہ بنایا جائے۔ گویا اس کائنات پر غور کر کے خود میں عشقِ حقیقی کا جذبہ پیدا کیا جائے اور اس جذبے سے پوری طرح سرشار ہوا جائے۔ اس کائنات کے ظاہری اور فانی حسن پر دل نہ لگانا چاہیے۔

۴۔ تیری کشتی ایسے سمندر کے لیے ہے جو بے حد وسیع ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے' آخر یہ کب تک دریائے راوی اور دریائے نیل اور فرات ہی میں چلتی رہے گی۔ اسلام ایک وسیع مذہب ہے۔ یہ علاقائی خطوں سے پاک ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان صرف مسلمان ہیں' اس میں کوئی قبیلہ پرستی یا خطہ پرستی نہیں ہے۔ اے آج کے مسلمان تو ان چکروں سے باہر آ اور خود میں حقیقی اسلامی جذبہ پیدا کر۔

۵۔ وہ (مسلمان) جو کبھی ستاروں کو راستے کا نشان بتایا کرتے تھے' آج کسی صحیح راہنما کے لیے ترس گئے ہیں۔ ماضی میں مسلمان بڑے عروج پر تھے' عظمت و سربلندی والے تھے' لیکن افسوس کہ آج وہ ذلت و پستی کا شکار ہیں۔

۶۔ قافلے کے سربراہ کے لیے جو سامانِ سفر ضروری ہے وہ ہے بلند نگاہی' دلوں کو موہ لینے والی باتیں اور سوز و گداز سے پر جان۔ وہ بلند مقاصد والا ہو' اس کی باتوں میں دلکشی اور تاثیر ہو اور قافلے (ملت) کی فلاح و بہبود کے لیے وہ محنت و مشقت سے کام لے۔

۷۔ بات ذرا سی یا معمولی سی تھی جسے اہلِ عجم نے محض زیبِ داستاں کے لیے بہت بڑھا چڑھا دیا۔ غالباً عشقیہ یا زلف و رخسار ایسے مضامین کی حامل فارسی شاعری کی طرف اشارہ ہے۔

۸۔ میرے گلے میں ایک ایسا جبرئیل آشوب نغمہ ہے جسے میں نے لامکاں کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ یعنی جب میں اس دنیا سے لامکاں کی طرف جاؤں گا تو جبرئیل کو تڑپانے والا یہ نغمہ لیتا جاؤں گا۔

(۲۷)

۱۔ تو اے اسیرِ مکاں! لامکاں سے دور نہیں — وہ جلوہ گاہ ترے خاک داں سے دور نہیں
۲۔ وہ مرغزار کہ بیمِ خزاں نہیں جس میں — غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دور نہیں
۳۔ یہ ہے خلاصۂ علمِ قلندری کہ حیات — خدنگِ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں

۴- فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں
۵- کہے نہ رہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو یہ بات راہ رَوِ نکتہ داں سے دور نہیں

۱- اے مکاں (اس دنیا) کے قیدی تو لا مکاں سے دور نہیں ہے۔ وہ یعنی محبوبِ حقیقی کی جلوہ گاہ تیری اس دنیا سے دور نہیں ہے یعنی اگر تو خود کو عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار کر لے اور اس محبوب تک رسائی کے لیے ریاضت و عمل کر لے تو اس محبوب کی جلوہ گاہ تک تیری رسائی آسان ہو جائے گی۔

۲- وہ مرغزار، جس میں خزاں (پت جھڑ کے موسم) کا کوئی ڈر نہیں ہے، وہ سدا ہرا بھرے رہے گا، تیرے آشیاں سے دور نہیں ہے، لہٰذا تو کسی غم کا شکار نہ ہو۔ غالبًا پہلے شعر والی بات اب استعارے میں کہی ہے۔

۳- درویشی و قلندری کے علم کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی ایک ایسا تیر ہے جو اگرچہ کمان سے نکلا ہوا ہے لیکن کمان سے دور نہیں گیا۔ پھر وہی بات اب نئے استعارے میں، یعنی زندگی اگرچہ اپنے سرچشمے یا نورِ مطلق (جس سے زندگی وجود میں آئی) سے دور یا الگ ہوگئی ہے لیکن اپنے سرچشمہ سے اس کا تعلق بدستور قائم و برقرار ہے۔

۴- تیری پرواز کی فضا چاند اور ستاروں سے ذرا آگے ہے۔ تو قدم اٹھا، آگے بڑھ، یہ مقام آسماں سے دور نہیں ہے۔ وہی محبوب حقیقی تک رسائی والی بات۔ اس لحاظ سے یہ گویا ایک مسلسل غزل بن گئی ہے۔

۵- جو سالک (یا مسافر) حقیقتوں سے آگاہ ہے، باخبر ہے، اس سے یہ بات دور یا بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے رہنما سے یہ کہے کہ تو مجھے چھوڑ دے یا چھوڑ جا (میں خود ہی آگے چلا جاؤں گا) گویا ایک خاص مقام تک رہنمائی کے حوالے سے یہ بات کہی ہے جہاں پہنچ کر سالک باخبر کو کسی رہنما کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۲۸)

۱- خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
۲- نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ
۳- مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ
۴- کلی کو دیکھ کہ ہے تشنۂ نسیمِ سحر اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

۵- کوئی بتائے مجھے یہ غیاب ہے کہ حضور | سب آشنا ہیں یہاں ایک میں ہوں بیگانہ

۶- فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں | مرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ

۷- مقام عقل سے آساں گذر گیا اقبالؔ | مقامِ شوق میں کھویا گیا یہ فرزانہ

۱- (علامہ نے یہ اشعار یورپ میں لکھے) عقل سے میں نے فلسفیانہ نظر حاصل کی ہے، جبکہ عشق کی بدولت مجھ میں رندوں کے سے طور طریقے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی میں عقل اور عشق دونوں سے فیض یاب ہوا ہوں۔

۲- محبوب کی محفل میں نہ تو شراب ہے، نہ صراحی ہے اور نہ جام ہے، صرف اس کی نگاہ ہی سے یہ محفل رنگین ہے۔ محبوب کی نگاہوں کی دل کشی کی بات کی ہے۔ (اس سے ملتے جلتے اشعار کے لیے ملاحظہ ہو غزل نمبر ۲۵۔ شعر۔۴)

۳- تو میرے پریشان نغمے کو شاعری نہ سمجھ۔ میں میخانے کے اندرونی رازوں سے پوری طرح آگاہ ہوں یعنی میری شاعری محض رنگ برنگے مضامین کی حامل نہیں ہے۔ میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں، وہ اپنے ذاتی علم کے حوالے سے کہہ رہا ہوں، کوئی داستاں نہیں گھڑ رہا۔

۴- تو ذرا کلی کو دیکھ کہ وہ صبح کی ہوا کی کتنی پیاسی ہے، بس اسی میں میرے دل کی ساری داستان (کیفیت و حالت) ہے۔ صبح کی ہوا چلتی ہے تو کلی کھل کر پھول بن جاتی ہے۔ اسی حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ میں محبوب کی نظرِ التفات کا طالب ہوں کہ اسی سے میرے دل کی شگفتگی و تازگی کا سامان ممکن ہے۔

۵- محبوب کی محفل میں موجود سبھی لوگ باہم آشنا ہیں، صرف میں ایک بیگانہ ہوں۔ مجھے کوئی یہ تو بتائے کہ یہ غیاب کی حالت ہے یا ظہور کی۔ گویا سبھی اہل محفل محبوب کے لطف و کرم سے فیض یاب ہو رہے ہیں، صرف میں ہی اس سے محروم ہوں۔

۶- اگر یہ ویرانہ (یورپ) میرے جنون کو سنبھال لے تو میں چند دن اور یہاں ٹھہر جاؤں۔ مطلب یہ کہ میری باتیں کچھ اس انداز کی ہیں کہ یورپ کی تہذیب و معاشرت انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے اب یہاں مزید ٹھہر کر مجھے کیا حاصل ہوگا، یعنی مزید ٹھہرنا سراسر بیکار ہے۔

۷- عقل کی منزل سے تو اقبالؔ بڑی آسانی سے گذر گیا لیکن یہ صاحب خرد عشق کے مقام میں گم ہو کے رہ گیا یعنی عقل کا معاملہ تو آسان ہے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں

ہے' آدمی ہوش وحواس میں رہتا ہے' جبکہ عشق میں آدمی کی یا عاشق کی ساری توجہ محبوب کی طرف ہوتی ہے اور اس کی ذات میں گم ہو جاتا اور یوں اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

(۲۹)

۱۔ افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر — کرتے ہیں خطاب آخر' اٹھتے ہیں حجاب آخر
۲۔ احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا — سوز وتب وتاب اول' سوز وتب وتاب آخر
۳۔ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے — شمشیر وسناں اول' طاؤس ورباب آخر
۴۔ مے خانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں — لاتے ہیں سرور اول' دیتے ہیں شراب آخر
۵۔ کیا دبدبۂ نادر' کیا شوکتِ تیموری — ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مے ناب آخر
۶۔ خلوت کی گھڑی گذری' جلوت کی گھڑی آئی — چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر
۷۔ تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا — کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

۱۔ آسمانوں سے (عاشق کے) نالہ وفریاد کا جواب آخر آ ہی جاتا ہے' محبوب باتیں کرنے لگتا ہے اور آخر پردہ اٹھنے لگتا ہے۔ عاشق میں اگر عشق ومحبت کے سچے جذبے موجود ہوں تو محبوب یا محبوبِ حقیقی بھی اس پر توجہ فرمانے لگتا ہے۔

۲۔ عشق ومحبت میں حالات کیسے بھی ہوں' ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا' گویا عاشق کے لیے وہ سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں' اس لیے کہ اس میں آغازِ محبت کے وقت بھی سوز وگداز اور تڑپ عاشق کا مقدر بنتی ہے اور آخر میں بھی کچھ اسی کیفیت سے اسے گذرنا پڑتا ہے۔

۳۔ میں قوموں کی تقدیر کے بارے میں تجھے بتاتا ہوں کہ وہ کیا ہے یعنی اسے کس طرح سنوارا جا سکتا ہے' اور وہ یوں ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ قومیں تلواریں اور نیزے لے کر جاتی ہیں یعنی جہد وعمل اور جنگ وجدل سے تو وہ عظمت وسربلندی حاصل کر لیتی ہیں' لیکن اس کے بعد وہ راگ رنگ اور بینڈ باجے اور عیش ونشاط کے چکر میں پڑ جاتی ہیں جو ان کے زوال کا باعث بنتا ہے۔

۴۔ یورپ کے مے خانے کے طور طریقے اور رنگ ڈھنگ کچھ عجیب قسم کے ہیں۔ یہاں پہلے مے خواروں یا رندوں پر مستی طاری کی جاتی ہے' بعد میں انہیں شراب دی جاتی

ہے۔اس استعارے سے یہ کہنا مقصود ہے کہ یورپ والے دوسری قوموں کو پہلے اپنے مختلف ظاہری طور طریقوں سے اپنا فریفتہ کرتے ہیں (کسی کو مالی مدد دے دی، کسی کی حفاظت کا سامان کر کے اسے اپنا والہ وشیدا کر لیا) اور پھر ان قوموں میں غیر اخلاقی باتیں یا طور طریقے پیدا کر کے ان کے زوال اور ان کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

۵- خواہ نادر شاہ جیسے بادشاہ کا دبدبہ وہیبت ہو، اور خواہ تیمور لنگ جیسے بادشاہ کی شان و شوکت، سبھی دفتر آخرکار خالص شراب میں غرق ہو جاتے ہیں۔فنا کا شکار ہو جاتے ہیں۔گویا بڑی بڑی عظیم قومیں جب عیش وعشرت میں ڈوب جاتی ہیں تو زوال ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

۶- محبوب کی خلوت نشینی کا وقت گذر گیا اور اب اس کا عام بزم میں بیٹھنے کا وقت آ گیا ہے۔دوسرے لفظوں میں اب بجلی سے بادل کی آغوش چھٹنے والی ہے۔یہ گویا ایک قدرتی منظر کی تصویر کشی ہے۔بجلی جب تک بادل میں رہے، یہ اس کی خلوت نشینی ہو گی اور جب وہ باہر نکل کر چمکتی ہے تو یہ اس کی عام جلوہ گری یا جلوت ہے۔

۷- معانی کے اس طوفان کو سینے میں رکنا بہت مشکل تھا، لہٰذا اس قلندر (علامہ) نے کتاب (قرآن کریم) کے سب راز کہہ ڈالے۔مطلب یہ کہ قرآن کریم کے راز میرے (اقبال کے) سینے میں طوفان کی طرح لہرا رہے تھے۔میرے لیے انہیں چھپانا مشکل تھا، چنانچہ میں نے وہ ایک ایک کر کے بیان کر دیے۔علامہ کے بعض اشعار قرآنی آیات کا آزاد ترجمہ ہیں جیسے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ملاحظہ ہو سورہ المائدہ آیہ:۵۴ یا مثلاً بال جبریل کی نظم ''الارض للہ'' ضرب کلیم کی نظم ''لا الہ الا اللہ'' اور چند دوسری نظمیں اور کئی اشعار۔

(۳۰)

۱- ہر شے مسافر، ہر چیز راہی کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی
۲- تو مردِ میداں، تو میرِ لشکر نوری حضوری تیرے سپاہی
۳- کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

۴- دنیائے دوں کی کب تک غلامی یا راہبی کر' یا پادشاہی
۵- پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے کردار بے سوز' گفتار واہی

۱- اس کائنات کی ہر ہر شے سفر میں ہے اور ہر ہر شے چلی جاری ہے' خواہ وہ چاند تارے ہیں یا پرندے ہیں' یا مچھلیاں۔ مطلب یہ کہ ہر شے حرکت میں ہے اور جمود سے دور ہے۔

۲- (اے انسان) تو میدان کا مرد (بہت دلیر) اور لشکر کا سالار ہے' نوری حضوری سبھی تیرے سپاہی ہیں۔ یعنی تو افضلِ مخلوقات ہے' تیرا مقام کائنات کی ہر شے سے بلند تر ہے۔ تو کن چکروں میں پڑا ہوا ہے' اپنی حیثیت اور اپنے مقام و مرتبہ کا اندازہ کر اور اسے برقرار رکھنے میں لگ جا۔ مسلسل جہد و عمل سے کام لے۔

۳- تو نے اپنی قدر و منزلت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا۔ تیری یہ بے علمی اور تیری یہ کوتاہ بینی؟ تیرا یہ طرز عمل بڑا افسوسناک ہے۔ اس حالت سے باہر آ اور اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کر۔

۴- آخر اس گھٹیا دنیا کی غلامی میں تو کب تک خود کو جکڑا رکھے گا۔ یا تو تو اس دنیا سے بے نیاز ہو کر کسی گوشے میں الگ تھلگ جا بیٹھ' یا پھر بادشاہی کر۔ یعنی اپنی ہمت و جوانمردی اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لے کر اس دنیا کو اپنا غلام بنا لے۔ اسے تسخیر کر اور اپنے مقاصد کے مطابق اس سے کام لیتا رہ۔

۵- میں نے کعبہ کے شیخ کو دیکھا ہے۔ اس کے کردار و عمل میں کوئی سوز و گداز اور عشق حقیقی کی کوئی تڑپ نہیں ہے جبکہ اس کی باتیں سراسر لغو اور بے سر و پا ہیں۔ پیر حرم سے مراد مسلمانوں کے مذہبی رہنما یا آج کے نام نہاد ملا ہیں جو صرف الٹی سیدھی اور بے اثر باتیں کرتے ہیں۔ حقیقی عمل سے دور ہیں۔ شمیم نے اس ضمن میں خوب کہا ہے:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوصِ عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

(۳۱)

۱- ہر چیز ہے محوِ خود نمائی ہر ذرہ شہید کبریائی
۲- بے ذوقِ نمود زندگی' موت تعمیرِ خودی میں ہے خدائی
۳- رائی زورِ خودی سے پربت پربت ضعفِ خودی سے رائی

۴۔ تارے آوارہ و کم آمیز تقدیرِ وجود ہے جدائی
۵۔ یہ پچھلے پہر کا زرد رو چاند بے راز و نیازِ آشنائی
۶۔ تیری قندیل ہے ترا دل تو آپ ہے اپنی روشنائی
۷۔ اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمودِ سیمیائی
۸۔ ہیں عقدہ کشا یہ خارِ صحرا کم کر گلۂ برہنہ پائی

۱۔ کائنات کی ہر ہر شے خود کو ظاہر و نمایاں کرنے میں مصروف ہے اور ہر ہر ذرہ بڑائی کی خواہش کا شہید ہے۔ یعنی خود کو نمایاں کرنے اور اپنی عظمت یا بڑائی کے اظہار کی بے حد آرزو ہر چیز میں ہے۔

۲۔ اگر خود کو ظاہر و نمایاں کرنے کا ذوق و جذبہ نہ ہو تو یہ زندگی ایک طرح سے موت ہے۔ خودی کی تعمیر ہی میں خدائی پوشیدہ ہے۔ اگر انسان میں اپنی نمود کا ذوق نہ ہو اور اس کے لیے جہد و عمل سے کام نہ لے تو وہ محض ایک چلتی پھرتی لاش رہ جاتا ہے جبکہ اپنی خودی کی معرفت کی بدولت اس میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

۳۔ رائی جیسے دانے میں اگر خودی پیدا ہو جائے تو وہ پہاڑ کی طرح بن جاتا ہے۔ اور اگر پہاڑ میں خودی نہ ہو تو اس کی حالت رائی جیسی ہو جاتی ہے۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ ایک کمزور سا انسان بھی اپنی خودی کی بدولت بہت عظمت و بلند مرتبگی والا بن جاتا ہے۔ جبکہ کمزور خودی والے بڑے سے بڑے انسان کی حالت اس کے برعکس ہو جاتی ہے۔

۴۔ ستاروں پر نظر ڈالو' دیکھو کہ وہ کس طرح ادھر ادھر گھوم پھر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے ان کا کوئی میل ملاپ نہیں ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ وجود کے مقدر میں جدائی لکھ دی گئی ہے؟

۵۔ رات کے پچھلے پہر کے زرد رو چاند کو دیکھو' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آشنائی و دوستی کے راز و نیاز سے آشنا ہی نہیں ہے اور اس کی یہی نا آشنائی اس کے چہرے کی زردی یا سراسیمگی کا باعث بن رہی ہے۔

۶۔ تیرا دل ہی تیری قندیل ہے۔ تو خود ہی اپنی روشنائی ہے۔ یعنی انسان چاند تاروں کی روشنی کا محتاج نہیں ہے' وہ اپنی عظیم منزل کے راستے کا خود ہی چراغ ہے۔ افضل مخلوقات ہونے کے سبب وہ کائنات کی کسی شے کا محتاج نہیں ہے بلکہ کائنات اس کی محتاج ہے۔

۷- اے انسان! اس دنیا میں صرف تیرا وجود ہی ایک حقیقی وجود ہے' باقی جو کچھ ہے وہ محض نمودِ سیمیائی ہے۔ وہی افضل مخلوقات والی بات۔

۸- تو اپنے ننگے پاؤں ہونے کا گلہ شکوہ نہ کر' نہ جنگل کے کانٹوں سے ڈر۔ یہ کانٹے تو تمام الجھنیں دور کرنے والے ہیں۔ گویا زندگی کی مشکلات اور مصائب و آلام ہی انسان میں عزم و دلیری پیدا کر کے اسے عظمت و بلند مرتبگی کی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ غالبؔ نے یہی بات ایک اور انداز میں کی ہے:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

(۳۲)

۱- اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ — ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ
۲- تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا — اہلِ نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
۳- یہ بندگی خدائی' وہ بندگی گدائی — یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
۴- غافل نہ ہو خودی سے' کر اپنی پاسبانی — شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
۵- اے لاالٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں — گفتار دلبرانہ' کردار قاہرانہ
۶- تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے — کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ
۷- رازِ حرم سے شاید اقبالؔ باخبر ہے — ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

۱- یہ کسی کی کرامت کا نتیجہ ہے یا زمانے کی گردش کا باعث کہ ایشیا میں یورپ والوں کا جادو ٹوٹ چکا ہے۔ یعنی اہل ایشیا بیدار ہو چکے ہیں اور اپنی آزادی کے لیے انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' اور انگریزوں کا مکروفریب سے حاصل کردہ غلبہ ختم ہو رہا ہے۔ علامہ کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی' چند ہی سالوں کے اندر خبیث وظالم انگریز ایشیا چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

۲- آشیانے کی تعمیر سے مجھ پر یہ راز فاش ہوا (یہ حقیقت ظاہر ہوئی) کہ نغمے الاپنے والوں یعنی چہچہانے والوں کے لیے ان کا آشیانہ بجلی کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گویا حقیقی زندگی اور آزادی کا پیغام دینے والے دنیوی آسائش وراحت کا سامان اکٹھا بھی کر لیں تو بھی انہیں آخر یہاں سے جانا ہے' اس لیے اس کے بغیر رہنا ہی ان کے لیے اچھا ہے۔

۳- اگر تو خدا کا بندہ بن جائے (تیری تمام تر توجہ صرف خدا ہی کی طرف ہو) تو تجھ میں خدائی صفات پیدا ہو جائیں گی اور تو اس کائنات پر حاوی ہو جائے گا' اس کا کارفرما بن جائے گا۔ اور اگر تو زمانے کا بندہ بنے گا تو تیری زندگی بھکاریوں اور گداگروں کی سی ہوگی۔ (اب تو سوچ لے کہ تو کیا بننا چاہتا ہے۔)

۴- تو اپنی خودی سے قطعاً غفلت نہ برت' غافل نہ ہو' اس (خودی) کے حوالے سے اپنی حفاظت کر' کیا معلوم کہ اس حالت میں تو بھی کسی کعبہ کا آستانہ (دہلیز) بن جائے۔ یعنی تجھے عزت و مرتبہ اور احترام میسر آئے۔

۵- اے لا الہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' یعنی توحید) کے وارث! بڑے افسوس کی بات ہے کہ نہ تو تیری گفتار (بات چیت) میں دلوں کو موہ لینے والی کیفیت باقی رہی ہے اور نہ تیرے کردار ہی میں باطل قوتوں کے خلاف جہاد کا جذبہ رہا ہے۔

۶- کبھی وہ وقت تھا جب محض تیری نگاہ ہی سے باطل قوتوں کے سینوں میں ان کے دل کانپ کانپ اٹھا کرتے تھے' اور آج یہ افسوس ناک صورت حال ہے کہ تجھ میں درویشی و قلندری کے وہ ماضی والے جذبے ہی نہیں رہے۔

۷- اقبالؔ کی گفتگو کے انداز واقفِ حال انسانوں کی گفتگو کے سے ہیں' لگتا ہے کہ وہ کعبہ کے رازوں سے آگاہ ہو چکا ہے۔ (جو وہ اس قسم کی باتیں کرتا ہے)

(۳۳)

۱- خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں' میری انتہا کیا ہے

۲- خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۳- مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے' اور میری کیمیا کیا ہے

۴- نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہم نشیں مجھ سے وہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

۵- اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبالؔ اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

۶- نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے' وہ خطا کیا ہے؟

۱- میں عقلمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے؟ میں تو اپنی انتہا کی فکر اور سوچ میں لگا رہتا ہوں۔ مطلب یہ کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ میں کیسے یا کب پیدا ہوا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ میں اس مقصد پر غور کروں جس کے لیے مجھے یہ وجود عطا ہوا ہے

اور وہ یہی ہے کہ میں اشرف مخلوقات ہونے کے ناطے جہد وعمل سے کام لوں اور تسخیر کائنات کی کوشش وسعی کروں۔

۲۔ تو اپنی خودی سے آگاہ ہو کر اسے اس بلندی تک لے جا کہ خدا تعالیٰ' جو خالق و مالک ہے' ہر تقدیر سے پہلے تجھ سے تیری مرضی وخواہش پوچھے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ خودی کی ترقی سے انسان میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس حوالے سے وہ اپنی تقدیر خود سنوار سکتا ہے۔

۳۔ اگر میں کیمیا گر ہوں تو اس پر بحث کی کیا ضرورت ہے۔ بات یہ ہے کہ میری کیمیا تو میرا یہی سوزِ نفس ہے۔ اس استعارے میں یہ کہنا چاہا ہے کہ میری شاعری میرے دلی سوز و گداز اور محبت وانسان دوستی نیز قوم کو صحیح راہ پر لانے کے مخلصانہ جذبے کی حامل ہے۔ اگر اس کے اثر سے قوم بیدار ہو کر عملی جذبوں سے سرشار ہو جاتی ہے تو یہی میری کیمیا گری ہوگی۔

۴۔ اے میرے ہم نشیں میں تجھے اس محبوب کی سرمہ لگی آنکھوں کے بارے میں کیا بتاؤں۔ بس اتنا جان لے کہ ان آنکھوں میں مجھے تقدیر کی گہرائیاں نظر آئی ہیں۔ محبوب کی آنکھوں کی بے حد دل کشی کی بات کی ہے۔ تقریباً ہر فارسی و اردو شاعر نے ان آنکھوں پر شعر کہے ہیں۔ بقول غالب:

آنکھوں آنکھوں میں پلا دی ہرے ساقی نے مجھے
اب نہ شیشے کی ضرورت ہے نہ پیمانے کی

نشاطِ اصفہانی:

روشنانِ فلکی را اثرے در ما نیست
حذر از گردشِ چشم سیہے باید کرد

(ستاروں کی گردش کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے۔ کسی سیاہ چشم کی گردش سے بچنا چاہیے۔)

حافظ شیرازی:

از چشمِ خود بپرس کہ مارا کہ می کشد
جانا! گناہِ طالع و جرم ستارہ نیست

(اے محبوب! تو اپنی آنکھوں سے پوچھ کہ ہمیں کون مار رہا ہے' اس میں مقدر کا کوئی گناہ اور ستارے کا کوئی جرم نہیں ہے۔)

میر ممنون:

غلط کہ صرفِ خرابی ہے گردشِ شب و روز
کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

لالہ سیورام داس حیاؔ (بارہویں صدی ہجری کا شاعر)

غمِ تغافلِ صد سالہ می رود زدلِ من
حیاؔ نگاہ زچشمش چو عذر خواہ برآید

ابوطالب کلیم:

کہ دل برجا تواند داشت پیش چشم شہلایش
کشد ز آئینہ بیروں عکس لا مژگان گیرایش

(اس کی چشم شہلا کے سامنے کون اپنا دل برقرار رکھ سکتا ہے جبکہ اس کی زبردست پکڑ والی پلکیں آئینے سے عکس باہر نکال لیتی ہیں۔)

نظام رامپوری:

بیخود ہے یہ اس چشم سیہ مست کا مارا
ہر چند قیامت ہوئی برپا، نہیں اٹھا

خود بقولِ اقبال:

مرا در دل خلد ایں نکتہ از مردِ ادا دانے
ز معشوقاں نگہ کاری تر حرفِ دل آویزے

(ایک اداشناس کی یہ گہری بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے کہ حسینوں کی نگاہ، دل آویز باتوں سے زیادہ کاری ہوتی ہے۔)

بقول عبدالحمید عدمؔ:

نظر اونچی کی تو دعا بن گئی
نظر نیچی کی تو ادا بن گئی
نظر ترچھی کی تو جفا بن گئی
نظر پھیر لی تو قضا بن گئی

بقول شاعر:

متاعِ کوثر و زمزم کے پیمانے تری آنکھیں

فرشتوں کو بنا دیتی ہیں دیوانے تیری آنکھیں

نیز:

ان کی نظریں مجھ پہ پڑ کے جلوہ ساماں ہوگئیں
جسم میں جتنی رگیں تھیں سب جریدہ ہوگئیں

نیز:

نگاہوں کی کشش نے روک رکھا تھا سرِ طوفاں
نہ وہ ساحل سے ہٹتیں اور نہ کشتی ڈوبتی اپنی

نیز بقول عدم:

شوق پینے کا مجھ کو زیادہ نہ تھا
ترکِ توبہ کا کوئی ارادہ نہ تھا
میں شرابی نہیں، میں شرابی نہیں
وہ نظر سے پلائے تو میں کیا کروں

۵- اگر نیٹشے اس دور میں ہوتا تو اقبال اسے سمجھاتا کہ مقامِ کبریائی کیا ہے۔(لغت دیکھیے)

۶- صبح کے وقت نغمے سننے سے میرا جگر خون ہو جاتا ہے۔اے خدا! مجھے جس خطا کی یہ سزا مل رہی ہے، وہ خطا کیا ہے؟ گویا اس حوالے سے علامہ نے اپنے انتہائی دردمند اور حساس ہونے کی بات کی ہے۔خطا سے دراصل ان کی مراد حقیقی انسانیت سے ہے جو دوسروں کے دکھ درد اور غم والم میں برابر کا شریک ہونا ہے۔

(۳۴)

۱- جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی — کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
۲- عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی
۳- نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ! — کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی
۴- اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
۵- دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
۶- آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱- جب عشقِ حقیقی انسان کو ذاتی معرفت کے طور طریقے سکھا دیتا ہے تو اس کے نتیجے میں

غلاموں پر شہنشاہی کے راز کھل جاتے ہیں۔ گویا جب اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں سے انسان باخبر ہو جاتا ہے تو ان سے کام لے کر وہ اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کر لیتا ہے۔

۲۔ خواہ خواجہ فرید الدین عطارؒ ہوں، یا مولانا جلال الدین رومیؒ ہوں، یا امام فخر الدین رازیؒ ہوں یا امام غزالیؒ ہوں، کوئی بھی بہت بڑا صوفی یا اہل علم و حکمت ہی کیوں نہ ہو، وہ معرفت کے مقام تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ صبح کے وقت اللہ کے حضور آہ و فریاد نہ کرلے۔ گویا مخلصانہ عمل نہ ہو تو محض علم کسی کام کا نہیں۔

۳۔ اے صاحبِ عقل و خرد رہنما! تو اپنے پیچھے چلنے والوں سے مایوس نہ ہو۔ وہ اگرچہ تن آسان ہیں لیکن ذوق اور جذبوں سے خالی نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ آج کے مسلمان گو ماضی کے مسلمانوں کی طرح جفاکش اور صاحب جہد و عمل نہیں، لیکن ان میں ابھی ذوق و شوق موجود ہے۔

۴۔ اے طائرِ لاہوتی! جس رزق سے تیری پرواز میں کمی آتی ہو، اس رزق یا خوراک پر زندگی گذارنے کی نسبت موت اچھی ہے۔ گویا جس رزق کے حصول میں آدمی راہِ حق سے ہٹ جائے، وہ رزق حقیقی زندگی کے لیے سودمند نہیں، اس سے بہتر ہے کہ انسان موت کا شکار ہو جائے۔

۵۔ وہ مردِ درویش، جس کی درویشی و قلندری میں اسد اللّٰہی کی خوشبو موجود ہو، وہ دارا اور سکندر جیسے بڑے بڑے بادشاہوں سے بھی افضل ہے۔ (لغت دیکھیے)

۶۔ جواں مردوں اور دلیروں کا زندگی بسر کرنے کا یہ انداز ہے کہ وہ حق سچ بات کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ یوں سمجھو کہ وہ اللہ کے شیر ہیں اور ان میں لومڑی کی سی عیاری و مکاری نہیں ہے۔

(۳۵)

۱۔ مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

۲۔ ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا

۳۔ یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

۴۔ چل، اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دَورِ جام آیا

۵۔ دیا اقبالؔ نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا

۶۔ اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا

۱۔ مجھے (علامہ کو) پھر یہ پیغام آیا کہ آدھی رات کے وقت اٹھ کر آہ و فریاد کر۔ اے میرے ہمراہی! ذرا رُک جا' شاید ہمارے راستے میں پھر کوئی مشکل مقام آ گیا ہے۔ بالواسطہ یہ کہنا چاہا ہے کہ اللہ کے حضور آدھی رات کے وقت گریہ وزاری اور عجز و نیاز کرنے ہی سے زندگی کی مشکل منزلیں طے ہوتی ہیں۔

۲۔ (اے مخاطب!) تو بھی کچھ دیر کے لیے تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا۔ میں اس میدانِ جنگ سے پوری طرح آگاہ ہوں' اور اسی سے ایک بے نیام تلوار کی صورت میں آیا ہوں۔

۳۔ کس شوخ نے مسجد کی محراب پر یہ مصرع لکھ دیا کہ جب قیام کا وقت آیا تو نادان مسلمان سجدوں میں گر گئے۔ مطلب یہ کہ جب مسلمانوں کے لیے بیدار ہونے اور جہد و عمل کا وقت آیا تو وہ اپنی کوتاہی اور جذبہ و ولولہ سے عاری ہونے کے سبب کچھ نہ کر سکے۔

۴۔ اے میری بیکسی و غریبی کا تماشا دیکھنے والے تو اب جا' اس لیے کہ جب وہ محفل اٹھ گئی تو پھر جامِ گردش کرتا ہوا مجھ تک پہنچا۔ یہ کہنا چاہا ہے کہ میں جو اس حالت سے دوچار ہوں تو اس کا باعث یہ ہے کہ آج وہ لوگ ہی نہیں رہے جو میرے مخلصانہ بیداری کے جذبہ کے حامل پیغام پر توجہ دیتے۔

۵۔ اقبالؔ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنا سوز دیا ہے۔ یہ ایک تن آسان آدمی تھا جو تن آسانوں کے کام آیا۔ مطلب یہ کہ نہ تو میں کوئی جنگجو اور مجاہد ہوں اور نہ افرادِ ملت' جن سے میں مخاطب ہوں' مجاہدانہ جذبوں کے حامل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم سبھی تن آسانی کا شکار ہیں۔

۶۔ میں نے برسوں اسی اقبالؔ کو تلاش کیا۔ بڑی مدت اور مشکل کے بعد وہ شاہین (اقبال) آخر میرے جال میں پھنس ہی گیا۔ چونکہ شاہین' اپنی بلند پروازی کے باعث' جال میں نہیں پھنستا' اس لیے ایسا کہا کہ وہ بڑی مدت کے بعد جال میں پھنسا۔

(۳۶)

۱۔ نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی کہ میری زندگی کیا ہے' یہی طغیانِ مشتاقی

۲۔ مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے ابھی محفل میں ہے شاید کوئی دردآشنا باقی

۳۔ وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے　　طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوۂ ساقی
۴۔ نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے　　کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
۵۔ دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے　　نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی
۶۔ خزاں میں بھی کب آسکتا تھا میں صیاد کی زد میں　　میری غماز تھی شاخِ نشیمن کی کم اوراقی
۷۔ الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں　　حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

۱۔ اگر میرے دل میں عشقِ حقیقی کا طوفان نہ ہو تو میرا زندہ رہنا ممکن نہیں، اس لیے کہ اسی طغیانِ مشتاقی پر تو میری زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میری زندگی ایک بیکار زندگی ہوتی۔

۲۔ فطرت مجھے نغمے الاپنے پر مسلسل مجبور کر رہی ہے۔ اس صورتِ حال سے کچھ یوں لگتا ہے کہ محفل میں ابھی کوئی دردآشنا موجود ہے۔ یہ کہنا چاہا ہے کہ میرے نغموں (شاعری) سے استفادہ کرنے والے کچھ لوگ موجود ہیں، جبھی میں لگاتار نغمے الاپ رہا ہوں۔

۳۔ وہ آگ (عشق کی تیز شراب) آج بھی تیرا آشیانہ جلا سکتی ہے، یعنی تجھ میں وہی سچے جذبے اور ولولے پیدا کر سکتی ہے جن سے تیرے اسلاف (ماضی کے مسلمان) سرشار تھے لیکن جب تجھ میں سچی تڑپ، سچی طلب اور سچا جذبہ نہ ہو تو پھر ساقی کا گلہ شکوہ کرنے کا کیا تک ہے۔ ساقی تو ہر سچے طالب کو نوازتا ہے۔

۴۔ تو اہلِ یورپ کی ظاہری چمک دمک سے ان کی تہذیب و معاشرت کا اندازہ نہ کر۔ ان کی یہ چمک دمک اور تابناکی سب بجلی کے چراغوں کی بدولت ہے۔ یعنی ان کا ظاہر سراسر نمائشی ہے، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان کا باطن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

۵۔ اگر نگاہوں میں آفاقی انداز پیدا نہ ہوں تو دلوں میں کائنات کو تسخیر کرنے کے ولولے پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس تسخیر کے لیے بنیادی شرط نگاہوں کی بلندی اور وسعت ہے۔

۶۔ میں موسمِ خزاں میں بھی شکاری کی زد میں نہیں آسکتا تھا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ شاخ پر پتے بہت کم تھے جن کی وجہ سے میرا آشیانہ صاف نظر آرہا تھا اور یوں میں اس (شکاری) کا نشانہ بن گیا۔ شکاری غالباً انگریز کا اور "میں" قوم کا استعارہ ہے۔

۷۔ وہ وقت بہت جلد آرہا ہے جب تدبیروں کا نتیجہ برعکس ہوگا اور تقدیروں میں بھی تبدیلی آجائے گی۔ میں جو یہ کچھ کہہ رہا ہوں تو یہ ایک اٹل حقیقت ہے، اور میرے

خیال کی تخلیق نہیں ہے۔اس شعر میں بالواسطہ فرنگیوں کی ان تدبیروں کی طرف اشارہ ہے جو وہ دنیا پر غلبہ پانے کی خاطر کر رہے تھے۔علامہ نے اپنے دور کے حالات کے جائزے سے جو نتیجہ نکالا اور پیشین گوئی کی وہ کچھ ہی عرصے بعد سچ ثابت ہوئی' یہاں تک کہ ان ظالموں کو ہندوستان سے بھی نکلنا پڑ گیا۔

(۳۷)

۱- فطرت کو خرد کے روبرو کر تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر
۲- تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
۳- تاروں کی فضا ہے بے کرانہ تو بھی یہ مقام آرزو کر
۴- عریاں ہے ترے چمن کی حوریں چاکِ گل و لالہ کو رفو کر
۵- بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت جو اس سے نہ ہو سکا' وہ تو کر

۱- تو فطرت کو عقل کے سامنے لا اور اس طرح اس کائنات کو مسخر کر۔مطلب یہ کہ قدرت کی طرف سے تجھے جو قوتیں اور اہلیتیں عطا ہوئی ہیں' ان سے آگاہ ہو کر عقل و خرد کے مطابق ان سے کام لے جس کے نتیجے میں تو اس کائنات کو مسخر کر سکے گا۔

۲- تو اپنی خودی کھو چکا ہے۔اپنی اس کھوئی ہوئی شے کو تلاش کر یعنی تو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ نہیں ہے۔اپنی معرفت سے آگاہ ہو اور یوں اپنی بقا کا سامان کر۔

۳- ستارے جس فضا میں چمکتے ہیں وہ بے حد وسیع یا لامحدود ہے۔تو بھی اپنے لیے ایسے ہی بے حد وسیع مقام کی آرزو کر۔یعنی جہد و عمل سے کام لے اور یوں اپنی عظمت و بقا کے حصول میں لگ جا' اس لیے کہ:

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

۴- تیرے چمن کی حوریں عریاں ہیں۔تو گلاب اور لالہ کے پھول کے چاک سی لے۔تیرے ایسا کرنے سے حوروں کی عریانی دور ہو جائے گی۔حوریں استعارہ ہے لالہ کے سرخ اور دلکش پھولوں کا جو باغ میں کھل کر بڑا حسین منظر پیش کر رہے ہیں اور چونکہ ان کے لیے عریاں کا لفظ استعمال کیا ہے' اس لیے ازراہِ تکلف چاک سینے کی بھی

بات کر دی ہے۔

۵۔ اگر چہ فطرت ذوق سے خالی نہیں ہے اور وہ اپنا ہر کام مکمل کرے گی، تاہم جو کام وہ اب تک نہیں کر سکی یا اس نے ادھورا رکھا ہے، وہ کام تو کر۔ دوسرے لفظوں میں ہر بات میں فطرت پر بھروسا کرنا لائق ستائش نہیں ہے، ضروری ہے کہ انسان خود بھی ہمت وقوت سے کام لے کر اپنی تقدیر خود سنوارے۔

(۳۸)

۱۔ یہ پیرانِ کلیسا و حرم، اے وائے مجبوری	صلہ ان کی کدوکاش کا ہے سینوں کی بے نوری
۲۔ یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے	وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری
۳۔ کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحرگاہی	بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری
۴۔ حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی	سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری
۵۔ وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی	مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری
۶۔ کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ	نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ تیموری
۷۔ فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبالؔ آ گیا کیونکر	میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہینِ کافوری

۱۔ یہ گرجے اور کعبہ کے دینی رہنما بھی کیسے لوگ ہیں۔ افسوس کہ انہوں نے دین و مذہب کے لیے جو بھی سعی و کوشش کی اس کا نتیجہ سینوں کی بے نوری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ چونکہ وہ دین کے معاملے میں صرف وعظ و نصیحت سے کام لیتے رہے، لیکن عملاً وہ دین کے حقیقی جذبوں سے محروم تھے، اس لیے وہ اپنی قوموں کے افراد میں بھی صحیح دینی جذبے پیدا نہیں کر سکے۔ بقولِ علامہ:

اقبالؔ بڑا اپدیشک ہے مَن باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی نہ بن سکا

۲۔ اے بے خبر انسان/ مخاطب! تو دل میں یقین پیدا کر، اس لیے کہ یقین ہی کی بدولت تجھے وہ درویشی وقلندری میسر آ سکتی ہے جس کے آگے بادشاہت کی بھی کوئی قدر و حیثیت نہیں ہے۔

۳۔ محبوب سے میری دوری کا درد ہزاروں رنگ بدلتا ہے۔ کبھی تو وہ حیرت کی صورت میں ہوتا ہے، کبھی محو و مستی کی حالت میں اور کبھی صبح کی آہ و فریاد کی صورت میں ہوتا

ہے۔ عشق میں عاشق کو مختلف حالتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔

۴- عشق و مستی کی باتیں فہم و شعور کی حد سے باہر ہیں' انہیں سمجھنا دشوار ہے۔ البتہ یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ محبوب سے دوری دل کی موت ہے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ دوری تو زندگی کی ایک حقیقت ہے لیکن اگر دل محبوب سے یعنی عشق و محبت سے غافل ہو جائے تو ایسا دل' دلِ زندہ نہیں رہتا' دلِ مردہ ہو جاتا ہے۔

۵- محبوب اپنے حسن کی مستی کے باعث خود کو نمایاں کرنے پر مجبور ہے لیکن میری آنکھوں کو جو بینائی عطا ہوئی ہے' وہ اس محبوب کے پوشیدہ رہنے کا ایک سبب ہے۔ گویا محبوب کے جلوے کو دیکھنے کے لیے بصیرت یا دل کی نظر ضروری ہے' ظاہری نظر یا بینائی سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا۔

۶- کسی کو یہ خبر نہیں کہ تقدیر کے انداز اور طور طریقے کیا ہیں' ورنہ عثمانی ترکوں سے مغلیہ بادشاہ کسی طور بھی کم نہ تھے۔ برصغیر میں کبھی مغلیہ حکومت بڑے عروج پر تھی' لیکن پھر ایسا دور آیا کہ کچھ تو ان کی باہمی نااتفاقی اور پھر انگریزوں کی عیاری و مکاری سے یہ حکومت مکمل طور پر ختم ہو گئی اور یہاں انگریز قابض ہو گئے' جبکہ عثمانی ترکوں نے دشمن سے لڑ کر اپنی آزادی چھین لی۔ تو یہ سب گویا تقدیر کے معاملے ہیں' جنہیں سمجھنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

۷- خدا معلوم اقبالؔ حرم کے درویشوں کے ہاتھ کیونکر آ گیا۔ وہ تو گویا شاہینِ کافوری ہے جو میر و سلطان (امیروں اور بادشاہوں) کے ہاتھ بھی نہیں آتا۔ ایک طرح سے درویشوں سے محبت و عقیدت کا اظہار ہے۔

(۳۹)

۱- تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم — گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم

۲- عقل عیار ہے' سو بھیس بنا لیتی ہے — عشق بیچارہ نہ مُلاّ ہے' نہ زاہدؔ' نہ حکیم

۳- عیشِ منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام — سب مسافر ہیں' بظاہر نظر آتے ہیں مقیم

۴- ہے گراں سیر غمِ راحلہ و زاد سے تو — کوہ و دریا سے گذر سکتے ہیں مانندِ نسیم

۵- مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ — ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم

۱- جدید دور کے حکمت و فلسفہ نے پھر پرانا جادو زندہ کر دیا ہے۔ اس صورتِ حال کے

باعث اس دور میں حضرت موسیٰؑ کے عصا کے بغیر زندگی گذارنا ممکن نہیں رہا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے جادوگروں کے جادو کا توڑ اپنے عصا سے کیا تھا۔ اس حوالے سے یہ کہنا مقصود ہے کہ اس حکمت و فلسفہ نے جو صورتِ حال پیدا کر رکھی ہے' اسے دور کرنے کے لیے ہدایت کا نور پھیلانے کی اشد ضرورت ہے' ورنہ حقیقی زندگی گذارنے کی راہ میں یہ فلسفہ و حکمت بہت بڑی رکاوٹ ہوگی۔

۲۔ عقل عیار و فریب کار ہے' وہ اپنے مادی مفاد کے لیے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ کبھی تو وہ مُلا کا بھیس بنا لیتی ہے اور کبھی زاہد اور فلسفی کا' اس کے برعکس عشق بیچارہ بہت سادہ ہے! وہ نہ تو کبھی مُلا کے روپ میں سامنے آتا ہے اور نہ کبھی زاہد و فلسفی کے روپ میں۔

۳۔ محبت کے مسافروں کے لیے منزل یا کہیں ٹھہر جانے کا عیش حرام ہے۔ وہ سب مسافر ہیں۔ مسلسل چل رہے ہیں' اگرچہ دیکھنے میں مقیم نظر آتے ہیں۔ محبت' محبوب یا محبوبِ حقیقی تک رسائی کے لیے مسلسل جہد و کوشش کرنے کا نام ہے۔

۴۔ (اے مخاطب!) تو نے سواری اور سامانِ سفر کے غم کا بوجھ اٹھا رکھا ہے' جس کے باعث تیری رفتار بڑی سست ہے۔ جو لوگ اس غم کا بوجھ نہیں اٹھاتے وہ پہاڑوں اور دریاؤں سے بھی صبح کی ہوا کی مانند تیزی سے گذر سکتے ہیں۔ گویا یہ ہوا مذکورہ غم سے محفوظ ہے' اسی لیے وہ دریاؤں اور پہاڑوں سے بھی بہ آسانی گذر جاتی ہے۔

۵۔ ایک درویش انسان کا سارا سرمایہ آزادی ہے اور موت۔ یعنی وہ اس دنیا میں آزادانہ زندگی بسر کر کے دوسری دنیا کو کوچ کر جاتا ہے۔ یہ جو مال و دولت پر زکوٰۃ کا معاملہ ہے تو یہ دنیاوی زندگی کے مادی مفادات کے اسیروں کے لیے ہے' درویش اس سے دور ہے' اس پر یہ لاگو نہیں ہوتا۔

(۴۰)

۱۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۔۔۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
۲۔ تہی' زندگی سے نہیں یہ فضائیں ۔۔۔ یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
۳۔ قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر ۔۔۔ چمن اور بھی' آشیاں اور بھی ہیں
۴۔ اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم ۔۔۔ مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
۵۔ تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ۔۔۔ ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

۶- اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
۷- گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں — یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

۱- ستاروں سے آگے اور بھی جہان ہیں۔ ابھی عشق کی آزمائش ختم نہیں ہوئی۔ گویا یہ مادی دنیا عشق کی آزمائشوں کی جگہ ہے' اور چونکہ اور جہان بھی ہیں' اس لیے عشق کی آزمائش ختم نہیں ہوئی' یہ آزمائش جاری رہتی ہے۔

۲- یہ فضائیں زندگی سے خالی نہیں ہیں۔ یہاں اور بھی سینکڑوں قافلے رواں دواں ہیں۔ یعنی کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی رنگ میں زندگی کا منظر پیش کرتی ہے۔

۳-۴= تو اس عالمِ رنگ و بو (دنیا) پر قناعت نہ کر' اس لیے کہ اس کے علاوہ اور بھی چمن اور آشیانے ہیں۔ اگر ایک آشیانہ تجھ سے چھن گیا ہے تو اس پر آہ و فغاں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دوسرا آشیانہ بنا سکتا ہے۔ اس دنیا میں مسلسل جہد و عمل سے اپنی تقدیر اور دنیا کو سنوارا جا سکتا ہے۔ محض ایک چیز پر قناعت کر کے بیٹھ جانا' صحیح زندگی نہیں ہے۔

۵- تو شاہین ہے اور بلندیوں پر پرواز کرنا تیرا کام ہے۔ تیرے سامنے صرف یہی ایک آسمان نہیں ہے اور بھی کئی آسمان ہیں۔ اپنی عظمت و سربلندی اور بقا کے لیے تو مسلسل جہد و عمل کرتا رہ۔

۶- تو دنیا کے اسی روز و شب کے چکر میں نہ پڑا رہ' اس چکر سے باہر نکل کیونکہ اور بھی زمان و مکاں ہیں جن سے تجھے گذرنا ہے۔ علامہ نے گویا یہ مسلسل غزل کہی ہے جس میں مختلف انداز میں مسلسل جہد و عمل کا درس دیا ہے۔

۷- وہ دن اب نہیں رہے جب میں محفل میں تنہا تھا' اب تو یہاں میرے اور بھی رازداں پیدا ہو چکے ہیں۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ پہلے میرے شاعرانہ پیغام پر کسی نے توجہ نہیں کی لیکن اب ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اس پر توجہ کر رہے ہیں۔

(۴۱)

۱- ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام — وائے تمنائے خام' وائے تمنائے خام
۲- پیرِ حرم نے کہا سن کے مری روئداد — پختہ ہے تیری فغاں' اب نہ اسے دل میں تھام
۳- تھا ''ارنی'' گو کلیم' میں ''ارنی'' گو نہیں — اس کو تقاضا روا' مجھ پہ تقاضا حرام

۴- گرچہ ہے افشائے راز' اہل نظر کی فغاں ہو نہیں سکتا کبھی شیوۂ رندانہ عام
۵- حلقۂ صوفی میں ذکر' بے نم و بے سوز و ساز میں بھی رہا تشنہ کام' تو بھی رہا تشنہ کام
۶- عشق تری انتہا' عشق مری انتہا تو بھی ابھی ناتمام' میں بھی ابھی ناتمام
۷- آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

۱- (علامہ نے یہ اشعار فرانس میں لکھے) یورپ والے دنیاوی عیش و طرب کی ہمیشگی تلاش کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ ان کی اس بیکار قسم کی خواہش پر بہت افسوس ہے۔

۲- پیرحرم یا شیخ کعبہ نے میری داستان سنی تو کہا کہ تیری آہ و فغاں پختہ ہوگئی ہے' تو اب اسے اپنے دل میں نہ روک کے رکھ' اسے دوسروں تک بھی پہنچا دے' دوسروں کو بھی واضح صورت میں سنا دے۔

۳- حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر ''ارنی'' کہا تھا۔ لیکن میں ''ارنی'' کہنے والا نہیں ہوں۔ حضرتِ موسیٰؑ نے خدا سے جو تقاضا کیا تھا تو ان کا یہ تقاضا جائز تھا' لیکن میرے لیے ایسا تقاضا کرنا حرام ہے' جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو خدا کے رسول تھے اور میں ٹھہرا گنہگار۔

۴- اگرچہ اہلِ نظر کی آہ و فغاں سے ان کے راز ہائے عشق فاش ہو جاتے ہیں' پھر بھی رندوں کے طور طریقے عام نہیں ہو سکتے۔ یعنی ہر کوئی عشق کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ راز فاش ہونے سے متعلق شمیم کا یہ شعر خوبصورت ہے:

لاکھ سمجھایا تجھ کو مگر اے شمیم' تیری ہشیار آنکھیں نہ کام آ سکیں
آنکھ ملتی گئی راز کھلتے گئے اب حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ

۵- (آج کے) صوفیوں کے حلقے میں جو ذکر ہو رہا تھا اس میں نہ تو کوئی تاثیر تھی اور نہ ذرا سوز و گداز ہی تھا جس کے نتیجے میں میں بھی پیاسا رہا اور تو بھی پیاسا رہا۔ یعنی نہ تو میری خواہش ذکر پوری ہو سکی اور نہ تیری۔

۶- عشق تیری بھی آخری منزل ہے اور میری بھی۔ لیکن افسوس کہ ہم دونوں ابھی تک اس منزل تک رسائی میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ہمارے جذبے صدق و خلوص سے خالی ہیں۔

۷- دکھ کی بات ہے کہ تجھ سے فقیری و درویشی کا راز کھویا گیا۔ ورنہ روم و شام کی سلطنت

درویش کا مال ہے۔ چونکہ تو دنیاوی مفادات کے چکر میں پڑا رہا اس لیے تو سلطنت کا اہل نہ رہا یا عظمت و سربلندی سے محروم رہا۔

(۴۲)

۱-	خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل	اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل
۲-	عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں	کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ
۳-	فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ	زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل
۴-	نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ	کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل
۵-	مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں	کہاں حضور کی لذت کہاں حجابِ دلیل
۶-	اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو	ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل
۷-	غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم	نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

۱- اگر آدمی کی خودی علوم میں مہارت کے باعث مضبوط ہو جائے تو ایسی خودی حضرت جبرئیل جیسے فرشتے کے لیے بھی باعث رشک بن جاتی ہے اور اگر انسان عشق کے جذبوں سے سرشار ہو کر اپنی خودی محکم کر لے تو اس کی یہ خودی صورِ اسرافیل کی سی تاثیر کی حامل ہو جائے گی۔ جس طرح صورِ اسرافیل سے مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے دوسری خودی سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر کے ان کی آزادی و انقلاب کا سامان کرے گی۔

۲- میں دورِ حاضر کے علم و دانش کے عذاب سے پوری طرح آگاہ ہوں اس لیے کہ اس عذاب میں اسی طرح ڈالا گیا ہوں جس طرح نمرود نے حضرت ابراہیمؑ (خلیل اللہ) کو آگ میں ڈالا تھا۔ یہ علم و دانش انسان کو راہ حق سے دور لے جاتے ہیں۔ میں نے بھی اس علم و دانش کا عذاب چکھا ہے لیکن شکرِ ایزدی میں اس آگ سے سلامت نکل آیا جس طرح حضرت ابراہیمؑ آتشِ نمرود سے نکل آئے تھے۔

۳- قافلہ نے منزل (پڑاؤ) کا فریب کھا رکھا ہے یعنی اسے رُکے رہنے اور آگے نہ بڑھنے ہی میں راحت محسوس ہوتی ہے حالانکہ کوچ میں جو مسرت و شادمانی ہے وہ پڑاؤ کی راحت سے کہیں زیادہ ہے۔ ستانا اور رُکے رہنا بے عملی کی اور رحیل مسلسل جہد و عمل میں لگے رہنے کی علامت ہے اور یہ رحیل ہی بقا کا باعث بنتا ہے۔ (نیز غزل

۳۹، شعر ۳ بھی دیکھیے)

۴۔ اگر تو بصیرت سے محروم ہے، تجھ میں غور وفکر کی نظر نہیں ہے تو تو میری شاعری کے حلقے میں نہ بیٹھ، اس لیے کہ میں تو خودی کی گہری باتیں کرتا ہوں جو تیز کاٹ والی تلوار کی مانند ہیں۔

۵۔ مجھے آج بھی یورپ میں اپنی تعلیم کے دن یاد آتے ہیں۔ اس تعلیم و درس میں تو دلیلوں سے کام لیا جاتا تھا، اور یہ عمل فہم وشعور پر پردے ڈالنے کا باعث تھا۔ شکرِ ایزد کہ میں اب حضورِ قلب کی دولت سے مالا مال ہوں، جو ''حجابِ دلیل'' سے کہیں زیادہ افضل ہے۔

۶۔ (اے مسلمان!) رات تاریک ہے اور تو اپنے قافلے سے بچھڑ چکا ہے۔ میری شاعری کا شعلہ تیرے لیے راستے کا چراغ ہے۔ میری شاعری میں دیے گئے پیغامِ عمل کو اگر تو اختیار کر لے (اس پیغام پر عمل کرے) تو تیری پس ماندگی ختم ہو جائے گی اور تو قافلے سے جا ملے گا۔

۷۔ کعبہ یا اسلام کی داستان و سرگذشت عجیب وغریب بھی ہے اور سادہ ورنگین بھی۔ اس سرگذشت کی ابتداء حضرت اسماعیلؑ سے ہوئی اور اخیر حضرت امام حسینؓ پر۔ اسلام کے قربانیوں کے یہ دو واقعات دنیا کے عظیم ترین واقعات میں سے ہیں جن کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

(۴۳)

۱۔ مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے؟ خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
۲۔ منزلِ راہ رواں دور بھی، دشوار بھی ہے کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟
۳۔ بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین ووطن اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟
۴۔ علم کی حد سے پرے، بندۂ مومن کے لیے لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے
۵۔ پیرِ مے خانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ سست بنیاد بھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے

۱۔ آج کے مدرسوں میں کہیں خیالات وافکار کی رعنائی بھی نظر آتی ہے اور خانقاہوں میں رازوں کی لذت بھی ملتی ہے؟ سوال کی صورت میں کی گئی ان باتوں کا جواب یہ ہے کہ آج نہ تو درس گاہوں (سکول سے لے کر یونیورسٹی تک) میں فکر ونظر کی کوئی

شگفتگی و دلکشی رہ گئی ہے اور نہ اہل خانقاہ ہی عشق کے حقیقی جذبوں سے سرشار ہیں۔ ہر جگہ محض نمود و نمائش ہی رہ گئی ہے۔ ایسے صوفیا دوسروں میں کیا سوز و جذبہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی صورتِ حال مایوس کن ہے۔

۲- چلنے والوں (مسافروں) کی منزل دور بھی ہے اور دشوار بھی ہے۔ کیا اس قافلے میں کوئی سالار یا رہنما بھی ہے؟ یعنی نہیں ہے۔ راستہ بھی دشوار ہو اور منزل بھی دور ہو اور کوئی رہبر بھی نہ ہو تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے، چلنے والے یا تو راستہ بھول جائیں گے یا پھر آگے بڑھنے سے کترائیں گے۔ ملت کے حوالے سے بات کی ہے جس میں کوئی ایسا رہبر نہیں ہے جو اسے صحیح طور پر راہِ حق پر چلا سکے۔

۳- دین اور وطن کا یہ معرکہ، جنگِ خیبر سے بھی بڑھ کر ہے، کیا اس دور میں کوئی حیدرؓ کرار بھی ہے؟ یعنی نہیں ہے۔ دین و وطن کے معرکہ سے مراد دین اور سیاست ہے۔ آج دین اور سیاست کو الگ الگ قرار دیا جا رہا ہے جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ قوم کا تعلق وطن سے نہیں۔ ملت کے افراد اگر دنیا کے تمام ملکوں میں بھی ہوں، ان کی پہچان ملت ہی کے حوالے سے ہوگی، کسی ملک یا وطن کے حوالے سے نہیں۔ جس طرح حضرت علیؓ نے قلعہ خیبر فتح کیا تھا آج ایسی ہی شخصیت کی ضرورت ہے جو دین و وطن کی اس جنگ میں فتح حاصل کرے۔

۴- ایک صاحبِ ایمان کے لیے علم سے کہیں زیادہ لذتِ شوق کے علاوہ دیدار کی نعمت بھی ہے۔ ان دونوں کا حصول صرف علم ہی سے ممکن نہیں ہے۔ ان کے لیے حقیقی عشق کے جذبے اور سوز و گداز کی ضرورت ہے۔

۵- میخانے کے شیخ کا یہ کہنا ہے کہ فرنگ / یورپ کے محل کی بنیاد بھی کمزور ہے اور اس کی دیواریں بھی آئینے کی ہیں۔ ایک حقیقت شناس (علامہ ہی ہو سکتے ہیں) کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ یورپی تہذیب و معاشرت سراسر مادیات میں کھوئی ہوئی ہے اور ایسی تہذیب سراسر عارضی و فانی ہے اسے بقا حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۴۴)

۱- حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے	عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

۲- نہ ستارے میں ہے، نے گردشِ افلاک میں ہے	تیری تقدیر مرے نالۂ بے باک میں ہے

۳۔ یا مری آہ میں کوئی شررِ زندہ نہیں یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے
۴۔ کیا عجب میری نوا ہائے سحر گاہی سے زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے
۵۔ توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

۱۔ وہ واقعہ جو ابھی آسمانوں کے پردے میں مخفی ہے اور پیش نہیں آیا' اس (واقعے) کا عکس میرے فہم و شعور کے آئینے میں ہے۔ علامہ نے اپنی گہری بصیرت اور دور بینی کے حوالے سے یہ بات کی ہے۔ یعنی میں نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا ہے۔

۲۔ تیری تقدیر کا تعلق نہ تو ستاروں کی گردش سے ہے اور نہ آسمانوں کی گردش سے (عام لوگ اور نجومی انہی گردشوں کے حوالے سے تقدیر کے بننے بگڑنے کی بات کرتے ہیں۔ علامہ اس سوچ کے خلاف ہیں) تیری تقدیر کا انحصار تو میرے بے خوف نالوں یا آہ و فغاں پر ہے۔ یعنی میں جو اپنے سوز و گداز کے باعث اپنی شاعری میں جہد و عمل اور خودی کا درس دے رہا ہوں تو اگر تو (مخاطب' قاری) اس پر عمل کرے تو تیری بگڑی قسمت بھی سنور سکتی ہے۔

۳۔ یا تو میری آہ میں کوئی زندہ چنگاری نہیں ہے' یا تیرے خس و خاشاک میں ابھی کسی قدر نمی ہے۔ اپنے پیغام کے حوالے سے بات کی ہے۔ یعنی میں جو پیغام دے رہا ہوں' یا تو اس میں کوئی اثر و تاثیر نہیں ہے۔ یا پھر تجھ میں اسے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی مطلوبہ اہلیت نہیں ہے۔ گھاس پھونس اگر گیلی ہو تو چنگاری پڑنے پر وہ ذرا بھی نہیں جلتی۔ یہ گویا اہلیت کا استعارہ ہے۔

۴۔ ممکن ہے (اور اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا) کہ میرے صبح کے نغموں سے تیری خاک (بدن) میں دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھے۔ یعنی میرے جذبہ و ولولہ اور سوز و گداز کے حامل شاعرانہ پیغام پر توجہ سے اگر تجھ میں بیداری کی روح زندہ ہو جائے اور تو مسلسل جہد و عمل سے اپنی تقدیر سنوارنے اور اپنی بقا کا سامان کر لے تو اس میں تعجب کی بات نہ ہوگی۔

۵۔ (تیری) یہی خاک روز و شب کا جادو توڑ ڈالے گی' اگرچہ وہ ہنوز قسمت اور تقدیر کے چکر میں گرفتار ہے۔ میرے مذکورہ پیغام پر عمل سے تجھ پر وقت کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ تو مسلسل جہد و عمل سے صاحب بقا بن جائے گا اور تقدیر کے مفروضہ چکر سے باہر نکل آئے گا۔

(۴۵)

۱- رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی | فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
۲- خراب کوشکِ سلطان و خانقاہِ فقیر | فغاں کہ تخت و مصلّٰی کمالِ زرّاقی
۳- کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز | کتابِ صوفی و مُلا کی سادہ اوراقی
۴- نہ چینی و عربی وہ، نہ رومی و شامی | سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی
۵- مے شبانہ کی مستی تو ہو چکی، لیکن | کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمۂ ساقی
۶- چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر | کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی
۷- عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطاں سے | وہ شعر جس میں ہو بجلی کا سوز و براقی

۱- آج کے صوفی (صوفیوں) کے حلقے میں عشقِ حقیقی کا کوئی سوز و گداز نہیں رہا۔ صرف کراموں کے قصے رہ گئے ہیں۔ ان میں حقیقی جذبے نہیں ہیں، بس الٹی سیدھی کرامتوں کا مظاہرہ کر کے خود کو بڑے صوفی ظاہر کر رہے ہیں جبکہ تصوف ان کرامتوں سے بے نیاز اور سراپا عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار ہونے کا نام ہے۔

۲- بادشاہ کا محل اور درویش کی خانقاہ دونوں بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ آج تخت (سلطانی) اور مصلی (درویشی) محض مکر و فکر یب کا مرکز بن چکے ہیں۔

۳- آج کے صوفیوں اور مُلاؤں کے اعمال نامے بالکل اسی طرح ہیں جس طرح کوئی کورا کاغذ ہو، یعنی ان کے اعمال سراسر بے بنیاد اور گھٹیا قسم کے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے روز جب ان کے اعمال نامے خدا کے حضور پیش ہوں گے تو وہ خدا کی شرمساری کا باعث بنیں گے، اس لیے کہ دین سے اپنی وابستگی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ان لوگوں کا کوئی بھی عمل دین کی شان کے لائق نہ تھا۔

۴- وہ انسان جس کی نظر میں آفاقیت ہے، وہ خود کو نہ چینی کہلاتا ہے، نہ عربی اور نہ رومی و شامی (وہ رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود، وطن وغیرہ کا قائل نہیں ہے) وہ دونوں جہانوں میں نہیں سما سکتا۔ آفاقیت یا عالمگیری جذبوں والا آدمی صحیح معنوں میں مردِ مومن ہے۔

۵- رات کو جو شراب نوشی کی گئی تھی، اس کی مستی تو ختم ہو چکی، جبکہ ساقی کا کرشمہ ابھی تک دلوں میں موجود ہے۔ یعنی اس سے محبت کے جذبے ہنوز برقرار ہیں۔

۶۔ اگر چمن میں میں ایسے نغمے الا پتا ہوں جو تیرے دل کو نا گوار اور تلخ لگتے ہیں، تو تو انہیں برداشت کر، اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زہر تریاق کا کام کر جاتا ہے۔ یعنی میری شاعری میں جہد و عمل اور ہمت و مردانگی کا جو درس و پیغام ہے، وہ اگر سخت اور دشوار ہے لیکن اس پر عمل سے تیری زندگی حقیقی زندگی بن سکتی اور تو صاحبِ بقا بن سکتا ہے۔

۷۔ جس شعر میں بجلی کا سا سوز و گداز اور چمک دمک ہو، وہ امیروں اور شہنشاہوں کی دولت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ظاہر ہے علامہ کا کلام اس کی بہترین مثال ہے۔

(۴۶)

۱۔ اگرچہ مغربیوں کا جنون بھی تھا چالاک — ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک
۲۔ مَے یقیں سے ضمیرِ حیات ہے پُر سوز — نصیبِ مدرسہ یارب یہ آبِ آتشناک
۳۔ عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام — یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک
۴۔ یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا — دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک
۵۔ تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے — وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک
۶۔ زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ — کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
۷۔ جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی — مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ ''لولاک''

۱۔ اگرچہ یورپ والوں کے جنون میں بھی ہوشیاری و چالاکی تھی، لیکن اس کے زور سے کسی کا بھی گریباں چاک نہ ہو سکا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ یورپ کے جدید علوم وفنون وغیرہ نے بڑی ترقی کی ہے، لیکن وہ انسانوں کے دلوں میں جذبۂ عشق اور سوز و گداز پیدا نہیں کر سکا، جو حقیقی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے، کیونکہ اسی کی بدولت زندگی کئی خرابیوں سے محفوظ رہتی ہے۔

۲۔ یقین کی شراب سے زندگی کا ضمیر سوز و گداز سے پُر ہو جاتا ہے۔ اے خدا! آج کی درس گاہوں کو بھی یہ آگ بھرا پانی نصیب ہو۔ جدید دور کے اہل مدرسہ بھی یقین کی کیفیت سے بہرہ ور ہوں۔

۳۔ کہکشاں، ستارے اور یہ نیلے آسمان سبھی اس آدمِ خاکی کے عروج و عظمت کا انتظار کر رہے ہیں۔ یعنی انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ یہ انسان کب صحیح معنوں میں سربلندی وعظمت کے مقام پر پہنچتا ہے۔

۴- کیا آج کے دور کا یہی سرمایہ و دولت ہے کہ دماغ تو روشن ہیں لیکن دل تاریک اور نگاہیں بے خوف ہیں۔ عقل و خرد کا تو دور دورہ ہے لیکن نہ تو دل ایمان کی روشنی سے منور ہیں اور نہ نگاہوں ہی میں کوئی حیا رہ گئی ہے۔

۵- اگر تجھ میں بصیرت و بینائی نہیں ہے تو اس کائنات کی حقیقت و کیفیت تجھ پر واضح نہیں ہوسکتی' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مردِ حق تو گویا آگ ہے اور یہ دنیا اس کے آگے خس و خاشاک کی حیثیت رکھتی ہے' جو آگ سے فوراً جل جاتی ہے۔

۶- دنیا والوں نے عقل ہی کو مشعلِ راہ سمجھ رکھا ہے' لیکن کسی کو بھی یہ حقیقت معلوم نہیں کہ جنون بھی فہم و شعور کی دولت سے مالا مال ہے۔ دنیا کے ہر کام عقل ہی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں لیکن عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار انسان اپنے عزم و ارادہ سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتا ہے۔ زمانے والے ایسے عظیم انسان کے کارناموں اور سرگرمیوں کو جنون و دیوانگی ہی سمجھتے ہوں گے۔

۷- یہ پوری کائنات ایک مردِ حق کی میراث ہے۔ میں نے جو یہ بات کی یا جو دعویٰ کیا ہے تو اس پر ''لولاک'' کا نکتہ بڑی واضح دلیل ہے۔ (لغت دیکھیے)

(۴۷)

۱- یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ — یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ
۲- یا سنجر و طغرل کا آئینِ جہاں گیری — یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
۳- یا حیرتِ فارابیؔ یا تاب و تب رومیؔ — یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ
۴- یا عقل کی روباہی' یا عشقِ ید اللہیؒ — یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ
۵- یا شرعِ مسلمانی' یا دَیر کی دربانی — یا نعرۂ مستانہ' کعبہ ہو کہ بت خانہ
۶- میری میں فقیری میں' شاہی میں غلامی میں — کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ

۱- وہ بہت قیمتی و یکتا موتی یونہی ہاتھ نہیں آتا۔ اے مردانہ ہمت! اس کے لیے ضروری ہے کہ تو یک رنگی اور آزادی سے کام لے۔ اگلے شعروں میں یک رنگی و آزادی کی وضاحت مختلف مثالوں سے کی گئی ہے۔

۲- یا تو طغرل اور سنجر جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کے سے جہانگیری طور طریقے اختیار کیے جائیں کہ یہ ہمت و دلیری اور یک رنگی کی عمدہ مثال ہیں یا پھر ایک مردِ درویش

کے سے شاہانہ طور طریقے اختیار کیے جائیں کہ یہ طور طریقے بھی آزادی و یک رنگی کا بے مثل نمونہ ہیں۔

۳۔ یا تو فارابیؒ جیسے بڑے فلسفی کی سی حیرت خود میں پیدا کرنی چاہیے جو فکر و نظر کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ یا پھر مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے عظیم عاشق حقیقی و درویش کا سا عشق اور سوز و گداز خود میں پیدا کرنا چاہیے جس میں حضرت کلیم اللہ (حضرت موسیٰؑ) کے سے جذبہ ہائے عشق و سوز کی مثال نظر آتی ہے۔

۴۔ یا تو عقل و خرد کی سی عیاری و فریب کاری اپنائی جائے جس کا عملی نمونہ یورپ والوں نے اپنی حیلہ بازی کی صورت میں پیش کیا ہے یا پھر حضرت علیؓ کی طرح خود کو عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار کیا جائے' جن کی بدولت ترکانہ حملوں کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ یا تو اسلامی شریعت کی پابندی اختیار کی جائے یا کسی بت خانے کے در پر چوکیداری کرنی چاہیے۔ مختصر یہ کہ خواہ کعبہ ہو یا بت خانہ' کوئی بھی اور کیسی بھی جگہ یا مقام ہو' مستانہ نعرہ لگایا جائے کہ ہمت و دلیری کا یہی حقیقی انداز ہے۔

۶۔ امیری ہو یا فقیری و مفلسی کی حالت ہو' یا پھر بادشاہی کی حالت ہو یا غلامی کی' ہر صورت اور ہر حالت میں رندانہ جرأت کے بغیر بات نہیں بنتی۔ گویا کوئی بھی کام کیا جائے اس میں کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کام کے پیچھے لگا جائے جسے علامہ یک رنگی کہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جہد و عمل سے کام لیا جائے اور اس کی راہ میں آنے والی مشکلوں اور مصیبتوں سے بے خوف ہو کر آگے بڑھا جائے کہ یہی آزادی ہے۔

(۴۸)

۱۔ نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے ۔۔۔ جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
۲۔ صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل ۔۔۔ یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
۳۔ وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا ۔۔۔ یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے
۴۔ مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا ۔۔۔ وہ مشت خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے
۵۔ خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے ۔۔۔ فرنگ رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے
۶۔ تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا ۔۔۔ جہانِ تازہ مری آہِ صبح گاہ میں ہے

۷- مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب　　نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

۱- روح اور دل کو جو سرور کسی درویش/ مردِ حق کے حضور میسر آتا ہے وہ نہ تو تاج پہن کر تخت پر بیٹھنے اور بادشاہ بننے سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ بڑے بڑے لشکروں کا سپہ سالار یا مالک بننے سے میسر آتا ہے۔

۲- یہ دنیا ایک بت کدہ ہے اور مردِ حق ایک طرح سے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہے جنہوں نے کعبہ کے تمام بت توڑ ڈالے تھے۔ یہ گہری بات یا نکتہ توحید (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں پوشیدہ ہے۔ مردِ حق کا چونکہ توحید پر ایمان کامل ہے اس لیے وہ باطل قوتوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۳- تیرا جہان وہی ہے جسے تو خود پیدا کرے، وجود میں لائے، یہ جو تیری نگاہوں کے سامنے اینٹ اور پتھر کی دنیا ہے، یہ تیری دنیا نہیں ہے۔ بقول علامہ: اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے یعنی اپنے جہد و عمل اور ہمت و جواں مردی سے اپنا ایک خاص حلقہ بنالے۔

۴- مٹی کی وہ مٹھی (مراد مسلمان) جس کا مقام چاند اور ستاروں سے بھی آگے ہے، افسوس کہ آج وہ راستے ہی میں بھٹک رہی ہے۔ گویا مسلمانوں میں وہ پہلے والی ہمت و دلیری نہیں رہی جس کی بدولت وہ سربلندی و عظمت کے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ وہ کم ہمت ہو چکے ہیں۔

۵- بحر و بر کے کارفرماؤں نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ یورپ بے پناہ سیلاب کے راستے میں ہے۔ چونکہ سیلاب یعنی تباہی کی بات کی تھی، اس لیے بحر و بر کا ذکر کیا ہے۔ مطلب یہ کہ یورپی تہذیب و معاشرت تباہی کے دہانے پر بیٹھی ہے۔ یا یہ تہذیب یورپ کے لیے تباہی کا باعث بنے گی۔ علامہ کی یہ پیشین گوئی بڑی حد تک درست ثابت ہوئی۔

۶- میری صبح کے وقت (اللہ کے حضور) آہ و فریاد میں ایک نئی دنیا موجود ہے، تو اس کی فضاؤں میں اپنا نصیب تلاش کر۔ اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے۔ ان کے پیغام پر عمل سے ایک نئی دنیا پیدا کی جا سکتی ہے۔

۷- میرے کدو میں خالص شراب بھری ہوئی ہے، تو اسے غنیمت سمجھ۔ یہ خالص شراب نہ تو درس گاہوں میں میسر ہے اور نہ خانقاہوں میں۔ کدو استعارہ ہے شاعری کا اور بادۂ ناب پیغام کا۔ اس پیغام پر عمل سے بقا اور عظمت و سربلندی حاصل ہوگی۔

(۴۹)

۱۔ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک رکھی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک
۲۔ وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک
۳۔ وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک
۴۔ اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

۱۔ اگرچہ فطرت نے مجھے اندیشۂ چالاک سے نہیں نوازا تاہم میری خاک میں اڑنے کی طاقت ہے۔ عشق کے جذبہ سے اپنے سرشار ہونے کی بات کی ہے جو (جذبہ) سربلندی کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ یہ خاک ایسی ہے جس کا جنون فہم و شعور اور عقل و خرد کے لیے صیقل کا کام دیتا ہے۔ عقل و شعور میں چمک دمک پیدا کرتا ہے اور یہی وہ خاک ہے جس پر حضرت جبرئیلؑ جیسا فرشتہ بھی رشک کے مارے اپنی قبا چاک کر ڈالتا ہے۔

۳۔ اس خاک کو گھونسلے کی کوئی پروانہیں ہے' اس سے بے نیاز ہے اور یہ خاک چمن کی وسعت سے گھاس پھوس نہیں چنتی۔ تنکے یا گھاس پھوس گھونسلا بنانے کے کام آتے ہیں' جب گھونسلے کی پروانہیں تو پھر ان کی طرف کیوں توجہ ہوگی۔ اس استعارے سے یہ مراد ہے کہ میں دنیاوی و مادی مفادات اور اسباب سے پوری طرح بے نیاز ہوں۔

۴۔ اس خاک کو خدا تعالیٰ نے ایسے آنسوؤں سے نوازا ہے جن کی چمک دیکھ کر چمکتے ہوئے ستارے بھی شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ آنسو عشق حقیقی کے جذبے سے سرشاری کا نتیجہ ہیں اور شاعر کے دل کے سوز و گداز کا پتا دیتے ہیں۔

(۵۰)

۱۔ کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
۲۔ یہ مدرسہ' یہ جواں' یہ سرور و رعنائی انھی کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد
۳۔ نہ فلسفی سے نہ مُلا سے ہے غرض مجھ کو یہ دل کی موت' وہ اندیشہ و نظر کا فساد
۴۔ فقیہِ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
۵۔ خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد

۶- کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد
۷- رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

۱- صاحبانِ بصیرت نئی بستیاں آباد کر لیں گے۔ میری نگاہیں کوفہ و بغداد کی طرف نہیں اٹھتیں۔ کوفہ و بغداد جغرافیائی حدود کی علامت ہیں۔ صاحبانِ بصیرت اور جذبہ عشق سرشار انسان ایسی حدود سے بے نیاز بستیاں آباد کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کسی اور انداز میں یہ بات ہوئی ہے اور وہ یوں کہ: اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۲- یہ ہماری آج کی درس گاہیں اور ان میں زیرِ تعلیم نوجوان اور ان کا عیش و مستی اور بناؤ سنگھار وغیرہ سبھی باتیں ایسی ہیں جس سے یورپ کا میخانہ آباد ہے۔ مطلب یہ کہ جدید یورپی طرز تعلیم نے ہماری نوجوان نسل کو یورپی تہذیب کا شیدائی بنا کر بری طرح بگاڑ دیا ہے۔

۳- مجھے نہ تو اس دور کے فلسفیوں سے کوئی غرض ہے اور نہ مُلاؤں سے اس لیے کہ مُلاؤں کے طرزِ عمل دل کی موت کا باعث بنتے ہیں دل میں خلوص اور حقیقی جذبے پیدا نہیں ہوتے جبکہ فلسفیوں کا طرزِ عمل فکر و نظر میں بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ اگر ''یہ'' سے مراد فلسفی اور ''وہ'' سے مراد مُلا ہو تو یہ تشریح الٹ ہو جائے گی۔

۴- میری کیا مجال ہے جو میں شہر کے فقیہ کے خلاف کچھ کہہ کر اس کی تحقیر و ہتک کا سامان کروں البتہ اتنا میں ضرور کہوں گا کہ مجھے دل کی فراخی کی خواہش ہے اور میری یہ خواہش اس سے پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تنگ دل بھی ہے اور تنگ نظر بھی۔

۵- دنیا میں ایران کے مشہور بڑے اور عیش پسند بادشاہ خسرو پرویز کا سا عیش و عشرت خرید لینا آسان ہے لیکن فرہاد کوہکن کو جو غم کی دولت عطا ہوئی وہ خدا کی خاص دین (عطا) ہے۔ یعنی یہ دولت عام نہیں اور نہ بازار سے خریدی جا سکتی ہے یہ تو خدا کی خاص نوازش ہے جسے وہ چاہے دے۔

۶- میں نے درویشی و قلندری کے راز اس لیے فاش کر دیے ہیں تاکہ درس گاہوں اور خانقاہوں کی سوچ آزاد ہو جائے یعنی وہ ان تمام رکاوٹوں اور بندھنوں کو توڑ ڈالیں جو عظیم اور حقیقی مقصد کے حصول میں روڑے اٹکانے کا باعث بنتے ہیں۔

۷- رشی یعنی مہاتما گاندھی نے کئی فاقے کیے (برت رکھے) لیکن پھر بھی برہمن کا طلسم نہ ٹوٹا لیکن بات نہ بن سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عصا نہ ہو تو کلیمی بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے

لیے جس قوت وزور کی ضرورت ہو اگر اسے کام میں نہ لایا جائے تو بات نہیں بنتی۔

(۵۱)

۱۔ کی حق سے فرشتوں نے اقبالؔ کی غمازی — گستاخ ہے، کرتا ہے فطرت کی حنابندی
۲۔ خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی — رومی ہے نہ شامی ہے، کاشی نہ سمرقندی
۳۔ سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے — آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

۱۔ فرشتوں نے خدا کے حضور اقبال کے خلاف یہ شکایت پیش کی کہ یہ شخص گستاخ ہے اور فطرت/ قدرت کے بناؤ سنگھار میں مصروف رہتا ہے۔ غالباً علامہ نے بالواسطہ قدرتی مناظر سے متعلق اپنے تصویر کشی کے انداز کی بات کی ہے۔

۲۔ اگرچہ وہ خاک کا پتلا ہے (خاک سے اس کی تخلیق ہوئی ہے) لیکن اس کے طور طریقے سارے آسمان والوں کے سے ہیں۔ وہ نہ تو خود کو روم کا شہری سمجھتا ہے نہ شام کا اور نہ کاشان و سمرقند کا، یعنی جغرافیائی حدود کا قائل نہیں ہے، اور نہ ان سے اسے کوئی تعلق و نسبت ہے۔

۳۔ اس نے فرشتوں کو انسان کی سی تڑپ سکھائی ہے جبکہ انسان کو وہ خداوندی کے طور طریقے سکھا رہا ہے۔ گویا فرشتوں کو انسان کی طرح عشق دیا اور انسانوں کے دلوں میں ان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جذبہ پیدا کر دیا۔

(۵۲)

۱۔ نے مُہرہ باقی، نے مُہرہ بازی — جیتا ہے رومیؒ ہارا ہے رازیؒ
۲۔ روشن ہے جامِ جمشید اب تک — شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
۳۔ دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا — تو بھی نمازی، میں بھی نمازی
۴۔ میں جانتا ہوں انجام اس کا — جس معرکے میں مُلا ہوں غازی
۵۔ ترکی بھی شیریں، تازی بھی شیریں — حرفِ محبت ترکی نہ تازی
۶۔ آزر کا پیشہ خارا تراشی — کارِ خلیلاں خارا گدازی
۷۔ تو زندگی ہے پائندگی ہے — باقی ہے جو کچھ سب خاک بازی

۱۔ فلسفہ و حکمت کے امام فخرالدین رازیؒ کی شطرنج کی کوئی گوٹ بھی باقی نہ رہی اور کھیل

بھی ختم ہوگیا۔ چنانچہ رازیؔ تو ہار گئے اور مولانا رومیؒ جیت گئے۔ یعنی حقیقی زندگی گذارنے اور صاحب بقا بننے کے لیے انسان کا دل عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں فلسفہ وحکمت کسی کام نہیں آسکتے۔ اس کی مثال رومیؔ و رازیؔ ہیں۔ مولانا رومیؔ نے بھی رازیؔ کے بارے میں کہا ہے کہ اگر دلیلوں سے دین کی بات بن سکتی تو رازیؔ دین کا راز دار ہوتا:

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازیؔ رازدار دیں بُدے

(مثنوی رومی سے منسوب ہے لیکن ایرانی ایڈیشن میں نہیں ہے)

۲- ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کا بنایا ہوا شیشے کا جام آج بھی روشن ہے۔ (لغت دیکھیے) گویا بادشاہت کے لیے شیشہ بازی یعنی مکر وفریب ضرور ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و برقرار ہے۔

۳- اگرچہ میں بھی نمازی ہوں اور تو بھی نمازی ہے لیکن نہ تو تیرا دل مسلمان ہے اور نہ میرا دل۔ ہماری نمازیں حضورِ قلب سے محروم اور محض دکھاوے کی رہ گئی ہیں۔ بقولِ شمیم:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوص عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

۴- جس معرکے میں مُلا غازی ہوں میں اس کے انجام سے آگاہ ہوں۔ مطلب یہ کہ جب مُلا کسی دینی مسئلے پر آمنے سامنے آکر باہمی لفظی جنگ شروع کردیں تو اس کا انجام واضح ہے۔

۵- محبت کی باتیں کسی ایک زبان سے مخصوص نہیں ہیں، اگرچہ ترکی زبان بھی بڑی شیریں ہے اور عربی زبان بھی۔ یعنی کسی بھی زبان میں محبت کی باتیں شیریں ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے محبت جغرافیائی حدود اور رنگ ونسل سے ماورا ہے۔ وہ آفاقی ہے۔

۶- آزر یعنی بت تراشوں کا پیشہ ہی یہ ہے کہ وہ پتھر سے بت بناتے رہے اور خلیلوں کا کام پتھر پگھلانا، یعنی بت توڑنا ہے۔ (لغت دیکھیے) خلیلوں سے مراد ہے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی سنت پر عمل کرنے والے۔ یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ مردِ مومن باطل قوتوں کو فنا کردیتے ہیں۔

۷- اے انسان صحیح زندگی اور ہمیشگی تیری ہی ہے۔ تیرے سوا جو کچھ ہے وہ سراسر خاک

بازی ہے۔انسان اشرف المخلوقات ہے باقی جو کچھ ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر اس شعر میں محبوب حقیقی سے خطاب ہو تو یہی مطلب ہوگا کہ تیری ذات ہی سراپا بقا ہے۔ باقی سب کائنات وجود سے عاری یا بے اہمیت ہے۔(واللہ اعلم)

(۵۳)

۱- گرمِ فغاں ہے جرس' اٹھ کہ گیا قافلہ ۔۔۔ وائے وہ رہ رَو کہ ہے منتظرِ راحلہ
۲- تیری طبیعت ہے اور' تیرا زمانہ ہے اور ۔۔۔ تیرے موافق نہیں خانقہی سلسلہ
۳- دل ہو غلام خرد یا کہ امامِ خرد ۔۔۔ سالکِ رہ' ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ
۴- اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر ۔۔۔ گردشِ دَوراں کا ہے جس کی زباں پر گلہ
۵- تیرے نفس سے ہوئی آتشِ گل تیز تر ۔۔۔ مرغِ چمن! ہے یہی تیری نوا کا صِلہ

۱- اے مسافر! اٹھ کھڑا ہو' کیونکہ قافلے کے کوچ کی گھنٹی بڑی فریاد کر رہی ہے (بج رہی ہے) اُٹھ کہ قافلہ روانہ ہو گیا۔ افسوس ہے اس مسافر پر جو اس سلسلے میں کسی سواری کے انتظار میں ہو۔ مطلب یہ کہ جب منزل تک رسائی کی خواہش ہو تو اس کے لیے سواری کے انتظار میں بیٹھے رہنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ اس استعارے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ ایک عظیم مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد اور تگ و دو ضروری ہے' اور اس کے لیے کسی سامان وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑا رہنا چاہیے۔

۲- اے اس دور کے مسلمان! تیری طبیعت اور ڈھنگ کی ہے جبکہ تیرے زمانے کا انداز اور ڈھب کا ہے' اس بنا پر آج کا یہ خانقاہی سلسلہ اور طور طریقہ تیرے لیے موافق نہیں ہے' تیرے حسبِ حال نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ خانقاہی سلسلہ ممکن ہے کبھی انسان دوستی اور انسانوں کی خدمت کرنے میں بے مثل رہا ہو' لیکن آج وہ اس جذبے سے بالکل محروم و خالی ہے۔

۳- اے سالک! ذرا ہوشیار و خبردار رہ' اس لیے کہ تیرے سامنے یہ بڑا سخت مرحلہ ہے کہ آیا دل عقل و خرد کا غلام بن کر رہے یا اس کی رہنمائی و پیشوائی کا عمل اختیار کرے۔ بالواسطہ یہ کہنا مقصود ہے کہ دل عشق کے جذبہ سے سرشار ہو اور عقل و خرد کا غلام بننے کی بجائے اسے اپنے پیچھے پیچھے لے کر چلے' اس کا امام بنے۔

۴- جس شخص کی زبان پر زمانے کی گردش کا گلہ شکوہ رہتا ہے' اس کی حالت کچھ ایسی ہے

کہ اس کی خودی دن اور رات کے چکر میں گرفتار ہے یعنی وہ اپنی تقدیر خود سنوارنے کے لیے اپنی خودی سے آگاہ ہونے اور مسلسل جہد و عمل کرنے کی بجائے زمانے کی گردش کا رونا روتا رہتا ہے' حالانکہ علامہ ہی کے بقول:

عبث ہے شیوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۵- اے باغ میں نغمے الاپنے والے (چہچہانے والے) پرندے! تیری اس الاپ کا یہی صلہ ہے کہ تیرے دم سے پھولوں کی آگ میں تیزی آ گئی۔ ان کی تازگی و شگفتگی میں اضافہ ہو گیا۔ ''مرغِ چمن'' دراصل خود علامہ کا اپنے لیے استعارہ ہے اور نوا سے مراد ان کی شاعری ہے' جس سے انہوں نے ملت کو حقیقی زندگی اور اس کے مقصد سے آگاہ کر کے اس میں بیداری کی روح پھونکی اور یہ کام انہوں نے مخلصانہ جذبے کے تحت کیا ہے۔ کسی صلہ و انعام کی خاطر نہیں۔

(۵۴)

۱- مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی	دیا ہے میں نے انہیں ذوقِ آتش آشامی
۲- حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج	کہ تار تار ہوئے جامہ ہائے احرامی
۳- حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری	بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
۴- مجھے یہ ڈر ہے مقامر ہیں پختہ کار بہت	نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
۵- عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں	شکوہِ سنجر و فقرِ جنیدؒ و بسطامیؒ
۶- قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے' ورنہ	تری نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی

۱- میرے نغمے (شاعری) سے صاحبانِ معرفت اور عام لوگ زندہ ہو گئے۔ میں نے ان سب کے دلوں میں محبت کی تیز شراب پینے کا ذوق پیدا کر دیا۔ یعنی میں نے اپنی جوش و ولولہ کی حامل شاعری سے ہر طبقہ کے لوگوں میں بیداری کی روح پھونکی اور ان میں محبت کا جذبہ پیدا کیا۔

۲- کعبہ کے نزدیک کوئی اعجمی یہ نغمہ الاپ رہا تھا کہ احرام کے لباس بری طرح پھٹ چکے ہیں۔ گویا اس دور کے مسلمانوں کی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ وہ دینی فرائض حقیقی جذبوں اور مخلصانہ ذوق و ولولہ سے ادا نہیں کرتے۔

۳- حضرت شبیرؓ (امام حسینؓ) کا مقام و مرتبہ ایک ابدی حقیقت ہے یعنی یہ ہمیشہ قائم و برقرار رہے گا' جبکہ اہلِ کوفہ اور اہلِ شام کے اندازوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کوفی وشامی سے یہاں مرادحق کے دشمن ہیں' جبکہ شبیری سے مرادحق ہے۔ اگرچہ امام حسینؓ کو شہید کیا گیا لیکن حق برقرار رہا جبکہ باطل قوتوں کے ڈھنگ بدلتے رہتے ہیں۔

۴- اے آج کے مسلمان! جن جواریوں سے تجھے واسطہ پڑا ہے' وہ بہت تجربہ کار اور چالاک ہیں' اسی وجہ سے مجھے یہ ڈر ہے کہ تیری ناتجربہ کاری کہیں تیری ہار کا باعث نہ بن جائے۔ جواری غالباً انگریزوں کا استعارہ ہے جنہوں نے اپنی عیاری و مکاری سے برصغیر پر قبضہ کیا اور یہاں حکمران بن گئے۔ ان کی حکمرانی ۱۹۴۷ء میں ختم ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہت ذلیل ورسوا کیا۔

۵- اس میں حیرانی کی کوئی بات نہ ہوگی کہ مسلمانوں کو پھر سے سنجر جیسی شان وعظمت اور جلال اور حضرت جنیدؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کا سا فقر عطا ہو جائے (یعنی قدرت کی طرف سے عطا ہو جائے)

۶- میرا بدن اگرچہ کسی خوبصورت لباس کے لائق نہ تھا اور تجھے اس کا علم بھی تھا لیکن اے میرے کریم! تو نے مجھ پر بے حد کرم فرما کر مجھے علم وہنر کی قبا عطا فرما دی۔

(۵۵)

۱- ہر اک مقام سے آگے گذر گیا مہ نو — کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ ودَو
۲- نفس کے زور سے وہ غنچہ وا ہوا بھی تو کیا — جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
۳- نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی — کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو
۴- پنپ سکا نہ خیاباں میں لالۂ دل سوز — کہ سازگار نہیں یہ جہانِ گندم و جَو
۵- رہے نہ ایبک وغوری کے معرکے باقی — ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

۱- پہلی کا چاند (ہلال) ہر اِک مقام سے آگے نکل گیا' یعنی وہ چودھویں کا یا مکمل چاند بن گیا۔ گویا وہ کسی جگہ نہ رکا اور مسلسل چلتا رہا جس کی وجہ سے وہ ماہِ کامل بن گیا۔ سو کسی کو تگ ودو اور جہد وعمل کے بغیر کب کمال حاصل ہوا ہے؟ نہیں ہوا۔

۲- جس غنچے کو سورج کی روشنی نصیب نہ ہو' وہ اگر پھونکوں سے کھل بھی جائے تو کیا فائدہ؟ غنچہ صحیح معنوں میں سورج کی روشنی اور بادنسیم سے کھل کر شگفتہ وتازہ بنتا ہے۔

پھونکوں سے اس میں وہ بات پیدا نہیں ہوسکتی۔اس استعارے سے علامہ کا یہی مقصد ہوسکتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اپنے دین اور دینی تعلیمات کی طرف توجہ کرنی چاہیے' دوسری قوموں کی پیروی' بالخصوص یورپ والوں کی پیروی سے ہم اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کرسکتے۔

۳- اگر تیری نگاہ پاک ہے تو یہ بات واضح ہے کہ تیرا دل بھی پاک ہے' اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے دل کو نگاہ کا پیرو بنایا ہے۔جیسی تیری نظر ہوگی ویسا ہی تیرا دل ہوگا۔

۴- لالہ کا دل جلا پھول باغ کی کیاری میں صحیح طور پر شگفتہ و تازہ نہ رہ سکا' اس لیے کہ گندم اور جو کی یہ دنیا اسے راس نہیں ہے۔لالہ استعارہ ہے مسلمان قوم کا۔گویا جس طرح لالہ صحرا میں خوب کھلتا ہے' کچھ یہی حال اس ملت کا ہے' اس لیے کہ اس کی اصل بھی صحرا (صحرائے عرب) ہی سے ہے۔ وہاں سے وہ گندم و جو پیدا کرنے والی سرزمینوں میں منتقل ہوئی تو اس میں وہ پہلے والی عظمت نہ رہی۔علامہ نے بعض اور شعروں میں بھی یہ استعارہ استعمال کیا ہے۔

۵- سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شہاب الدین غوری کے معرکے باقی نہ رہے' جبکہ فارسی کے مشہور شاعر امیر خسرو کے گائے ہوئے نغمے آج بھی تر و تازہ اور شیریں لگتے ہیں۔نغموں سے مراد امیر خسرو کی عظیم شاعری ہی ہوسکتی ہے۔

(۵۵)

۱- کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش — اِک جہاں اَور بھی ہے' جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
۲- کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام — مسجد و مکتب و میخانہ ہیں مدت سے خموش
۳- میں نے پایا ہے اسے اشکِ سحرگاہی میں — جس دُرِناب سے خالی ہے صدف کی آغوش
۴- نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں — چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش
۵- صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے — گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

۱- اے صاحب ہوش و خرد انسان! تو اس دنیا کی صبح و شام کے چکر میں نہ پڑا رہ۔اس سے ہٹ کر ایک اور دنیا بھی ہے جس میں نہ فردا ہے اور نہ دوش ہے۔یہی مراد ہوسکتی ہے کہ: اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۲- کل جو حالات و واقعات پیش آنے والے ہیں' کسی کو کیا خبر کہ وہ کیسے ہوں گے اور

ان کی حقیقت کیا ہوگی۔ جہاں تک مسجد و مدرسہ اور میخانے کا تعلق ہے تو وہ سب خاموش ہیں یا ان پر خاموشی طاری ہے' اس صورت میں وہ ہنگامہ محشر میں کیا حصہ لیں گے یا لے سکیں گے۔ یعنی علما اور درس گاہیں نیز وہ خانقاہیں (جنہیں میخانہ کہا گیا ہے) جو عشقِ حقیقی کی دعویدار ہیں' سبھی عمل و جہد سے بیگانہ ہیں اور حقیقی جذبوں سے محروم ہیں۔

۳۔ جو خالص موتی سیپی کے اندر سے نہیں ملتا' میں نے اسے صبح کے وقت آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے حاصل کیا ہے۔ اشک سحر گاہی سے مراد صبح سویرے اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے حضور عاجزی و فریاد کرنا ہے۔

۴۔ نئی تہذیب یعنی یورپی تہذیب سراسر تکلف یا بناوٹ کی حامل ہے۔ جب چہرہ روشن ہو تو پھر گلگونہ فروش (سرخی بیچنے والے) کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ حسین انسان کو کسی سرخی پاؤڈر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ یورپی تہذیب و ثقافت صرف ظاہری چمک دمک اور بناؤ سنگار سے کام لیتی ہے جبکہ قدرتی حسن و خوبصورتی ان تکلفات سے بے نیاز ہے۔

۵۔ ساز بجانے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ ذرا سی بھی غفلت کا شکار نہ ہو' اس لیے کہ کبھی کبھی طبیعت سے اٹھنے والے صحیح نغموں کے سُر تال بھی (اس غفلت کی وجہ سے) غلط ہو جاتے ہیں۔ گویا انسان جن چیزوں کو غیب کی آواز سمجھتا ہے' اپنی غفلت کی وجہ سے ان کی حقیقت یا مطلب غلط سمجھتا ہے۔

(۵۷)

۱۔ تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقہوں میں ہے فقط روباہی

۲۔ نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ شبانی کہ ہے تمہیدِ کلیم اللّٰہی

۳۔ لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحاں کے لیے
آہ' اس باغ میں کرتا ہے نفس کوتاہی

۴۔ ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

۵۔ صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

۱۔ جو خانقاہیں کبھی شیری' دلیری و بہادری اور شاہنشاہی' عظمت و سربلندی کی تربیت و پرورش کا مرکز ہوا کرتی تھیں' آج ان میں صرف عیاری و فریب کاری ہی رہ گئی ہے۔

آج کے نام نہاد صوفیا مختلف بہانوں اور فریبوں سے لوگوں سے مال ہتھیاتے ہیں۔

۲- مجھے آج کے قومی رہنماؤں میں وہ گلہ بانی نظر نہیں آ رہی جو "کلیم اللہی" کی تمہید بن سکے۔ (لغت دیکھیے) ان میں وہ جذبے نہیں ہیں جن سے وہ قوم میں خدا سے وابستگی کی آرزو پیدا کر سکیں اور یوں وہ (قوم) عظمت و بقا کی منزل پا لے۔

۳- اچھی اور دلنشین آواز والے پرندے کے لیے اس چمن میں نغمہ سرائی (چہچہانے) کی لذت کا سامان کیونکر ہو سکتا ہے جہاں اس کا سانس بھی اس کا ساتھ دینے میں کوتاہی کرے۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ ممکن ہے علامہ نے قوم کی بے حسی کے حوالے سے اپنے لیے یہ استعارہ استعمال کیا ہو (واللہ اعلم)

۴- ایک حیرت و سرمستی کچھ اس قسم کی ہے جس میں پوری طرح اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آئے' اور ایک حیرت و مستی سراسر آگاہی اور علم ہے۔ پہلی مستی کا تعلق فلسفہ یا فلسفیوں سے ہے' اس لیے کہ فلسفی حیرت کے باوجود منزل پر نہیں پہنچ جاتا۔ دوسری حیرت و سرمستی سچے عارفوں کی ہے۔

۵- میرا بلند فکر (عظیم شاعری) بجلی کی طرح چمکتا ہے تاکہ مسافر رات کی تاریکی میں کہیں راستہ نہ کھو بیٹھیں اور ادھر ادھر بھٹکتے پھریں۔ اس چمک اور روشنی میں وہ صحیح راستہ پر چلتے جائیں۔ میری شاعری میں دیے گئے پیغام کو اپنا کر اور اس پر عمل کر کے مسلمان راہِ ہدایت اختیار کریں اور جہد و عمل سے اپنی بقا کا سامان کر لیں۔

(۵۸)

۱- ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ — دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ
۲- چیتے کا جگر چاہیے' شاہیں کا تجسس — جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانش و فرہنگ
۳- کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ — بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

۱- مجھے فارسی کے مشہور اور خوش گو شاعر مسعود سعد سلمان کا یہ نکتہ یاد ہے کہ جو جواں مرد جفاکش ہوتے ہیں' یہ دنیا ان کے لیے تنگ نہیں ہوتی۔ یعنی وہ اپنی ہمت و دلیری اور محنت و مشقت سے ہر جگہ اپنے لیے سکون و راحت کا سامان کر سکتے ہیں۔

۲- اگرچہ علم و دانش کی روشنی نہ بھی میسر ہو پھر بھی زندگی گذارنا کوئی مشکل نہیں ہوتا' تاہم ہر حال میں چیتے کا سا حوصلہ اور شاہین کی سی تلاش و جستجو بنیادی ضرورت ہے۔

۳۔ تو بلبل اور مور کی پیروی سے توبہ کر' اس لیے کہ بلبل فقط ایک آواز ہے جبکہ مور صرف رنگ ہے۔ یہ دونوں باتیں (ظاہری خوش الحانی اور ظاہری رنگ و خوبصورتی) زندگی سنوارنے یا حقیقی زندگی کے کام نہیں آ سکتیں۔

(۵۹)

۱۔ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ — فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ
۲۔ علم کا مقصود ہے پاکیِ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
۳۔ علم فقیہ و حکیم' فقر مسیح و کلیم — علم ہے جویائے راہ' فقر ہے دانائے راہ
۴۔ فقر مقامِ نظر' علم مقامِ خبر — فقر میں مستی ثواب' علم میں مستی گناہ
۵۔ علم کا 'موجود' اور' فقر کا 'موجود' اور — اشہد ان لا الہٰ' اشہد اَن لا الہ
۶۔ چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی — ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ
۷۔ دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو — تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

۱۔ یہ تاج اور تخت نیز لشکر سبھی فقر و درویشی کے معجزے یا کرشمے ہیں۔ فقر سرداروں کا سردار اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ گویا حقیقی درویش اس کائنات پر حکومت کرتا ہے یا کائنات اس کی تسخیر میں ہوتی ہے۔

۲۔ علم کا مقصود عقل و خرد میں پاکیزگی پیدا کرنا ہے' جبکہ فقر کا مقصود دل و نظر کی عفت و پاکیزگی ہے۔

۳۔ علم فقیہوں اور فلسفیوں کا سرمایہ ہے جبکہ فقر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کا سرمایہ ہے۔ علم راستہ تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے جبکہ فقر راستے سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔ اس طرح کے موازنے سے فقر کی علم پر فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

۴۔ فقر نظر کا مقام ہے' یعنی فقر آدمی کو ایسے مقام پر لے جاتا ہے جہاں سے وہ سب کچھ اپنی نظروں سے دیکھ لیتا ہے' جبکہ علم خبر کا مقام ہے' یعنی وہ محض بتا سکتا ہے' کچھ دکھانے سے وہ قاصر ہے۔ فقر میں' عشقِ حقیقی کے جذبے کے باعث' مستی ثواب یا جائز ہے جبکہ علم کی رو سے مستی و بےخودی گناہ ہے۔

۵۔ ''موجود'' سے متعلق علم کا نظریہ کچھ اور ہے' جبکہ اس سلسلے (''موجود'' سے متعلق) میں فقر کی سوچ کچھ اور ہے۔ اشہدان لا الہ اگرچہ دونوں پڑھتے ہیں لیکن دونوں کے

انداز اور مفہوم و معنی میں فرق ہے۔

۶- جب خودی کی تلوار سان پر چڑھتی ہے یعنی تیز ہو جاتی ہے تو ایک سپاہی کا وار پورے لشکر کا وار بن جاتا ہے۔ خودی کی معرفت سے صاحب فقر بے پناہ قوتوں کا مالک بن جاتا ہے۔

۷- اگر تیرے جسم میں بیدار اور زندہ دل ہو تو تیری نگاہ سورج اور چاند کے آئینے توڑ ڈالے۔ حقیقی جذبوں کی ایسی روشنی پیدا ہو جائے جس کے آگے چاند اور سورج کی روشنی مات ہو جائے۔

(۶۰)

۱-	کمالِ جوشِ جنوں میں رہا میں گرمِ طواف	خدا کا شکر، سلامت رہا حرم کا غلاف
۲-	یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے	کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف
۳-	تڑپ رہا ہے فلاطون میانِ غیب و حضور	ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف
۴-	ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب	گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف
۵-	سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ	مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں ناصاف

۱- اگر چہ میں بے حد جوش جنون میں کعبہ کے گرد طواف کرنے میں لگا رہا، لیکن شکرِ ایزد کہ میں صحیح سلامت رہا، ورنہ میں اس حالت میں کعبہ کا غلاف پھاڑ ڈالتا تو یہ تعجب کی بات نہ ہوتی۔

۲- شہر کے فقیہ جو میرے (علامہ کے) خلاف متفق ہو گئے ہیں تو مومنوں کو ان فقہیوں کا یہ اتفاق مبارک ہو۔ یہی فقہا و علما باہم اختلاف و افتراق میں رہتے ہیں، لیکن اب اگر وہ علامہ کے خلاف متفق و متحد ہو گئے تو یہ بھی ایک بڑی خوشی کی اور مبارک بات ہے۔

۳- مشہور یونانی فلسفی افلاطون غیب و حضور کے درمیان تڑپ رہا ہے۔ یعنی وہ ایسے مقام پر ہے جہاں نہ تو حضوری میسر آ سکتی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی تجلی اس کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اربابِ عقل و خرد کا مقام ازل ہی سے اعراف رہا ہے، وہ نہ جنت میں ہیں اور نہ دوزخ میں، ان دونوں کے درمیان ہیں۔

۴- جب تک قرآن کریم تیرے ضمیر پر نازل نہ ہو اس وقت تک نہ تو رازی اور نہ ''کشاف'' کے مصنف زمخشری ہی تیرے عقدوں کو سلجھا سکتے ہیں۔ گویا تو قرآن کریم

پورے خلوص و حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے تو تجھ پر اس کے حقائق واضح ہوتے جائیں گے، مفسروں کی تفسیر اس سلسلے میں کام نہیں آ سکتی۔

۵- یورپ کی شراب کی تلچھٹ اگر چہ عام شراب کی تلچھٹ کی نسبت صفائی والی ہے لیکن اس کا سوز و سرور اور نشہ پائدار نہیں ہے۔ یعنی یورپی علوم میں بھی، خواہ وہ معمولی ہوں، فائدے ہیں، تاہم یہ فائدے مستقل نہیں، وقتی ہوتے ہیں۔

(۶۱)

۱- شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب — مقامِ شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب
۲- میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا — مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
۳- اگر چہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف — مری نوا میں نہیں طائرِ چمن کا نصیب
۴- سنا ہے میں نے سخن رس ہے تُرکِ عثمانی — سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعرِ غریب
۵- سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا — ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

۱- شعور و ہوش اور عقل و خرد کا معاملہ عجیب ہے۔ عشق کے مقام میں یہ سب دل و نظر کے رقیب ہیں۔ عقل و شعور نفع اور نقصان کے چکر میں پڑے رہتے ہیں اور ان (نفع و نقصان) کا اندازہ کیے بغیر ذرا بھی آگے نہیں بڑھتے۔ عشق ان باتوں سے بے نیاز ہے۔ اس لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کے رقیب ہیں، اس لیے عقل و شعور کے ساتھ عشق کی موافقت ممکن نہیں۔

۲- مجھے اس بات کا علم ہے کہ ملت کا حشر کیا ہوگا، اس لیے کہ خطیب، جو مذہبی پیشوا ہیں، وہ نظری مسئلوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ گویا فلسفہ و حکمت وغیرہ ہی سے انہیں دلچسپی ہے، اور ان مسائل کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہے جو ملت میں جذبہ و ولولہ پیدا کریں اور وہ جہد و عمل کی زندگی اختیار کر کے اپنی بقا کا سامان کر لے۔

۳- اگر چہ چمن کا پرندہ میرے آشیانے کے گرد چکر لگا رہا ہے لیکن میری نوا میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس استعارے سے یہ مقصود ہے کہ میرے کلام کو محض شوق کے تحت پڑھنے یا کسی محفل میں اسے سُر تال کے ساتھ گانا محض ایک بیکار قسم کا مشغلہ ہے، جبکہ اس میں دیے گئے پیغام پر خاص توجہ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے ہی میں قوم کی بھلائی ہے۔

۴-۵= میں نے سنا ہے کہ عثمانی ترک بڑے نکتہ رس ہیں۔ (اللہ کرے) کوئی انہیں اقبال کا یہ شعر سنا دے' اور وہ یہ کہ یہ لوگ (ترک) جن کے نشیمن سے ستارے بہت قریب ہیں' آج وہ یورپ کو اپنا قریبی ہمسایہ سمجھ رہے ہیں اور اپنی سوچ پر انہیں فخر و ناز بھی ہے۔ (لغت دیکھیے)

قطعہ

۱- اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
۲- یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
۳- وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست یہ مذہبِ مُلا و جمادات و نباتات

۱- اگرچہ میرے اندازِ بیان میں کوئی تیزی نہیں ہے' لیکن ممکن ہے کہ جو کچھ میں کہنا چاہ رہا ہوں' تیرا دل اس کا پورا پورا اثر لے۔ (وہ بات اگلے دو شعروں میں ہے۔)

۲-۳= یا تو آسمانوں کی پہنائی و وسعت میں مسلسل نعرہ تکبیر بلند کیا جائے یا پھر کسی کونے کھدرے میں بیٹھ کر تسبیح اور مناجات کا وِرد کیا جائے۔ اول الذکر عمل اپنی معرفت سے آگاہ اور خدا مست مجاہدوں جوانمردوں کا مذہب ہے جبکہ ثانی الذکر مُلاؤں اور جمادات و نباتات کا مذہب ہے۔ یعنی مردِ مومن مسلسل باطل قوتوں سے ٹکراتا رہتا ہے' مسلسل جہاد اس کی فطرت کا خاصا ہے اور اس طرح وہ اللہ کی عظمت و کبریائی کا عملی اعلان کرتا رہتا ہے' جبکہ محض تسبیح و مناجات کا ورد بے عمل اور جذبوں سے عاری مُلاؤں وغیرہ کا مشغلہ ہے' جس کی حقیقی زندگی کے لیے کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے۔

رُباعیات

(۱)

رہ و رسم حرم نامحرمانہ کلیسا کی ادا سوداگرانہ
تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

= کعبہ یعنی مسلمانوں کے طور طریقے ناواقفی و اجنبیت کے حامل ہیں' اسی طرح گرجا

یعنی عیسائیوں کا انداز سوداگروں/ تاجروں کا سا ہے، یعنی یہ دونوں قومیں دین و مذہب سے دور ہو گئی ہیں۔ ان میں کوئی مذہبی شان اور انداز نہیں ہے۔ آج کے اس دور میں، جس میں عشقِ حقیقی کے جذبوں سے سرشار لوگ نظر نہیں آتے، میرا پھٹا ہوا لباس تبرک ہے۔ گویا آج صرف میں (علامہ) ہی حقیقی زندگی گذارنے کے ڈھب بتا رہا ہوں جسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔

(۲)

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا　　تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج　　اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا

= اے موج! تو سمندر کی تاریکیوں میں گم ہو ہو کر سنبھل جا، تو تڑپتی رہ، پیچ و تاب کھا کھا کر خود کو بدلتی رہ، چونکہ سمندر کا کنارہ تیرے نصیب میں نہیں ہے، اس لیے تو ابھر اور جس طرف بھی تیرا دل چاہے تو ادھر نکل جا کہ سمندر میں بے حد وسعت ہے۔ موج استعارہ ہے دلیروں اور جوانمردوں کا اور تاریکیاں مصیبتوں اور مشکلوں کا۔ یعنی دلیر انسان مصائب و آلام اور مشکلات سے بے خوف ہو کر، مسلسل جہد و عمل سے اپنی عظمت و بقا کا سامان کریں۔

(۳)

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں　　جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں؟
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست　　مجھے اتنا بتا دیں مَیں کہاں ہوں؟

= خدا معلوم میں مکانی میں ہوں یا مکان و مقام سے آزاد و بے نیاز ہوں۔ آیا میں جہان ہوں (یا یہ دنیا مجھ سے الگ ہے۔) یا میں خود ہی سارا جہان ہوں۔ وہ یعنی محبوبِ حقیقی اپنے لامکانی ہونے کی حالت میں مست رہے، لیکن مجھے تو اتنا بتا دے کہ میں کہاں ہوں۔ انسان پر بعض مرتبہ یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ کیا ہے اور یہ دنیا کیا ہے، وغیرہ، علامہ نے غالباً اسی حوالے سے یہ کہا ہے۔

(۴)

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں　　خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست　　قیامت میں تماشا بن گیا میں

= قیامت کے دن بھی میں اپنی خودی کی خلوتوں میں کچھ اس طرح کھویا رہا جیسے میں خدا کے سامنے موجود نہ تھا' چنانچہ اپنی اسی محویت کے باعث میں نے محبوبِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کا جلوہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور یوں قیامت کے روز وہاں اکٹھے ہونے والے انسانوں کے لیے میں ایک تماشا بن گیا۔ بالواسطہ(Indirectly) خودی پر توجہ دینے کا درس ہے۔

(۵)

پریشاں کاروبارِ آشنائی　　پریشاں تر مری رنگیں نوائی

کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذتِ وصل　　خوش آتا ہے کبھی سوزِ جدائی

= کاروبارِ عشق ایک پریشان قسم کا کاروبار ہے اور میری رنگین نوائی اس سے بھی کہیں زیادہ پریشان ہے (دوسرے شعر میں اس پریشانی کی وضاحت ہے) چنانچہ کبھی تو میں محبوب کے وصل کی لذت کی تلاش میں لگ جاتا ہوں اور کبھی ہجر و جدائی کی تپش مجھے اچھی لگنے لگتی ہے۔ سچے عاشق کے لیے ہجر و وصل دونوں میں ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔

(٦)

یقیں مثلِ خلیلؑ آتش نشینی　　یقیں' اللہ مستی' خود گزینی

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار　　غلامی سے بتر ہے بے یقینی

= (یقین کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے) حضرت ابراہیمؑ کی طرح بے خوف و خطر ہو کر آگ میں بیٹھ جانا ہے۔ یقین اس محبوب حقیقی (اللہ) کی محبت میں مست رہنا اور خودگزینی ہے۔ اے آج کی تہذیب کے قیدی میری یہ بات ذرا غور سے سن کہ بے یقینی' غلامی سے بھی کہیں بڑھ کر بری ہے۔

(٧)

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے　　حرم کا راز توحیدِ اُمم ہے

تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

= عرب کے سوز (سوزِ عشق) میں پوری دنیا کی فلاح و بہبود کارفرما ہے۔ حرم کا راز قوموں میں وحدت و اتحاد پیدا کرنا ہے۔ جب کہ یورپ والوں کے افکار میں وحدت نام کی کوئی بات نہیں ہے۔ (وحدت سے محروم افکار ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپی تہذیب کا کوئی کعبہ ہی نہیں ہے۔ کعبہ وحدت کا بہت بڑا مرکز ہے' جہاں دنیا بھر کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ اکٹھے ہوتے ہیں' جبکہ یورپ کی تہذیب ایسی مرکزیت کی نہ حامل ہے اور نہ حامی ہی ہے۔

(۸)

کوئی دیکھے تو میری نَے نوازی نفس ہندی مقامِ نغمہ تازی
نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ طبیعت غزنوی' قسمت ایازی

= کوئی ذرا میری نے نوازی پر تو توجہ دے۔ میری سانس تو ہندی ہے لیکن میرے نغموں کا سرتال عربی ہے۔ میری نظر یورپی انداز سے آلودہ ہے۔ میری طبیعت سلطان محمود غزنوی کی سی اور قسمت ایاز (غلام) کی سی ہے۔ برصغیر میں اپنی ولادت لیکن اپنے پیغام کے عربی یعنی اسلام سے متعلق ہونے کی بات کی ہے۔ چونکہ علامہ نے یورپی علوم بھی حاصل کیے تھے' اس لیے تیسرے مصرع میں اس کا حوالہ لائے ہیں۔ پھر اپنی بے نیاز طبیعت کی بات کی ہے جو بادشاہوں کی سی ہے' لیکن بدقسمتی سے زندگی انگریزوں کی غلامی میں گذری۔

(۹)

ہر اک ذرے میں ہے شاید مکیں دل اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل
اسیرِ دوش و فردا ہے ولیکن غلامِ گردشِ دوراں نہیں دل

= شاید کائنات کے ہر ذرے کے اندر دل موجود ہے اور یوں وہ اس جلوت میں خلوت نشینی اختیار کیے ہے۔ اگرچہ وہ (دل) دوش و فردا کا اسیر ہے لیکن زمانے کی گردش کا غلام نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں غلامی ایک ایسی اذیت ناک بات ہے جسے ذرے تک یا ذروں کا دل بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ (غالباً یہی مفہوم ہے)

(۱۰)

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری تری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے

= تیری (آج کے مسلمان کی) سوچ اور فکر یا تیرے خیالات میں آسمانوں کی سی بلندی وعظمت نہیں ہے اور تیری پرواز کی ایسی کیفیت نہیں ہے کہ تیرے بارے میں یہ کہا جائے کہ تو صاحب لولاک حضور اکرمؐ کا صحیح معنوں میں غلام ہے۔ میں یہ مان لیتا ہوں کہ تیری اصل شاہین سے ہے یا تو اصل کے لحاظ سے شاہین ہے لیکن افسوس کہ تیری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے۔ اسلام کا پیرو ہونے کے لحاظ سے شاہین کہا ہے۔ شاہین بلندیوں پر پرواز کرتا ہے اور بے خوف ہو کر پرواز کرتا ہے' لیکن آج کے مسلمان میں یہ جرأت و بے باکی نہ ہونے کے باعث وہ خبیث انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

(۱۱)

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب ونظر مانگ نہیں ممکن امیری بے فقیری

= آج نہ تو کوئی صحیح معنوں میں مومن نظر آ رہا ہے اور نہ مومنوں کی سی اس میں امیری ہے۔ جہاں تک صوفی کا تعلق ہے تو اس کا ضمیر روشن نہیں رہا۔ اس صورت حال میں تو خدا سے پھر وہی پہلے مسلمانوں کا سا قلب ونظر مانگ' اس لیے کہ فقیری کے بغیر امیری کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یعنی مردِ حق کا سا اندازِ زندگی اختیار کرتا کہ تجھے عظمت و بقا بھی حاصل ہو اور تیرے مادی مفادات بھی پورے ہوتے رہیں اور تجھے کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ علامہ نے اس قسم کی رباعیات میں عموماً آج کے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔

(۱۲)

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

= خودی جب جلوت میں آ جائے، نمایاں ہو جائے تو اس میں حضور اکرم مصطفیٰؐ کے سے اوصاف آ جاتے ہیں اور جب وہ خلوت میں ہو، یعنی سامنے ظاہر نہ ہو پردے میں رہے تو اس میں خدائی عظمت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ زمین و آسمان اور کرسی و عرش یعنی ساری کائنات اور دوسری دنیا، گویا ساری خدائی خودی کی زد میں ہے۔

(۱۳)

نِگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں — خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی — اماں شاید ملے ''اللہ ہو'' میں

= نظر تو رنگ و بو (مادی دنیا) میں الجھی ہوئی ہے جبکہ عقل چار سو میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ یعنی نظر اور عقل دونوں اس دنیا کے الجھیڑوں میں الجھی ہوئی ہیں۔ اس صورتحال میں اے دل تو صبح سویرے کی آہ و فغاں نہ چھوڑ، جاری رکھ، اور اللہ ہو میں مست و محو رہ، اللہ ہو کرتا رہ، شاید اسی سے تجھے اماں ملے۔

(۱۴)

جمالِ عشق و مستی نے نوازی — جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ — زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

= نے نوازی میں عشق و مستی کا سا جمال ہے، جبکہ بے نیازی، یعنی ہر طرح کے مادی مفادات وغیرہ سے بے نیاز ہو جانا عشق و مستی کا جلال ہے۔ حضرت علیؓ حیدر کا سا جوش و ولولہ اور جرأت عشق و مستی کے کمال کی علامت ہے۔ مشہور فلسفی امام فخر الدین رازیؒ کی فلسفیانہ باتیں یا موشگافیاں عشق و مستی کے زوال کی نشانی ہیں۔ یہاں رازیؔ سے مراد دوسرے فلسفی بھی ہو سکتے ہیں جن کی الٹی سیدھی دلیلیں انسان کو عشق حقیقی سے دور کرتی ہیں۔

(۱۵)

وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے؟ — مری بجلی، مرا حاصل کہاں ہے

مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے

= وہ رونق کی محفل یعنی میرا محبوب کہاں ہے، وہی گویا میری بجلی ہے (جو عموماً حاصل پر گرتی ہے) اور وہی میرا حاصل ہے، وہ کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ وہ دل کی خلوتوں میں رہتا ہے، لیکن خدا معلوم دل کا مقام کہاں ہے۔ محبوبِ حقیقی سے متعلق اپنی حیرت نیز شیفتگی و وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ بقولِ سعدیؔ:

گر کسے وصفِ او ز من پرسد
بے دل از بے نشاں چہ گوید باز
عاشقاں کشتگانِ معشوقند
بر نیاید ز کشتگان آواز

(اگر کوئی مجھ سے اس محبوبِ حقیقی کا وصف پوچھے تو یہ بیدل یعنی عاشق اس بے نیاز کے بارے میں کیا بتائے، اس لیے کہ عاشق تو معشوق کے یعنی اس کی محبت کے مارے ہوئے ہیں اور مُردوں سے آواز نہیں نکلتی۔)

(١٦)

سوارِ ناقہ و محمل نہیں میں نشانِ جادہ ہوں، منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے خاشاک سوزی فقط بجلی ہوں میں، حاصل نہیں میں

= میں نہ تو اونٹنی کا سوار ہوں اور نہ محمل نشین ہوں۔ میں تو محض راستے کا نشان ہوں، منزل یا منزلِ مقصود نہیں ہوں۔ میری تقدیر میں تو یہ لکھا ہے کہ گھاس پھونس یا تنکوں کو جلا دوں، کیونکہ میں بجلی ہوں، حاصل نہیں ہوں۔ یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ میں اپنی شاعری کے ذریعے قوم میں حقیقی زندگی گذارنے کے جذبے پیدا کروں اور ان کی خامیوں، کوتاہیوں اور بے عملی کو دور کرنے کی کوشش کروں۔

(١٧)

ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے ترا دم گرمیِ محفل نہیں ہے
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

= تیرے (آج کے مسلمان کے) سینے میں سانس تو ہے لیکن دل نہیں ہے، اور تیرا یہ

سانس بھی ایسا نہیں ہے کہ محفل کی گرمی و رونق یا ہنگامے کا باعث بنے۔تو عقل سے آگے گذر جا' عقل کے سہارے پر نہ رہ' اس لیے کہ یہ نور (عقل) راستے کا چراغ تو ہے منزل نہیں ہے۔اصل چیز جو منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے وہ عشقِ حقیقی ہے۔

(۱۸)

ترا جوہر ہے نوری' پاک ہے تو   فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور   کہ شاہینِ شہِ "لولاک" ہے تو

= تیرا جوہر نوری ہے اور تو (مسلمان' ہر طرح کے کفر و شرک وغیرہ سے) پاک ہے' یہی نہیں بلکہ تو آسمانوں کی آنکھ کا تارا بھی ہے۔ چونکہ تو شاہِ لولاکؐ (حضور اکرمؐ) کا پروردہ شاہین ہے' اس لیے فرشتے اور حوریں بھی تیرے معمولی شکار ہیں۔

(۱۹)

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے   مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج' دل پریشاں' سجدہ بے ذوق   کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

= آج کے مسلمانوں میں عشق و محبت کا جنون باقی نہیں رہا۔ان میں یا ان کی رگوں میں کوئی خون باقی نہیں رہا' یعنی وہ جذبوں اور ولولوں سے محروم ہو چکے ہیں اور جہد و عمل کی طرف بالکل رغبت نہیں کر رہے کہ اپنی عظمت و بقا کا سامان کر سکیں۔آج ان کی یہ حالت ہے کہ نماز میں ان کی صفیں ٹیڑھی ہیں' جو افتراق کی علامت ہے' ان کے دل پریشان ہیں جبکہ ان کے سجدے ذوق و حضورِ قلب سے محروم ہیں' کیونکہ ان کے دل عشقِ حقیقی کے جذبوں سے خالی ہیں۔سجدوں کے بارے میں شمیم کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوصِ عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

(۲۰)

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا   مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا
برنگِ بحر ساحل آشنا رہ   کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

= (اے آج کے مسلمان) تو اپنی خودی کے زور سے اس دنیا یا ساری کائنات پر چھا جا اور یوں اس کائنات کے مقام کے راز سے آگاہ ہو جا۔ تو سمندر کی مانند اپنے ساحل سے آشنا رہ یعنی اس سے تعلق برقرار رکھ، تاہم ساحل کی جھاگ (یا اس پر اٹھنے والے بلبلوں) سے اپنا دامن بچا کے رکھ۔ یعنی اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے تعلق تو نہیں توڑا جا سکتا، تاہم تو ایسی چیزوں سے ذرا بچ کے رہ یا ان سے دور رہ جو عارضی و فانی ہیں اور جو تجھے کوئی بھی اور ذرا سا بھی نفع و فائدہ پہنچانے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔
خودی سے متعلق الٰہی (میر الٰہی، وفات ۱۰۶۳ھ) کا یہ شعر لائق توجہ ہے:

من نمی گویم گدائی یا شہنشاہی گزیں
خویش را بگزیں و دیگر ہرچہ می خواہی گزیں

(میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ تو گدائی یا شہنشاہی کا انتخاب کر یا اختیار کر، پہلے خود کو چن یا خودی اختیار کر اس کے بعد جو تیرا دل چاہے تو اختیار کر۔)

(۲۱)

چمن میں رختِ گل شبنم سے تر ہے سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

= اگرچہ چمن میں پھول کا ساز و سامان یا لباس شبنم سے تر ہے، پھر وہاں چنبیلی کا پھول بھی ہے، سبزہ بھی ہے اور صبح کی ہوا یا نسیم سحر بھی ہے، یعنی ہر طرح کے پھول ہیں اور حسین قدرتی منظر ہے لیکن وہاں کوئی ہنگامہ گرم نہیں ہو سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ چمن کے لالہ میں جگر کا سوز نہیں ہے۔ لالہ استعارہ ہے آج کے مسلمان کا جو سوز جگر اور جذبوں، ولولوں سے محروم ہے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم کارنامہ انجام دے سکے۔

(۲۲)

خرد سے راہ رَو روشن بصر ہے خرد کیا ہے چراغِ رہ گذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا چراغِ رہ گذر کو کیا خبر ہے

= خرد سے راہرو کی آنکھ روشن ہو جاتی ہے۔ خرد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ

وہ راستے کا چراغ ہے جس کی روشنی میں راستے کا نشان نظر آتا رہتا ہے۔ اس چراغِ رہ گذر کو کیونکر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ گھر کے اندر کیسے کیسے ہنگامے برپا ہیں۔ مطلب یہ کہ عقل و خرد بس اسی حد تک رہنمائی کر سکتی ہے' اصل منزل یا منزلِ مقصود تک پہنچانا اس کے بس کی بات نہیں' یہ مقصد صرف جذبۂ عشق اور جہد و عمل ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔

(۲۳)

جوانوں کو مری آہِ سحر دے　　پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے　　مرا نورِ بصیرت عام کر دے

= اے میرے خدا! تو جوانوں (مسلم نوجوانوں) کو میری صبح کی آہ و فریاد سے (جو میں تیرے حضور کرتا ہوں) نواز۔ انہیں' جو شاہین کی اولاد ہیں' پھر سے ایسے بال و پر عطا فرما جن سے وہ بلندیوں پر اُڑ سکیں' یعنی جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر اپنی عظمت و بقا کا سامان کریں۔ تیرے (خدا کے) حضور میری صرف یہی آرزو ہے کہ تو نے مجھے جس نورِ بصیرت سے نوازا ہے' اسے عام کر دے' سب مسلمانوں' بالخصوص نوجوانوں میں یہ جذبہ اور نورِ بصیرت عام ہو جائے۔

(۲۴)

تری دنیا جہانِ مرغ و ماہی　　مری دنیا فغانِ صبح گاہی
تری دنیا میں مَیں محکوم و مجبور　　مری دنیا میں تیری پادشاہی

= اے مولا کریم! یہ مرغ و ماہی کی دنیا تیری دنیا ہے۔ یعنی اس کائنات کی ہر شے کا تو خالق و مالک ہے' جبکہ میری دنیا یا میری دنیا کا سارا سرمایہ تیرے حضور میری صبح کے وقت کی آہ و فغاں ہے۔ تیری دنیا میں میں غلامی و محکومی اور مجبوری کا اسیر ہوں' جبکہ میری دنیا میں صرف تیری بادشاہی ہے' یعنی اگرچہ میں زمانے کے مختلف اور تکلیف دہ حالات سے گذر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میری تمام تر توجہ تیری ذاتِ گرامی کی طرف ہے' تو ہی میرا بادشاہ ہے اور میری یہ آہ و فغاں تیرے ہی حضور ہے' دنیاوی حکمرانیوں سے میں بے نیاز ہوں۔

(۲۵)

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

= اے ذاتِ کریم! یہ تیرا مجھ پر بڑا کرم ہے کہ تو نے مجھے جوہر سے محروم نہیں رکھا' اس سے نوازا ہے' چنانچہ اسی جوہر کی بنا پر میں کسی طغرل و سنجر کا غلام نہیں ہوں۔ بڑے بڑے حکمرانوں کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے' میں ان سے بے خوف اور بے نیاز ہوں۔ اگرچہ جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن میں کسی جمشید کا پیالہ یا جام نہیں ہوں۔ (لغت دیکھیے)

(۲۶)

وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے مکاں کیا شے ہے' اندازِ بیاں ہے
خضر کیونکر بتائے' کیا بتائے اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے!

= وہی یعنی خدا تعالیٰ ہی مکاں اور لامکاں کی اصل ہے۔ مکان کیا شے ہے؟ یہ محض ایک اندازِ بیان ہے۔ مطلب یہ کہ اس ضمن میں ہم نے یہ (مکان کی) اصطلاح گھڑ رکھی ہے' اس کا یا کائنات کا ظاہری وجود حقیقت سے خالی ہے یا حقیقی نہیں ہے۔ اگر کوئی مچھلی حضرت خضر سے یہ پوچھے کہ دریا کہاں ہے؟ تو خضر اسے کیا جواب دے سکتے اور کیا بتا سکتے ہیں۔ وہی اشیائے کائنات کے ظاہری وجود کی بات ہے۔

(۲۷)

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

= عشق کی مختلف حالتیں کچھ اس ڈھب کی ہیں کہ کبھی تو وہ آوارہ اور بے خانماں ہوتا ہے اور کبھی وہ نوشیرواں کی طرح بادشاہوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ کبھی وہ زرہ پہن کر میدان (میدانِ جنگ) میں آجاتا ہے اور کبھی وہ عریاں یعنی زرہ کے بغیر ہوتا ہے اور کبھی تلوار اور ڈھال سے بھی بے نیاز ہو کر میدانِ جنگ میں آجاتا ہے۔ گویا عشق

حقیقی مختلف موقعوں اور حالتوں نیز ماحول کے مطابق برقرار رہتا ہے' یا اس کی مثالیں ہر دور میں نظر آتی ہیں۔

(۲۸)

کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق

= عشق کو کبھی تو پہاڑ اور وادی کی تنہائی پسند آتی اور بھاتی ہے اور کبھی وہ سوز و سرور اور انجمن کی طرف آ جاتا ہے' کبھی وہ محراب و منبر کا سرمایہ بن جاتا ہے اور کبھی فاتح خیبر حضرت علیؓ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ رباعی ۲۷ اور یہ رباعی دونوں میں جذبۂ عشق حقیقی سے سرشاری کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں کی تصویر کشی کی گئی ہے' اور یہ تاریخی مثالوں کے پس منظر کے حوالے سے کی گئی ہے۔

(۲۹)

عطا اَسلاف کا جذبِ دروں کر شریک زمرۂ ''لا یحزنوں'' کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مِرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

= اے خدائے کریم! تو مجھے اسلاف کا سا جذب دروں عطا فرما اور مجھے ''لا یحزنوں'' کے گروہ یا جماعت میں شریک فرما۔ (لغت دیکھیے) میں عقل و خرد کی گتھیاں تو سلجھا چکا ہوں' لہٰذا اے میرے مولا! تو اب مجھے اپنے عشق و محبت سے سرشار ہونے والا بنا دے۔ ''خرد کی گتھیاں'' سے مراد علامہ نے فلسفہ وغیرہ کے جو علوم حاصل کیے' گویا اب ان کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ وہ عشق حقیقی کے جذبے سے سرشار اور یوں ہر طرح کے خوف و غم سے بے پروا ہو جائیں۔

(۳۰)

یہ نکتہ مَیں نے سیکھا بوالحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

= میں نے یہ گہری بات مشہور صوفی حضرت ابوالحسن بصری سے سیکھی ہے جن کا کہنا ہے کہ

جسم کی موت سے جان/ روح نہیں مرتی۔ یوں سمجھو کہ اگر سورج اپنی کرنوں سے بیزار ہو جائے تو اس میں چمک کہاں باقی رہے گی۔ قرآنی آیت کے مطابق خدا نور ہے اور روح اس کی ایک کرن ہے۔ چونکہ روح خدائی نور کا پرتو ہے' اس لیے وہ نہیں مر سکتی' جسم تو ایک مادی شے ہے وہ بہر صورت مر جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ الاسراء' آیت ۱۷)

(۳۱)

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے   بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے   خرد بیزار دل سے' دل خرد سے

= خرد نیک و بد سے ناواقف ہے یا اس میں اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ وہ ظالم اپنی حد سے بڑھی جا رہی ہے۔ خدا معلوم مجھ پر یہ کیسی کیفیت طاری ہوگئی ہے کہ میری عقل دل سے بیزار ہوگئی ہے اور دل عقل سے بیزار ہو گیا ہے۔ بالواسطہ عشق کے مقابلے میں عقل کے کمتر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۲)

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے   خداوندا خدائی دردِ سر ہے
ولیکن بندگی' استغفر اللہ   یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

= اے خدا تعالیٰ! خدائی تمام خشکی اور پانی کے علاقے یعنی کائنات کے نظم ونسق/ بندوبست کے چلانے کا نام ہے۔ اور دیکھا جائے تو یہ (خدائی) ایک طرح سے دردِ سر ہے' رنج و تکلیف کا باعث ہے' لیکن بندگی؟ خدا کی پناہ' یہ تو دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے۔ یعنی خدائی سے بھی زیادہ کہیں اذیت ناک اور بہت بڑی مصیبت ہے۔

(۳۳)

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا؟   کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں' نے خدا بیں' نے جہاں بیں   یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا؟

= اے مالک و خالق! میں بصیرت سے عاری اس انسان کا کیا ماجرا سناؤں؟ کیا تو نے

اسی بے بصر انسان کو بحرو بر کا سلطان (اشرف المخلوقات) بنا رکھا ہے۔ وہ نہ تو خود بیں ہے‘ نہ خدا بیں ہے اور نہ جہاں بیں ہی ہے‘ تو کیا تیری تخلیق کے ہنر کا یہی شاہکار ہے؟ خاص طور پر آج کے انسانوں کے حوالے سے یہ کچھ کہا ہے‘ جن میں اوصاف کم اور مختلف قسم کی برائیاں زیادہ ہیں۔ یہ انداز اس صورتِ حال پر خاصے دکھ کا اظہار ہے‘ اس میں خدا کی تخلیق پر تنقید مقصود نہیں ہے۔

(۳۴)

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے ‏ ‏ اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر ‏ ‏ شبانی سے کلیمیؑ دو قدم ہے

= ایک عارف یا صاحب معرفت و عرفان کا سانس گویا صبح کی بادِ نسیم ہے‘ کیونکہ اسی سے حقیقت کے ریشے میں نمی پیدا ہوتی ہے (اسی ہوا سے پھول کھلتے ہیں اور ان میں تازگی و شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔) اگر حضرت شعیبؑ جیسا مربی اور رہنما مل جائے تو گلہ بانی کرتے ہوئے کلیمی کے درجے تک پہنچ جانا صرف دو قدم کی بات ہے۔ (غزل ۵۷ کی لغت دیکھیے) مطلب یہ کہ اگر ایک عظیم رہنما و مرشد مل جائے تو ایک معمولی انسان بھی قوم کو باطل قوتوں سے نجات دلانے والا بن جاتا ہے۔

(۳۵)

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے ‏ ‏ وہ دل‘ وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج ‏ ‏ یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

= (آج کے مسلمان سے خطاب ہے) تیری رگوں میں وہ پہلے مسلمانوں والا خون نہیں رہا اور نہ تیرا ان جیسا دل ہے اور نہ ان جیسی تیری کوئی آرزو ہی رہی ہے۔ گویا تجھ میں ان جیسے عظیم جذبے اور ولولے نہیں رہے اور نہ تو عشق حقیقی ہی میں کسی قدر محو ہے۔ یہ نماز و روزہ اور قربانی و حج سبھی باقی ہیں لیکن تو باقی نہیں ہے۔ یعنی تو جس طرح حضورِ قلب اور خلوصِ عقیدت کے بغیر محض دکھاوے کی خاطر ارکان و احکام اسلام بجالا رہا ہے‘ اس سے ان ارکان کی شان و عظمت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا‘ البتہ اس سے تیری شان و عظمت نہیں رہتی۔ بقول شمیم:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوصِ عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

(۳۶)

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی گیا دَورِ حدیث ''لَن ترانی''
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار وہی مہدیؑ وہی آخر زمانی

= پوشیدہ راز ظاہر ہونے لگے ہیں۔ اب ''لَن ترانی'' کی بات سننے کا دور گذر گیا۔ (لغت دیکھیے) آج وہی مہدی اور وہی آخر زمانی کہلائے گا یا بنے گا جس کی خودی سب سے پہلے نمایاں ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کے حوالے سے جو بات کی گئی ہے' اس سے مراد واقعی اس طرف اشارہ نہیں ہے' اس لیے کہ ایک عام آدمی پیغمبر کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ کہ اب جلوہ سے محرومی کا دور نہیں رہا' اب تو جس بھی عظیم انسان کی خودی پختہ ہوگی اور سب سے پہلے سامنے آئے گی' وہی مہدیِ آخر زماں کہلانے کا مستحق ہوگا' یا وہی درحقیقت مہدی آخرزماں ہوگا۔

(۳۷)

زمانے کی یہ گردش جاودانہ حقیقت ایک تُو' باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا فقط امروز ہے تیرا زمانہ

= زمانہ کی گردش ہمیشہ سے جاری ہے۔ صرف تو (انسان) ہی ایک حقیقت ہے' تجھ سے ہٹ کر جو کچھ بھی ہے وہ محض افسانہ ہے' اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کسی نے نہ تو گذری ہوئی کل دیکھی ہے اور نہ کوئی آنے والا کل ہی دیکھ سکے گا۔ حقیقت میں صرف ''آج'' ہی تیرا زمانہ ہے۔ مطلب یہ کہ ماضی و مستقبل کے چکر میں نہ پڑا جائے' آج یعنی حال کو غنیمت یا وقت کو بے حد قیمتی سمجھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے' اس سے کام لیا جائے اور جہد و عمل سے اپنی تقدیر کو سنوارا جائے۔

(۳۸)

حکیمی' نا مسلمانی خودی کی کلیمی' رمزِ پنہانی خودی کی

تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں	غریبی میں نگہبانی خودی کی

= حکمت و فلسفہ سے وابستگی کچھ ایسی ہے کہ اس سے خودی میں اسلامی شان نہیں رہتی' ایسی خودی یقین و ایمان سے بے بہرہ رہتی ہے' جبکہ کلیمی خودی کا ایک پوشیدہ راز ہے۔ گویا حضرت موسیٰؑ کی طرح باطل قوتوں سے ٹکر لینا ہے۔ کیا میں تجھے فقر و درویشی کا گُر بتا دوں؟ تو سن لے کہ غریبی میں خودی کی حفاظت کرنے ہی سے فقر و شاہی تیرا مقدر بن سکتی ہے۔ اس سے فقیری میں بھی تجھے شاہانہ عظمت مل جائے گی۔

(۳۹)

ترا تن روح سے ناآشنا ہے	عجب کیا! آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق	خدائے زندہ' زندوں کا خدا ہے

= تیرا بدن روح سے ناواقف ہے' بے تعلق ہو گیا ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر تیری آہ میں کوئی اثر نہیں رہا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے جسم سے بیزار ہے جس میں روح نہ ہو' یعنی جو انسان جذبوں سے خالی ہو۔ وہ چونکہ خود زندہ یعنی حی و قیوم ہے اس لیے وہ زندوں ہی کا خدا ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کو بھی وہی انسان پسند ہے اور اسی کی آہ و فریاد کو وہ قبول کرتا ہے جو انسان جذبوں اور ولولوں اور ہمت و مردانگی سے کام لیتا رہے۔ غفلت اور کوتاہی کے مارے ہوؤں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

قطعہ

اقبالؔ نے کل اہلِ خیاباں کو سنایا	یہ شعرِ نشاط آور و پُرسوز و طربناک
میں صورتِ گُل دستِ صبا کا نہیں محتاج	کرتا ہے مرا جوشِ جنوں میری قبا چاک

= کل اقبال نے باغ والوں کو یہ نشاط آور' پُرسوز اور خوشی و انبساط سے پُر شعر سنایا (اور وہ یہ کہ) میں پھول کی طرح صبح کی ہوا کے ہاتھ کا محتاج نہیں ہوں۔ (صبح کی ہوا سے پھول کھل اٹھتے ہیں) اس لیے کہ خود میرا جوشِ جنوں میری قبا تار تار کر دیتا ہے۔ گویا انسان اگر اپنی خودی کی معرفت سے آگاہ ہو جائے تو وہ اپنی حقیقی زندگی کا مقصد حاصل کر لیتا ہے' جبکہ دنیا کی ہر شے کو اس کے لیے دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔

دُعا

(مسجد قرطبہ میں لکھی گئی) (لغت دیکھیے)

۱- ہے یہی میری نماز' ہے یہی میرا وضو — میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
۲- صحبتِ اہلِ صفا' نور و حضور و سرور — سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو
۳- راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق — ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
۴- میرا نشیمن نہیں درگہِ میر و وزیر — میرا نشیمن بھی تو' شاخِ نشیمن بھی تو
۵- تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ نشور — تجھ سے مرے سینے میں آتشِ "اللہ ہو"
۶- تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ — تو ہی مری آرزو' تو ہی مری جستجو
۷- پاس اگر تو نہیں شہر ہے ویراں تمام — تو ہے تو آباد ہیں اُجڑے ہوئے کاخ و کو
۸- پھر وہ شرابِ کہن مجھ کو عطا کر کہ میں — ڈھونڈ رہا ہوں اُسے' توڑ کے جام و سبو
۹- چشمِ کرم ساقیا! دیر سے ہیں منتظر — جلوتیوں کے سبو' خلوتیوں کے کدو
۱۰- تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ — اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سو
۱۱- فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا — حرفِ تمنا' جسے کہہ نہ سکیں روبرو

۱- اے میرے مولا کریم! میں جو نغمے الاپ رہا ہوں (فریادیں کر رہا ہوں) وہ محض آواز نہیں ہیں' ان میں میرے جگر کا لہو شامل ہے اور یہی میرا وضو ہے اور یہی میری نماز ہے۔ یعنی میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سراسر تیرے عشق میں ڈوب کر کر رہا ہوں اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ کر رہا ہوں۔ محض شاعرانہ خیال آرائی نہیں کر رہا۔ علامہ نے اپنی اس حالت و کیفیت کو نماز و وضو قرار دیا ہے۔

۲- جن لوگوں کے دل اور باطن صاف ہیں' ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک ہیں' ان کی صحبت میں بیٹھنا دل کو منور کرتا ہے' محبوب کی حضوری بھی میسر آتی ہے اور یوں کیف و سرور کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح لالہ کا پھول ندی کے کنارے تر و تازہ اور شگفتہ رہتا ہو اور اس میں سرخی بھی خوب رہتی ہو۔ گویا ندی استعارہ ہے اہل صفا کا اور لالہ اہل صفا کی صحبت میں بیٹھنے والے کا۔

۳- محبت کی راہ میں کوئی کسی کا ساتھی نہیں بنتا' اس لیے کہ یہ راہ بڑی دشوار گذار ہے۔ اس راہ دشوار میں صرف میری آرزو میرا ساتھ دے رہی ہے۔ مطلب یہ کہ جذبۂ عشق ہی

مجھے اس راہ پر آگے لیے جا رہا ہے' اور یہی تجھ تک رسائی کا باعث بن سکتا ہے۔

۴۔ میرے مولا کریم! میں نے نہ تو امیروں کے در کو اپنا ٹھکانا بنایا ہے اور نہ وزیروں کی بارگاہ کو ٹھکانا بنایا ہے' میں ان سب سے بے نیاز ہوں' کسی بھی دنیاوی دولت و مرتبہ کے حامل آدمی کو اس لائق نہیں سمجھتا۔ میرا تو نشیمن بھی تو ہے اور شاخِ نشیمن بھی تو ہی ہے۔ گویا یہ تیرا مجھ پر کرم ہے کہ مجھے تو نے اس شعور و توفیق سے نوازا ہے کہ میرا سب کچھ تو ہی ہے۔

۵۔ تیرے عشق ہی کی بدولت میرا گریبان صبحِ قیامت کے طلوع کی صورت اختیار کر گیا اور تیرے عشق ہی کی وجہ سے میرے سینے میں ''اللہ ہو'' کی آگ روشن ہے۔ مطلب یہ کہ تیرے عشق کی بدولت میرے گریبان سے قیامت کے سے ہنگامے اٹھ رہے ہیں۔ جس طرح قیامت کے روز مردے زندہ ہو جائیں گے' اسی طرح' تیرے کرم سے' میرا جذبہ عشق کا حامل کلام مردہ لوگوں میں زندگی کی روح پھونک دے۔

۶۔ تیرے عشق ہی کی بدولت میری زندگی پورے طور پر سوز و تپش اور درد و داغ بنی ہوئی ہے۔ تو ہی میری آرزو ہے' تو ہی میرا سب کچھ ہے اور تیری ہی مجھے تلاش و جستجو ہے۔

۷۔ اگر (اے محبوبِ حقیقی!) تو میرے پاس نہیں ہے تو میرے لیے یہ شہر' یہ آبادیاں سب گویا ویران جگہیں ہیں۔ اور اگر تو پاس ہے تو اُجڑے ہوئے محل اور کوچے بھی آباد ہیں۔ گویا میرے لیے آبادیاں تیرے بغیر اجاڑ ہیں اور تو پاس ہو تو اجاڑ بھی آباد ہیں۔

۸۔ تو مجھے پھر وہی پرانی شراب عطا فرما' اس لیے کہ میں اپنے جام و سبو توڑ کر اس پرانی شراب کی تلاش میں لگا ہوا ہوں۔ یعنی قوم کو وہ پہلے مسلمانوں کے سے جذبے اور ولولے عطا کر جن سے وہ دنیا پر چھا گئے اور اپنی عظمت و سربلندی نیز بقا کا سامان کر گئے۔

۹۔ اے ساقی! (محبوبِ حقیقی) ہم پر چشمِ کرم فرما' اپنے لطف و کرم سے نواز' کیونکہ جلوتیوں کے سبو اور خلوتیوں کے کدو ایک مدت سے اس کے انتظار میں ہیں۔ (لغت دیکھیے)

۱۰۔ اے مولا کریم! میرے جنوں کو تیری خدائی سے گلہ ہے اور وہ یہ کہ اپنے لیے تو تو نے لامکاں پسند کر رکھا ہے اور میرے لیے مقررہ حدوں والی دنیا تجویز کر رکھی ہے۔ مطلب یہ کہ تو مجھے بھی میرے جذبہ عشق کی بدولت ان مکانی حدود سے آزاد کر کے لامکانی بنا دے۔

۱۱۔ فلسفہ اور شعر کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ یہ حرفِ آرزو بیان کرنے کا ذریعہ

ہیں۔ایسی آرزو بیان کرنے کا ذریعہ جو محبوب کے سامنے واضح طور پر بیان نہ کیا جا سکے۔گویا شعر اور فلسفہ میں دل کی باتیں استعاروں، کنایوں اور رمزوں ہی میں بیان کی جا سکتی ہیں۔

مسجدِ قرطبہ

(یہ نظم ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

پہلا بند

۱۔ سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات	سلسلۂ روز و شب اصلِ حیات و ممات
۲۔ سلسلۂ روز و شب تارِ حریرِ دو رنگ	جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے ذات
۳۔ سلسلۂ روز و شب سازِ ازل کی فغاں	جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
۴۔ تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ	سلسلۂ روز و شب صیرفیِ کائنات
۵۔ تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار	موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات
۶۔ تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا	ایک زمانے کی رَو جس میں نہ دن ہے نہ رات
۷۔ آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر	کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات
۸۔ اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا	نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

۱۔ دن اور رات کی گردش کا سلسلہ یعنی زمانہ نت نئے واقعات کے نقش تیار کرتا اور وہی زندگی اور موت کی اصل ہے۔گویا گردشِ دوراں سے نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں، پہلی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں، گویا ہر پل تغیر جاری رہتا ہے۔

۲۔ یہ سلسلۂ روز و شب کچھ اس طرح ہے جیسے ریشم کا دورنگا تار ہو (سفید اور سیاہ) اسی تار سے ذاتِ باری تعالیٰ اپنی قبا یا اپنا لباس تیار کرتی ہے۔یعنی زمانے کی گردش کو دیکھ کر خالق کائنات کے پروردگار ہونے اور ہادی و مالک ہونے کا پتا چلتا ہے۔

۳۔ سلسلۂ روز و شب ازل کے ساز سے پیدا ہونے والی ایسی لَے ہے جس سے ذاتِ کریم ممکنات کے زیر و بم دکھاتی ہے۔گویا یہ سلسلہ تخلیق کائنات کے ساتھ ہی شروع ہو گیا کہ اس سے کائنات کی صلاحیتیں نمایاں ہو سکتی تھیں۔

۴۔ یہ سلسلۂ روز و شب کائنات کا صراف ہے جو تجھے بھی اور مجھے بھی پرکھتا ہے۔یعنی یہ سب کے لیے ایک ہی قسم کی کسوٹی ہے۔

۵۔ اگر تو اس کے معیار/کسوٹی پر پورا نہیں اترتا' یا اگر میں کم عیار ہوں تو تیری اور میری قسمت میں موت ہے' مٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کسوٹی پر پورا نہ اترنے والا صاحب بقا نہیں بن سکتا' ہمیشہ کی فنا اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

۶۔ تیرے شب و روز کی بس یہی حقیقت ہے کہ یہ زمانے کی ایک لہر ہے (گردش ہے) جس میں نہ تو دن ہے اور نہ رات ہے۔ گویا زندگی یا حقیقی زندگی مسلسل چلتے رہنے' جدو جہد کرتے رہنے کا نام ہے۔ علامہ کی کے بقول:

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
ہے جواں ہر دم رواں' پیہم دواں ہے زندگی

۷۔ انسان نے ہنر و فن کے جو نادر کارنامے نمایاں کیے وہ محض آنی و فانی یعنی جلد فنا ہو جانے والے ہیں۔ کائنات کی صورتِ حال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا سلسلہ ناپایدار اور عارضی و فانی ہے اور کوئی شے بھی ہمیشگی کی حامل نہیں ہے۔

۹۔ گویا یہاں اول و آخر بھی فنا ہے اور ظاہر و باطن بھی فنا ہی کا شکار ہیں۔ اس لحاظ سے کوئی نقش پرانا ہو یا نیا ہو' ہر دو کی منزلِ آخر فنا ہے۔ یہاں کسی شے کو ثبات نہیں ہے۔

دوسرا بند

۱۔ ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام — جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
۲۔ مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
۳۔ تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو — عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
۴۔ عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
۵۔ عشق دمِ جبرئیل' عشق دلِ مصطفیٰ — عشق خدا کا رسول' عشق خدا کا کلام
۶۔ عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک — عشق ہے صہبائے خام' عشق ہے کاس الکرام
۷۔ عشق فقیہِ حرم' عشق امیرِ جنود — عشق ہے ابن السبیل' اس کے ہزاروں مقام
۸۔ عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

۱۔ (اگرچہ کائنات کی ہر شے کو فنا ہے تاہم) وہ نقش ہمیشہ ہمیشہ کی پایداری والا بن جاتا ہے جسے کسی مردِ خدا نے مکمل کیا ہو۔

۲۔ (اس ثباتِ دوام کی وجہ یہ ہے کہ) مردِ خدا کا جو بھی عمل ہے' وہ عشقِ حقیقی ہی کی

بدولت ترقی کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ کیونکہ عشق حق ہی زندگی کی اصل یا روح ہے اور موت اس پر حرام ہے' موت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ عشق سراپا بقا ہے۔

۳۔ اگرچہ زمانے کی لہر/ رَو بڑی تند و تیز ہے' مسلسل گردش میں رہتی اور سامنے آنے والی ہر شے کو بہا لے جاتی یا مختلف صورتوں میں مٹا دیتی ہے لیکن عشق حق خود ایک بڑا سیل/ طغیانی ہے اور وہ زمانے کی اس رو کو روک لیتا ہے' یعنی وہ زمانے کی گردش کا شکار نہیں ہوتا۔

۴۔ اس عشق حق کی جنتری میں صرف جاری زمانے کی تفصیل/ حساب نہیں ہے بلکہ اس میں اور زمانے بھی ہیں جن کا کوئی نام نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عشق حق سلسلۂ روز و شب کا اسیر نہیں ہے' اسے دوام و بقا ہے۔

۵۔ (عشق حق کیا ہے؟) یہ حضرت جبریلؑ کی سانس اور آواز ہے (وہ حضور اکرمؐ پر وحی لے کر آتے تھے) عشق حضرت مصطفیٰؐ (حضور اکرمؐ اور سرورِ کائناتؐ) کا دل ہے جو سراپا پاک جذبوں کا حامل تھا' عشق ہی اس دنیا میں خدا کا پیغام لانے والا بنا اور عشق ہی خدا کا کلام ہے جو انسانوں کے قلب و روح کو منور کرتا ہے۔

۶۔ عشق حق کے جذبے سے سرشاری ہی انسان میں تابناکی کا باعث بنی ہے اور عشق ہی صہبائے خام اور عشق ہی کاس الکرام ہے۔ گویا اہل کرم دوسروں کو راہِ ہدایت پر لاتے اور ان کے کام آتے ہیں اور یہ سب عشق ہی کی بدولت ہے۔

۷۔ عشق حق ہی کعبہ کا فقیہ ہے جو سب کو شرعی مسائل اور نکتوں سے باخبر کرتا ہے' اور عشق ہی خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا سپہ سالار ہے۔ عشق حق ایک ایسا مسافر ہے جس کے ہزاروں مقام ہیں۔ یعنی اس کے ظاہر ہونے کی بے شمار صورتیں ہیں۔

۸۔ عشق حق ہی کے مضراب سے زندگی کے ساز کے تاروں میں نغمے پیدا ہوتے ہیں۔ عشق ہی زندگی کو منور کرتا اور اسی کی بدولت زندگی میں حرارت و تپش پیدا ہوتی ہے۔ گویا اسی عشق کے باعث زندگی کا سارا کاروبار چل رہا ہے اور وہی زندگی میں جلال و جمال پیدا کرتا ہے۔

تیسرا بند

۱۔ اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

۲۔ رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت — معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
۳۔ قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دل — خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود
۴۔ تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز — تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود
۵۔ عرشِ معلیٰ سے کم سینۂ آدم نہیں — گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود
۶۔ پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا — اس کو میسر نہیں سوز و گداز و سجود
۷۔ کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق — دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
۸۔ شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے — نغمۂ "اللہ ہو" میرے رگ و پے میں ہے

۱۔ (اس بند میں مسجد قرطبہ سے خطاب ہے) اے قرطبہ کی مسجد! تو جو تعمیر ہوئی ہے اور تیرا وجود سامنے آیا ہے تو یہ بھی عشق حقیقی ہی کے باعث ہے، عشق سراسر بقا و ہمیشگی کا حامل ہے، وہ فنا کا شکار نہیں ہوتا۔

۲۔ رنگ ہو یا اینٹ اور پتھر ہو، باجا ہو یا حرف/ الفاظ اور آواز ہو، کوئی بھی ہنر و فن ہو، سب کا کمال خونِ جگر ہی سے نمایاں ہوتا ہے۔ گویا فنِ تعمیر اور فن موسیقی وغیرہ میں خلوص و عشقِ حق کا جذبہ اگر موجود ہے تو ایسے فن باعظمت و بلند پایہ بن جاتے ہیں اور ان میں دل کشی بھی بہت آ جاتی ہے۔

۳۔ خونِ جگر کا ایک قطرہ پتھر کو دل بنا دیتا ہے، یعنی اس میں بھی دل کی طرح جذبے اور ولولے پیدا ہو جاتے ہیں اور خونِ جگر ہی کی بدولت آواز میں سوز و گداز، کیف و نشاط اور نغمگی کا سامان ہوتا ہے۔ آواز سے مراد شاعری اور موسیقی یا کوئی بھی ہو، اس میں یہ سب کچھ جذبہ عشق و خلوص سے سرشاری ہی کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور روحوں میں عمل کی لگن پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ اے مسجد قرطبہ! تیری فضا بڑی دل فروز ہے، اس سے دل منور ہو جاتے ہیں اور میری نوا سے سینے/ سینوں میں سوز و تپش پیدا ہوتی ہے۔ تیری وجہ سے دلوں کو حضورِ حق میسر آتا ہے جبکہ مجھ سے (میری شاعری کی بنا پر) دلوں کی گتھیاں سلجھتی ہیں اور وہ کشادہ ہو جاتے ہیں، جذبہ عشق حق سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

۵۔ انسان کا سینہ (نورِ ایمان سے منور ہونے کے باعث) عرشِ معلیٰ سے کم نہیں ہے، اگرچہ اس کے خاکی جسم کی حد نیلا آسمان ہے، یعنی وہ بظاہر بے حقیقت سا ہے لیکن ایمان کے نور کی بدولت اس کی کیفیت عرش معلیٰ کی سی ہو جاتی ہے جو ذاتِ باری کی

تجلیات کا مرکز ہے۔ یعنی اس پر ذاتِ باری کی تجلیاں ہونے لگتی ہیں' اسی لیے وہ عرش معلّٰی سے کم نہیں رہتا۔

٦- اگر چہ فرشتے اور قدوسی اس خالق کو سجدے کرتے ہیں' انہیں یہ شرف حاصل ہے' لیکن ان کو وہ سوز و گداز اور حضورِ قلب کے ساتھ کیے ہوئے سجدوں کی دولت میسر نہیں ہے' اس لحاظ سے انسان کا درجہ ان سے برتر ہو جاتا ہے۔

٧- میں (اقبال) ایک ہندی کافر ہوں یعنی اہل حق کے سے ایمان کا حامل نہیں ہوں' لیکن تو (اے مسجد!) ذرا میرا ذوق و شوق ملاحظہ کر کہ یہاں میرا دل بھی صلوٰۃ و درود میں مصروف ہے اور میرے ہونٹوں پر بھی درود و صلوٰۃ کا ورد جاری ہے۔

٨- میری لَے یا میرے لب و لہجہ میں بھی عشق سمایا ہوا ہے اور میری بانسری میں بھی عشق و محبت ہی کارفرما ہے' جبکہ میرے ریشے ریشے یا میرے جسم کے رُوؤیں رُوؤیں میں ''اللہ ہو'' کا نغمہ گونج رہا ہے۔

چوتھا بند

١- تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل	وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
٢- تیری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار	شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل
٣- تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور	تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل
٤- مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے	اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل
٥- اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے ثغور	اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
٦- اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب	عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
٧- ساقیِ اربابِ ذوق' فارسِ میدانِ شوق	بادہ ہے اس کا رحیق' تیغ ہے اس کی اصیل
٨- مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ	سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

١- اے مسجد قرطبہ! تیری شان و شوکت اور تیرا حسن و جمال کچھ اس زبردست انداز کا ہے کہ تجھے دیکھنے والے کو مردِ حق یاد آ جاتا ہے' اس لیے کہ وہ بھی جلیل و جمیل ہے اور تو بھی جلیل و جمیل ہے۔ دونوں میں یکساں خوبیاں اور اوصاف ہیں۔

٢- تیری بنیاد/ عمارت بڑی مضبوط و پختہ ہے اور تیرے ستون بے شمار ہیں (کئی صدیاں گذرنے پر بھی تیری عمارت اسی طرح ہے۔) ان ستونوں کی کثرت بالکل اسی طرح

ہے جس طرح ملکِ شام میں کھجور کے درخت بے شمار ہیں۔(ان ستونوں کی تعداد ۱۴۱۷ تھی۔)

۳- تیرے در و بام پر کچھ ایسی صورت حال ہے جیسے وادیٔ ایمن کا نور چمک رہا ہو۔ تیرا بلند مینار گویا حضرت جبرئیلؑ کی جلوہ گاہ ہے' یعنی بے حد بلند ہے۔(بلندی ۱۰۸ فٹ تھی' اس پر اذان دی جاتی تھی)

۴- (مسجد سے خطاب ختم' اب ملت اسلامیہ کے حوالے سے بات کی جارہی ہے۔) مردِ مومن کو کبھی فنا نہیں ہے' اس لیے کہ اس کی اذانوں سے حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے راز ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا ملتِ اسلامیہ کبھی مٹ نہیں سکتی کیونکہ اس کا فرض دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت کرنا ہے۔ جیسا کہ ان دو پیغمبروں نے اور دوسرے پیغمبروں نے کیا۔

۵- اس (اسلام یا اسلامی وطن) کی زمین لامحدود ہے اور اس کے افق کی بھی سرحدیں نہیں ہیں' بے حد وسیع ہے' گویا مسلمان جغرافیائی حدود سے بے نیاز ہے اور ہر ملک اس کا وطن ہے۔ اس کے سمندر کی موجیں دجلہ و ڈینیوب اور نیل کے دریاؤں کی صورت میں ہیں۔ وہی بات سرحدوں سے بے نیازی۔

۶- ملت اسلامیہ کے زمانے' اس کے عظیم کارناموں کے باعث' عجیب وغریب ہیں اور ان سلسلے میں اس کی سرگذشت کے دور بھی عجیب وغریب ہیں۔ اس ملت نے پرانے دور کو کوچ کا پیغام دیا' یعنی ایسا دور لائی جو تہذیب وشائستگی اور علم و تحقیق وغیرہ کے لحاظ سے بے مثل ہے' اور یہ اس دور میں لائی جب یورپ ابھی جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

۷- مسلمان ہی نے روحانی ذوق وشوق سے سرشار انسانوں کو پسندیدہ شراب مہیا کی' مسلمان ہی عشق حقیقی کے میدان میں ایک شہسوار رہا ہے۔ اس کی شراب خالص اور اس کی تلوار تیز کاٹ والی ہے۔ مسلمانوں کے روحانی جذبوں اور میدانِ جہاد میں ان کے جوش وخروش کی بات کی ہے۔

۸- مسلمان ایک دلیر سپاہی ہے' لا الٰہ اس کی زرہ ہے۔ اور تلوار کے سائے میں اس کی پناہ بھی لا الٰہ ہی ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمان نے توحیدِ ایزدی ہی کی دعوت دی ہے اور اس توحید کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا ہے۔ اس کی زندگی اور موت اسی

توحید کی خاطر ہے۔

پانچواں بند

۱- تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز	اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
۲- اس کا مقام بلند' اس کا خیال عظیم	اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
۳- ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ	غالب و کار آفریں' کارکشا کارساز
۴- خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات	ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
۵- اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل	اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
۶- نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو	رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
۷- نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں	اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
۸- عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ	حلقۂ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ

۱-۲= اے مسجدِ قرطبہ! تجھے دیکھ کر بندۂ مومن کا راز آشکار ہوتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس کے دن تو عشق حقیقی کے جذبے سے سرشاری کی بنا پر تب و تاب میں گذرتے ہیں اور اس کی رات خدا کی یاد میں سوز و گداز سے گذرتی ہے۔ تیری عمارت کی بلندی مردِ مومن کے بلند مقام اور اس کے عظیم خیال یعنی بلند ارادوں اور مقاصد سے آگاہ کرتی ہے۔ تیری حسین و دلکش تعمیر اس کے بے پناہ ذوق و شوق اور سرور' نیز اس کے سجدۂ نیاز میں بھی ناز کی ایک شان کا پتا دیتی ہے۔

۳- بندۂ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے' اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے' رضائے ایزدی کے مطابق کرتا ہے' اس میں اس کا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر اس کا ہاتھ سب پر غالب رہتا ہے۔ وہ دوسروں کو حسن عمل کی راہ پر لاتا' ان کے کام سنوارتا اور ان کے مسائل حل کرتا ہے۔ وہ سب کچھ خدا کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔

۴- مردِ مومن بظاہر مٹی سے تخلیق ہوا ہے لیکن فطرت و سرشت کے لحاظ سے وہ نوری اور خدائی صفات کا حامل ہوتا ہے اور اس کا بے نیاز دل دونوں جہانوں (یہ دنیا اور آخرت کی دنیا) سے غنی ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔

۵- اس کی امیدیں تھوڑی ہوتی ہیں جبکہ اس کے مقاصد میں ایک خاص عظمت ہوتی ہے۔ وہی بات کہ وہ ہر کام میں صرف خدا کی رضا و خوشنودی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس

کے طور طریقے' انسان دوستی' دوسروں کے کام سنوارنا وغیرہ' ایک خاص دلکشی کے حامل ہیں اور اس کی نگاہ میں دوسروں کی دل نوازی کا سامان ہوتا ہے۔

۶۔ جب وہ کسی سے گفتگو کرتا ہے تو اس کے لہجے میں بڑی نرمی ہوتی ہے اور جب وہ تلاش حق میں نکلتا ہے تو پوری سرگرمی کے ساتھ نکلتا ہے۔ خواہ جنگ کا میدان ہو یا دوستوں کی بزم ہو' دونوں جگہ اس کی پاک دلی اور پاکبازی پورے طور پر کارفرما ہوتی ہے۔ وہ کہیں بھی خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتا' یعنی اس کے احکام پر عمل پیرا رہتا ہے۔

۷۔ مردحق/مومن ہی کا ایمان ویقین ایک ایسا مرکز ہے جس پر خدا تعالیٰ کی پرکار گھومتی ہے' یعنی اسی کی وجہ سے خدا کی رضا دوسروں کا نصب العین بنتی اور خدائی احکام جاری ہوتے ہیں' اس (مردحق) کے مقابلے میں یہ ساری دنیا محض ایک وہم وخیال اور فریب ومجاز ہے۔ گویا صرف مردمومن ہی کو بقا حاصل ہے۔

۸۔ مردمومن عقل کی منزل اور عشق کا حاصل ہے' اور کائنات کی محفل کی ساری رونق اور چہل پہل اسی کے دم سے ہے۔ منزل سے مراد سرچشمہ ہے۔

چھٹا بند

۱۔ کعبہ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مبیں — تجھ سے حرم مرتبت اُندلسیوں کی زمیں
۲۔ ہے تہِ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر — قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
۳۔ آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار — حاملِ "خلقِ عظیم" صاحبِ صدق ویقیں
۴۔ جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب — سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں
۵۔ جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق وغرب — ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
۶۔ جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اُندلسی — خوش دل وگرم اختلاط سادہ وروشن جبیں
۷۔ آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال — اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
۸۔ بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے — رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

۱۔ (یہاں پھر مسجد قرطبہ سے خطاب ہے) اے مسجد قرطبہ! تو فنِ تعمیر میں ماہر لوگوں کے لیے کعبہ کی سی حیثیت رکھتی ہے' تو دین مبین اسلام کی عظمت وشوکت ہے اور تیری تعمیر ہی کی بدولت اندلسیوں کی یہ سرزمین اندلس کعبہ کے سے مرتبے والی بن گئی ہے' عزت

واحترام کی حامل ہوگئی ہے۔

۲- آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں اگر تیرے حسن ودلکشی کی کوئی مثال ونظیر ہے تو وہ صرف مسلمانوں کے دل میں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ وہی اس قسم کی عظیم وحسین عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔

۳- آہ وہ مردانِ حق، وہ عربی شہسوار (جنہوں نے تیری تعمیر کا سامان کیا، یعنی بانی) حضور اکرمؐ کے عظیم اخلاق (لغت دیکھیے) کا عملی نمونہ تھے اور صدق ویقیں میں بڑے بلند مرتبہ تھے۔

۴- تیرے ان بانیوں کی حکومت سے یہ عجیب وغریب راز فاش ہوگیا ہے کہ اہل دل کی حکومت وسلطنت شاہانہ نہیں بلکہ درویشانہ ہے۔ یعنی وہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گذارنے کی بجائے خلق خدا کی فلاح وبہبود کے اور دوسرے عظیم کام انجام دیتے ہیں۔

۵- یہ وہی مردان حق تھے جن کی نگاہوں نے مشرق ومغرب کی تربیت کی، اور یورپ کے دور جہالت (Dark Ages) میں ان ہی کی عقل وخرد صحیح راستے سے باخبر تھی۔ انہی کی بدولت یورپ والے علم و دانش کی طرف آئے اور یوں تہذیب وثقافت کی شائستگی ان میں آئی۔ علامہ نے اسی حوالے سے یہ شعر کہا ہے:

وہ موتی علم کے یعنی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ
(سی پارہ: تیس ٹکڑے)

اہل یورپ میں جب شعور پیدا ہوا تو وہاں (اندلس) سے مسلمانوں کی کتابیں لے گئے اور ان کے تراجم سے وہ علم ودانش کی طرف بڑھے، لیکن بدقسمتی سے مسلمان اپنی فرقہ پرستی کے باعث ذلت وخواری کا شکار ہوتے گئے اور آج بھی ہیں۔ مولا کریم ہمیں اس سے نجات دلائے۔ آمین۔

۶- وہ عرب سراپا خلق تھے جن کے خون کے طفیل اندلس کے مسلمان آج بھی گرم اختلاط سادہ مزاج اور روشن پیشانیوں والے ہیں، حسن وجمال کا پیکر ہیں۔

۷- اندلس میں آج بھی ہرن جیسی آنکھیں ہر جگہ نظر آتی ہیں اور حسینوں کے تیر آج بھی دلوں میں اترتے ہیں۔ چشم غزال حسیناؤں کی دل کش آنکھوں کے حوالے سے کہا ہے۔

۸- آج بھی اندلس کی فضاؤں میں یمن کی خوشبو موجود ہے اور آج بھی اس کے نغموں

میں رنگِ حجاز پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اندلس میں آباد ہونے والے بیشتر عرب یمن کے باشندے تھے جن کی نسل آج بھی وہاں موجود ہے اور، وہاں کی موسیقی کے انداز میں حجازی موسیقی کا انداز زیادہ ہے۔

ساتواں بند

۱- دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں، آسماں — آہ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں
۲- کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے — عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں
۳- دیکھ چکا المنی شورشِ اصلاحِ دیں — جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں
۴- حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیر کنشت — اور ہوئی فکر کی کشتیِ نازک رواں
۵- چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب — جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
۶- ملتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر — لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
۷- روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب — رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں
۸- دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا — گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

۱- اے مسجد قرطبہ! ستاروں کی نظر میں تیری زمین، آسمان کی سی بلند رتبہ ہے، لیکن افسوس کہ سینکڑوں برس سے تیری فضا میں اذان کی آواز نہیں سنائی دی۔ گویا وہاں کسی نے اذان نہیں کہی۔

۲- خدا معلوم ہنگامے برپا کرنے والے عشقِ حقیقی کا سخت جان قافلہ کس وادی یا کون سی منزل میں ہے؟ مطلب یہ کہ وہ وقت کب آئے گا جب پھر سے تیری فضا میں پہلے کی طرح عشقِ حقیقی سے سرشار مومنوں کی اذان یا اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوں گی۔

۳- جرمنی اصلاح دین کی شورش دیکھ چکا ہے۔ اس شورش یعنی تحریک نے سب پرانے نقش مٹا دیے (لغت دیکھیے)

۴- پیر کنشت کی عصمت کی کیفیت حرفِ غلط کی سی ہوگئی اور اس کے نتیجے میں لوگ اپنے مذہب کے بارے میں غور و فکر سے کام لینے لگے۔ (لغت ......)

۵- اہل فرانس کی آنکھوں نے انقلاب کا دور دیکھ لیا، جس کے نتیجے میں فرانس کا شہنشاہی نظام تو ختم ہوا تھا، یورپ کی دنیا بھی الٹ پلٹ ہو کے رہ گئی۔ یعنی وہاں ہر جگہ جمہوریت کا دور دورہ ہونے لگا۔ (لغت دیکھیے)

۶- اٹلی والوں کی قوم جو کہنہ پرستی کے باعث بوڑھی ہو چکی تھی، وہ بھی جدید کی لذت کے باعث پھر سے جواں ہوگئی۔ (لغت ......) اس قوم میں بھی زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

۷- آج مسلمان بھی اس بیقراری واضطراب سے دوچار ہے۔ اس کی اس بیقراری کا کیا نتیجہ سامنے آئے گا، یہ خدا ہی جانے، اس راز سے خدا ہی آگاہ ہے، زبان کہنے سے عاجز ہے۔

۸- اس دور میں سمندر کی صورتِ حال سے کچھ یوں ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں طوفان برپا ہونے والا ہے۔ اس کی تہ سے اچھل کر کیا باہر آتا ہے اور یہ نیلا آسمان کیا رنگ بدلے گا؟ اللہ ہی بہتر جانے۔ سمندر سے مراد ملت اسلامیہ ہے جس کی بیداری کی روح زندہ ہو رہی ہے۔ گویا مسلمان پھر کب اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرتے ہیں یہ خدا ہی کو معلوم ہے۔

آٹھواں بند

۱- وادیِ کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب ۔۔۔ لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

۲- سادہ و پرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت ۔۔۔ کشتیِ دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب

۳- آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی ۔۔۔ دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

۴- عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں ۔۔۔ میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

۵- پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے ۔۔۔ لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

۶- جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی ۔۔۔ روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

۷- صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم ۔۔۔ کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

۸- نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر ۔۔۔ نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

۱- (اس بند میں علامہ نے اس وقت کی صورت حال کی عکاسی کی ہے جب انہوں نے یہ نظم لکھی۔) پہاڑ کی وادی میں بادل شفق کی سرخی میں ڈوبا ہوا ہے، جبکہ سورج لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا ہے۔ سورج غروب ہو چکا اور شفق کی سرخی سامنے آ گئی ہے۔ افق پر بادل کا ٹکڑا موجود ہونے کے باعث سرخ نظر آ رہا ہے۔ اس سرخی کو لعل بدخشاں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چونکہ سورج کے غروب کے وقت یہ منظر بنا ہے، اس لیے کہا کہ سورج لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا۔

۲- اسی منظر میں کسی کسان کی بیٹی یا دیہاتی لڑکی کے نغمے الاپنے کی آواز سنائی دی۔ یہ نغمہ

سادہ بھی ہے اور پرسوز بھی۔ جوانی کا زمانہ دل کی کشتی کے لیے ایک سیلاب کی صورت ہے جو اسے بہالے جاتا ہے۔ یعنی جوانی کے عالم میں ایسا نغمہ الاپنا سننے والے کے دل کو بے حد متاثر کرتا اور اسے (دل کو) عجیب کیفیت سے دوچار کرتا ہے۔

۳- اے دریائے کبیر (یا وادیِ کبیر کے بہتے ہوئے پانی یعنی دریا) تیرے کنارے بیٹھا ہوا کوئی انسان (علامہ اقبال) کسی اور زمانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یعنی حالات کسی آنے والے انقلاب کا کچھ پتا دے رہے ہیں۔

۴- آنے والا دور گو ابھی تک تقدیر کے پردے میں ہے' تاہم میری نظروں میں اس کی صبح بے نقاب ہے' ظاہر ہے وہی بات کہ موجودہ (علامہ کے دور کے) حالات آنے والے حالات کی غمازی کررہے یا اس کی خبر دے رہے ہیں۔

۵- اگر میں اپنے افکار کے چہرے سے پردہ اٹھادوں اور آنے والے حالات کی پیشین گوئی کردوں تو یورپ میری ان نواؤں یا گہری باتوں کی تاب نہ لا سکے گا۔ گویا یورپ پر برے دن آنے والے ہیں۔

۶- جس زندگی میں انقلاب کا جذبہ نہ ہو یا وہ نت نیا انقلاب نہ لاتی ہو وہ موت ہے' اسے زندگی نہیں کہا جا سکتا' گویا وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔ قوموں کی روح یا روحوں کی زندگی انقلاب ہی کی کشمکش سے ہے۔ وہی قوم دنیا میں زندہ رہ سکتی ہے اور باعظمت زندگی بسر کرسکتی ہے جو انقلابی جذبوں سے سرشار ہو۔

۷- وہ قوم جو ہر لحہ اور ہر پل اپنے عملوں کی جانچ پڑتال کرتی ہے' یعنی اپنی لغزشوں وغیرہ سے آگاہ ہوتی ہے' وہی قوم قضا کے ہاتھ میں تلوار کی صورت ہوتی ہے۔ گویا وہی اپنی زندگی کو سنوار سکتی ہے اور اپنی عظمت و بقا کا سامان کرسکتی ہے اور قضا و قدر/ قدرت اس سے اپنے کام لیتی ہے۔

۸- جن نقوش میں خونِ جگر شامل نہ ہو وہ نامکمل ہی رہتے ہیں اور وہ نغمے بھی محض سودائے خام ہی بن جاتے ہیں جن میں خونِ جگر شامل نہ ہو۔ نغمہ سے مراد شاعری ہے۔ گویا سوز وگداز کے بغیر ایسے سب کام بیکار ہوتے ہیں۔ شاعری سے متعلق یہ شعر ملاحظہ ہوں:
حالی:

خشک سیروں تنِ شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اِک مصرعِ تر کی صورت

میر تقی میر:

مجھ کو نہ شاعر کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

نظام:

اس تازہ غزل کی مجھے داد ان سے ملے گی
جو پار کبھی رخنۂ سوزن سے ہوئے ہیں

فیضی:

ہر نظم ۔ گوہریں کہ بیادِ تو گفتہ ام
دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفتہ ام

(میں نے تیری یاد میں جو بھی گوہریں اشعار کہے ہیں ان کے لیے میں نے اپنے دل کو چھیدا اور جگر کو سوراخ کیا ہے۔)

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

(معتمد' اشبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ ہسپانیہ کے ایک اور حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر ''وزڈم آف دی ایسٹ سیریز'' میں شائع ہوئی تھیں۔) (معتمد ۱۰۶۸ء سے ۱۰۹۱ء تک بادشاہ رہا۔ بڑا خوش ذوق شاعر تھا۔ وفات ۱۰۹۵ء)

۱۔ اِک فغانِ بے شرر سینے میں باقی رہ گئی — سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
۲۔ مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج — میں پشیماں ہوں پشیماں ہے مری تدبیر بھی
۳۔ خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل — تھی اِسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
۴۔ جو مری تیغِ دودم تھی اب مری زنجیر ہے — شوخ و بے پروا ہے' کتنا خالقِ تقدیر بھی

۱۔ قید میں رہتے ہوئے میرے سینے میں ایک ایسی آہ و فغاں باقی رہ گئی ہے جس میں کوئی چنگاری نہیں ہے اور یوں اس میں نہ تو سوز ہی رہا ہے اور نہ کوئی اثر ہی نظر آ رہا ہے۔

۲۔ میں ایک آزاد مرد ہوں لیکن آج قید خانے میں اس حالت میں ہوں کہ نہ تو میرے پاس کوئی تلوار ہے اور نہ نیزہ ہی ہے۔ اس صورت حال نے مجھے پشیماں کر دیا ہے اور میری تدبیر بھی

پشیمانی سے دوچار ہے۔ معتمد نے مراکش کے حکمران یوسف بن تاشقین کو عیسائی حکمرانوں کے خلاف لڑنے کے لیے امداد کے لیے بلایا تھا اور یہ تجویز اس نے دوسری اسلامی حکومتوں کو اکٹھا کر کے پیش کی تھی۔ چنانچہ یوسف نے اس امداد کی خاطر عیسائی حکمران ہسپانیہ الفانسو سے جنگ کر کے اسے زبردست شکست دی لیکن بعد میں ۱۰۹۱ء میں معتمد کو اشبیلیہ سے مراکش لا کر قید میں ڈال دیا گیا۔ زندگی کے آخری دن قید میں گذارے' جو بڑے تلخ گذرے۔ اس کی لڑکیاں سوت کات کر جو پیسے کماتیں' ان سے خاندان کا گذارہ چلتا۔

۳- اب میرا دل خود بخود زنجیر کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ کبھی وہ وقت تھا جب شاید اسی زنجیر کے فولاد سے میری تلوار بنی تھی۔ تلوار سے دلبستگی کے حوالے سے یہ کہا ہے۔ زنجیر کی طرف دل کا کھنچنا اس خیال سے کہ شاید یہ بھی تلوار والے فولاد سے بنی ہے۔

۴- اب میری دو دھاری تلوار ہی میری زنجیر ہے۔ واہ! سبحان اللہ' خالقِ تقدیر بھی کس قدر شوخ و بے پروا ہے۔ یعنی کبھی اپنی حکومت کے باعث میں صاحب شمشیر تھا' لیکن اسی حکمرانی کے نتیجے میں میں آج زنجیر میں جکڑا ہوا ہوں۔

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں

(لغت دیکھیے)

(علامہ کے مطابق درج ذیل اشعار' جو عبدالرحمٰن اول کی تصنیف ہیں' تاریخ المقری میں درج ہیں۔ ذیل کی اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے۔ درخت مذکورہ مدینۃ الزہرا میں بویا گیا تھا۔)

(۱)

۱- میری آنکھوں کا نور ہے تو — میرے دل کا سرور ہے تو
۲- اپنی وادی سے دور ہوں میں — میرے لیے نخلِ طور ہے تو
۳- مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا — صحرائے عرب کی حور ہے تو
۴- پردیس میں ناصبور ہوں میں — پردیس میں ناصبور ہے تو
۵- غربت کی ہوا میں بارور ہو — ساقی تیرا نمِ سحر ہو

۱- اے کھجور کے درخت! تو میری آنکھوں کا نور اور میرے دل کا سرور ہے۔ تجھے دیکھ کر مجھے بے حد مسرت وشادمانی ہوتی ہے۔

۲- میں آج اپنے وطن سے دور ہوں۔ تو میرے وطن کا خاص درخت ہے، جس کی وجہ سے میرے لیے تو نخلِ طور کی سی حیثیت رکھتا ہے۔

۳- یورپ کی آب و ہوا سے تو بڑھا پھولا ہے، تو تو میرے لیے صحرائے عرب کی حور ہے۔ جس طرح میں نے پردیس میں سلطنت حاصل کی، اسی طرح تیرا یہ بڑھنا پھولنا اور سرسبز ہونا بھی پردیس میں ہوا ہے۔

۴- پردیس میں میرے دن بیقراری میں گذر رہے ہیں، اور تو بھی میری طرح پردیس میں بیقرار و مضطرب ہے۔ وطن سے محبت کے حوالے سے یہ کہا ہے۔

۵- خدا کرے کہ تو پردیس کی فضا میں خوب پھلے پھولے اور صبح کی نمی یعنی شبنم اس سلسلے میں تیری ساقی بنے، تجھے ہرا بھرا اور سرسبز وشاداب رکھے۔

(۲)

۱- عالم کا عجیب ہے نظارہ　　دامانِ نگہ ہے پارہ پارہ
۲- ہمت کو شناوری مبارک　　پیدا نہیں بحر کا کنارہ
۳- ہے سوزِ دروں سے زندگانی　　اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
۴- صبحِ غربت میں اور چمکا　　ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
۵- مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے　　مومن کا مقام ہر کہیں ہے

۱- اس کائنات کا منظر عجیب وغریب ہے جسے دیکھتے دیکھتے دامانِ نگاہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں حالات کو قرار نہیں ہے، انسان عروج وزوال سے دوچار رہتا ہے۔ یعنی آج جو عروج پر ہے کل وہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ منظر (عروج و زوال) دیکھے نہیں جاسکتے۔

۲- اس کائنات کی حالت ایک ایسے سمندر کی سی ہے، جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ ایسی صورت میں یہاں عزم وہمت سے کام لینے والے انسان مبارک ہیں جو اس سمندر میں تیرتے رہتے یا تیراکی کرتے ہیں۔

۳- باطن کے سوز وگداز یا تپش وحرارت ہی سے صحیح زندگی ہے، اس لیے کہ انسان تو مٹی

سے بنا ہے اور مٹی سے کوئی چنگاری نہیں اٹھتی۔ گویا ایک عظیم مقصد سامنے رکھ کر اس کے حصول میں مسلسل جہد و عمل سے کام لینا ہی حقیقی زندگی ہے۔

۴۔ شام کے ملک کا ٹوٹا ہوا ستارہ پردیس کی صبح میں اور بھی زیادہ چمک اٹھا ہے۔ ستارہ سے مراد عبدالرحمٰن ہے۔ (لغت دیکھیے) یہ سب ہمت و دلیری اور سوز دروں کے باعث ہوا ہے۔

۵۔ ایک مردِ مومن کے لیے اس کی دنیا محدود نہیں ہے یعنی وہ جغرافیائی حدود یا ملکی حدود سے بے نیاز ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔ وہیں وہ اپنے جہد و عمل سے اپنی عظمت و بقا کا سامان کر لیتا ہے۔

ہسپانیہ

(علامہ کے بقول انہوں نے یہ نظم ہسپانیہ سے واپسی کے وقت اس سرزمین یعنی ہسپانیہ میں لکھی)

۱۔ ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے — مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
۲۔ پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں — خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
۳۔ روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں — خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
۴۔ پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟ — باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں
۵۔ کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں — مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
۶۔ غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے و لیکن — تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
۷۔ دیکھا بھی، دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی — ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں

۱۔ اے ہسپانیہ! تو مسلمانوں کے خون کا امین ہے۔ اسی بنا پر تو میری نظروں میں کعبہ کی طرح پاک ہے۔ ہسپانیہ کی فتح میں مسلمانوں نے قربانیاں دیں، اپنا خون بہایا اور پھر ہسپانیہ کی حفاظت کے لیے وہ صدیوں تک دشمنوں کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ چونکہ وہاں مختلف شعبوں (مجاہد، مورخ، فلسفی، ادیب و محدیث وغیرہ) سے متعلق افراد دفن ہیں، اسی لیے علامہ نے اس کی قدر و عظمت کے حوالے سے دوسرا مصرع کہا ہے۔

۲۔ تیری خاک پر جگہ جگہ سجدوں کے نشان ہیں۔ صبح کی ہوا میں تیری خاموش اذانیں مجھے

سنائی دے رہی ہیں۔ گویا علامہ وہاں ایک طرح سے آنکھیں بند کر کے ماضی کی یاد میں محو ہو گئے ہیں اور صدیوں پہلے کے مناظر ان کے سامنے آ رہے ہیں۔ یہی صورتِ حال ہسپانیہ کے لیے ان کے احترام کا باعث بن رہی ہے۔

۳- وہ عرب مجاہد جن کے خیمے کبھی پہاڑوں اور ان کے دامن پر لگے ہوتے تھے‘ ان کے نیزوں کی نوکیں ستاروں کی طرح چمکا کرتی تھیں۔ یہی وہ جوانمرد تھے جن کی اذانیں کبھی تیری (ہسپانیہ) سرزمین میں گونجا کرتی تھیں۔

۴- اے ہسپانیہ! کیا تیری حسیناؤں کو پھر مہندی کی ضرورت ہے؟ تو میں اس کے لیے حاضر ہوں کیونکہ میرا خونِ جگر‘ جس کی سرخی ابھی تک برقرار ہے‘ ان کی یہ ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ ہسپانیہ کے عظیم اسلامی دور کی یاد نے علامہ میں زبردست جذبے پیدا کر دیے ہیں‘ جن کا اظہار وہ مختلف انداز میں کر رہے ہیں۔

۵- میں یہ مان لیتا ہوں کہ آج کے مسلمانوں کی چنگاری میں وہ پہلی سی تپش نہیں رہی‘ لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ چنگاری خس و خاشاک سے کسی صورت بھی نہیں دب سکتی۔ آج کے مسلمانوں کو چنگاری سے اور باطل قوتوں کو خس و خاشاک سے تشبیہ دی ہے۔

۶- اگرچہ میری آنکھوں نے غرناطہ بھی دیکھ لیا ہے لیکن مسافر کو تو کہیں بھی‘ خواہ سفر ہو یا حضر ہو‘ سکون اور قرار نہیں ہے۔ گویا ہسپانیہ کے دلکش و عظیم منظر دیکھ کر بھی میرے دل کو سکون نہیں ہے۔

۷- میں نے (ہسپانیہ میں قدیم اسلامی دور کے آثار) خود بھی دیکھے ہیں اور دوسروں کے لیے الفاظ سے ان کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ ان مسلمانوں کے واقعات خود بھی سنے اور دوسروں کو بھی سنائے‘ لیکن کسی بھی صورت میں (دیکھنے دکھانے اور سننے سنانے سے) دل کو قرار نہیں ملا۔ ظاہر ہے کہاں عظیم ماضی اور کہاں موجودہ صورتحال۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر دل کو قرار کیونکر نصیب ہو۔

طارق کی دُعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

۱- یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

۲۔ دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
۳۔ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
۴۔ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
۵۔ خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے — قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے
۶۔ کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا — خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں
۷۔ طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو — وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
۸۔ کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو — ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
۹۔ دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے — وہ بجلی کہ تھی نعرۂ ''لاتذر'' میں
۱۰۔ عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے — نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

۱۔ (خدا سے خطاب ہے) یہ غازی تیرے ایسے پراسرار بندے ہیں جنہیں تو نے ذوقِ خدائی عطا فرمایا ہے۔ یعنی ان کا ہر کام تیری رضا کے مطابق ہوتا ہے اور انہوں نے خود میں تیری صفات پیدا کر رکھی ہیں۔ وہ ''تخلقوا با خلاق اللہ'' (خود میں اللہ کا اخلاق پیدا کرو) کا عملی نمونہ اور تیری نیابت و خلافت کا فرض پوری طرح ادا کر رہے ہیں۔

۲۔ یہی وہ مردانِ مجاہد و غازی جن کی ٹھوکر سے صحراؤں اور دریاؤں کے دل دو ٹکڑے ہو گئے اور جن کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بن گئے۔ گویا جہاد کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں اور مشکلیں ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۳۔ آشنائی یعنی عشق و محبت کی لذت کچھ ایسی عجیب و زبردست لذت ہے جو انسان کو دونوں جہانوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ اس کا مقصدِ عظیم تو محبوبِ حقیقی تک رسائی ہے۔ غازی کی زندگی اور موت سب اللہ ہی کی خاطر ہوتی ہے۔

۴۔ مردِ مومن کا سب سے بڑا مقصد شہادت ہے اور بس۔ اسے نہ تو مالِ غنیمت ہی کی کوئی خواہش و آرزو ہے اور نہ حکومت و سلطنت سے اسے کوئی دلچسپی ہے۔ وہ ان سب سے بے نیاز ہے۔

۵۔ ہسپانیہ اپنی سرسبزی و شادابی کی بنا پر گویا ایک باغ ہے جس میں لالہ کے پھول مدت سے انتظار میں ہیں۔ انہیں ایک ایسی قبا کی ضرورت ہے جو خونِ عرب سے تیار کی گئی ہو۔ یعنی یہاں بھی، اے مولا کریم! تیرا نام بلند ہونے کی ضرورت ہے، میں (طارق) اور میرے ساتھی مردانِ مومن و غازی اس عزم کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں بھی تیرا

نام بلند کریں۔

٦- اے مولا کریم! تو نے صحرا نشینوں کو دین و حیات کی حقیقتوں اور اشیا کی حقیقت کی شناخت اور پہچان میں اور صبح کی اذان میں بے مثل بنا دیا ہے۔ صبح کی اذان چونکہ زبردست جذبے کے ساتھ دی جاتی ہے' اس لیے اس کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

٧- زندگی کو جس سوز و گداز کی طلب صدیوں سے تھی' وہ اسے انہی صحرا نشینوں کے جگر میں ملا۔ گویا عربوں ہی نے حقیقی زندگی گذارنے کے انداز انسانوں کو بتائے اور یہ انداز کوئی دوسری قوم نہ بتا سکی۔

٨- یہ عرب مجاہد ایسے ہیں جو موت کو ہلاکت (ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا) نہیں سمجھتے بلکہ اسے (موت کو) دل کے بند دروازے کی کشاد سمجھتے ہیں۔ وہ اس دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کا آغاز سمجھتے اور آخرت کی زندگی کو زیادہ افضل و عظیم سمجھتے ہیں اور اسی کے حصول کے لیے وہ راہِ حق میں بے خوف ہو کر سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔

٩- اے مولا کریم! تو مردِ مومن کے دل میں پھر وہی بجلی زندہ کر دے جو کبھی نعرہ' ''لاتذر'' میں تھی۔ (لغت ......) اس دنیا سے باطل قوتوں اور کفر و شرک کا خاتمہ کر کے اسے نورِ ایمان سے منور کر دے۔

١٠- اے مولا کریم! تو مردانِ مومن کے سینوں میں سوئے ہوئے بلند حوصلوں اور جذبوں کو پھر سے بیدار کر دے اور پھر سے مسلمانوں کی نگاہ کو تلوار کی سی تیزی عطا فرما دے۔ یعنی ان میں ماضی والے ولولے اور جذبے پھر سے پیدا ہو جائیں اور وہ عظیم مقاصد کے حصول کے لیے جہد و عمل کی راہ پر گامزن ہو جائیں اور باطل قوتوں کی مکمل تباہی کا سامان کر کے تیرا نام بلند کریں۔

لینن (خدا کے حضور میں)

١- اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات — حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
٢- میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے — ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
٣- محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے — بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات
٤- آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت — میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

۵- ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات

۶- اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

۷- جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

۸- گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

۹- وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات؟

۱۰- مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

۱۱- یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

۱۲- رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

۱۳- ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

۱۴- یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

۱۵- بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟

۱۶- وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

۱۷- ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

۱۸- آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

۱۹- میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

۲۰- چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

۲۱- تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

۲۲- کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

۱- اے ذاتِ کریم! انفس و آفاق میں تیری نشانیاں نمایاں ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ تیری ذات ہمیشہ زندہ و پائندہ رہنے والی یعنی ''حی و قیوم'' ہے۔

۲- میں یہ بات کیونکر سمجھتا کہ تیرا وجود ہے یا نہیں، اس لیے کہ عقل و خرد نے اس سلسلے میں جو نظریے قائم کیے تھے، ان میں ہر لحہ تبدیلی آ رہی تھی۔ اگر یہ تبدیلی نہ آتی رہتی یا کوئی ایک نظریہ برقرار رہتا تو میں اسے سچا جان لیتا، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور یوں میں تیرے وجود کے بارے میں شک و شبہہ کا شکار رہا۔

۳- بات یہ ہے کہ کوئی انسان بے شک بینائے کواکب ہو یا دانائے نباتات (لغت......) وہ فطرت کے ازلی نغمہ سے آگاہ نہیں ہے۔ ایسے لوگ ستاروں ہی کے حوالے سے

اور ماہرین نباتات نت نئی باتیں تراشتے رہتے ہیں لیکن تیری ذات کی حقیقت اور تیرے وجود کے بارے میں نامحرم ہی رہے۔

۴- آج جب میں نے خود آنکھ سے دیکھا تو وہ حقیقت (دنیائے آخرت) مجھ پر واضح ہوگئی جسے میں کل تک گرجے کے پادریوں کی بیکار سی بات سمجھا کرتا تھا۔

۵- ہم انسان شب و روز کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں، جبکہ تیری ذاتِ اقدس زمانوں کی تخلیق کرنے اور ہر ہر لمحے کی باتیں محفوظ کرنے والی ہے۔

۶- اگر تو مجھے اجازت دے تو میں ایک بات پوچھوں جسے آج تک فلسفیوں کے مقالات (مضامین، کتابیں) یا خود فلسفی حل نہ کر سکے۔

۷- جب تک میں روئے زمین پر زندہ رہا یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔

۸- جب روح کے اندر خیالات کا گویا طوفان برپا ہو تو اس صورت میں بات کرنے کے سلیقے پر انسان کو قابو نہیں رہتا۔ وہ بات یہ ہے کہ:

۹- تو کس انسان کا معبود ہے؟ اس انسان کا جو خاک سے تخلیق ہوا اور آسمانوں کے نیچے یعنی دنیا میں آبا ہے؟

۱۰- (اب انسانوں کے مختلف اندازِ زندگی کی بات ہے۔) صورت حال یہ ہے کہ اہل مشرق کے خداوند تو سفید فام فرنگی / انگریز ہیں، جبکہ ان فرنگیوں نے چمکتی ہوئی دھاتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ انگریزوں نے اپنی عیاری و مکاری سے مشرق پر قبضہ جما رکھا ہے اور خود مشینوں ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔

۱۱- اگرچہ اس میں شک نہیں کہ آج یورپ میں علم و ہنر کی روشنی بہت پھیلی ہوئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی تاریکیوں میں آبِ حیات کا کوئی چشمہ نہیں ہے۔ (لغت) یعنی ان کے طور طریقے اور کردار و عمل حقیقی زندگی سے بیگانہ و دور ہیں۔

۱۲- عمارت کی شان و شوکت، رونق اور صفائی کے لحاظ سے، آج وہاں، گرجوں سے کہیں بڑھ کر بنکوں کی عمارتیں ہیں۔ گویا اہلِ یورپ کو مذہب سے زیادہ دولت اور اس سے حاصل کردہ سود کہیں زیادہ عزیز ہے۔

۱۳- ان کا کاروبار بظاہر تجارت کے نام سے چل رہا ہے، لیکن اس کی حقیقی صورت جوئے کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فائدہ تو اک جواری اٹھاتا ہے جبکہ لاکھوں دوسروں کے لیے ہار جانا گویا اچانک کی موت ہوتی ہے۔

۱۴۔ اہل یورپ بظاہر دنیا کو مساوات کا درس دیتے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں لیکن اگر ان کا عمل پیش نظر رکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا علم و حکمت اور تدبر و حکومت سب ایسے ذریعے اور وسیلے ہیں جن سے وہ اپنے محکوموں کا خون پیتے / چوستے ہیں۔

۱۵۔ یورپی تہذیب جہاں بھی پہنچی ہے وہاں اس کا نتیجہ بیکاری و عریانی (لباس نہ ہونا) اور مے خواری و مفلسی میں اضافے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ انہوں نے محکوموں کو خوب لوٹا ہے۔

۱۶۔ وہ قوم جو آسمانی فیض سے محروم ہو جائے (الہامی کتاب سے بیگانہ ہو جائے) اور پیغمبرانہ تعلیم پر عمل پیرا نہ ہو۔ اس کے کمالات بجلی اور بھاپ تک ہی محدود رہتے ہیں۔ وہ حقیقی عظمت و بقا سے محروم رہ جاتی ہے۔

۱۷۔ آج مشینوں کا دور دورہ ہے اور یہ صورتِ حال دل کی موت کا باعث بن رہی ہے۔ (لوگوں میں جذبے نہیں رہے) یہ آلات، مشینیں وغیرہ مروت و ہمدردی کے احساسات کے مٹ جانے اور دل کی موت کا باعث ہیں۔

۱۸۔ اب کچھ آثار ایسے نظر آ رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تقدیر نے تدبیر کو مات دیدی ہے۔ یعنی سرمایہ داروں کیخلاف مزدور ہنگامے برپا کرنے لگے ہیں۔

۱۹۔ آج میخانے کی عمارت کی بنیاد ہل گئی ہے، اس کے منتظمین اسی فکر میں بیٹھے ہیں کہ اس مصیبت کو کس طرح دور کیا جائے۔ سرمایہ داری کے نظام میں ہونے والے زوال کی طرف اشارہ ہے۔

۲۰۔ آج اہل یورپ کے چہروں پر سرشام (سیر کے وقت) جو سرخی نظر آتی ہے، وہ یا تو غازہ لگانے کی وجہ سے ہے یا پھر یہ ساغر و مینا کی یعنی شراب نوشی کی کرامت ہے۔ ان کے چہروں پر پاکیزہ خون کی سرخی نہیں ہے۔

۲۱۔ اے مولا! تو قادرِ مطلق اور عدل و انصاف والا ہے لیکن آج تیرے جہان میں مزدوروں کی زندگی بڑی تلخی میں گذر رہی ہے۔

۲۲۔ تو اے کریم! ذرا یہ واضح فرما دے کہ سرمایہ داری کی کشتی کب ڈوبے گی؟ تیری دنیا بدلے کے دن کی منتظر ہے یعنی برائی کا بدلہ برائی ہی ہوگا، پھر یہ سرمایہ پرستی کی برائی کا بدلہ کب دیا جائے گا۔ دنیا والے اس کے منتظر ہیں۔

فرشتوں کا گیت

۱- عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی — نقش گرِ ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی
۲- خلق خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر — تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
۳- تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست — بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی
۴- دانش و دین و علم و فن بندگیِ ہوس تمام — عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی
۵- جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی — آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیِ نیام ابھی

۱- (یہ نظم اور اگلی نظم دونوں نظم ''لینن'' سے گویا مربوط ہیں) اے ازل کے نقش گر خدائے کریم! تو نے انسانوں کو جو عقل عطا کی ہے، وہ ابھی تک بے لگام ہے، یعنی ہر انسان عیاری و چالاکی اور تدبیر سے اپنے مفادات و مطالب کے حصول میں لگا ہوا ہے جبکہ عشق کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ عشق کے جذبے عام نہیں ہیں، اس لحاظ سے تیرا عقل و عشق کی صورت میں بنایا ہوا یہ نقش (انسان) ابھی تک نامکمل ہے، اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکا۔

۲- کیا شراب پینے والے (رند) اور کیا فقیہ، عالم دین، امرا اور نام نہاد پیر بھی تیری مخلوق کی گھات میں لگے ہوئے ہیں، عوام کو مختلف طریقوں اور بہانوں سے لوٹ رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تیری دنیا میں صبح و شام کی صورت حال پہلے جیسی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

۳- تیرے دولت مند لوگ اپنی دولت کے نشے میں چور ہیں اور تیرے فقیر (غریب) اپنی مفلسی میں خوش ہیں یا اس پر قناعت کیے ہوئے ہیں۔ غلام اور نوکر بے ٹھکانا ہیں جس کی وجہ سے وہ کوچہ گردی پر مجبور ہیں اور آقا و مالک بڑے بڑے اور اونچے اونچے محلوں میں عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۴- کیا عقل و خرد اور کیا دین و علم اور فن سبھی ہوس کے پجاری بن چکے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جوہر صرف اپنی برتری کے لیے استعمال کرتے ہیں، جبکہ عشق و محبت (انسان دوستی) کا فیض ابھی عام نہیں ہوا۔

۵- حالانکہ زندگی کا جوہر عشق و محبت ہی ہے اور عشق کا جوہر خودی ہے، لیکن افسوس کہ یہ تیز تلوار (خودی) ابھی تک میان ہی میں چھپی ہوئی ہے۔ آج کے انسان عشق اور

خودی دونوں کے جوہر سے دور ہیں۔

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

۱۔ اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو | کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

۲۔ گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے | کنجشکِ فرو مایہ کو شاہیں سے لڑا دو

۳۔ سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ | جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

۴۔ جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی | اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

۵۔ کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے | پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

۶۔ حق را بسجودے، صنماں را بطوافے | بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو

۷۔ میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے | میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

۸۔ تہذیبِ نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے | آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

۱۔ اے فرشتو! اٹھو اور غریبوں کو جگا دو، ان میں بیداری کا جذبہ پیدا کر دو تا کہ وہ اپنی زندگی بہتر طور پر گذار سکیں، اور امیروں کے بلند محلوں کے در و دیوار ہلا دو، ان میں زلزلہ پیدا کر دو تا کہ وہ ذاتی مفادات کے ساتھ ساتھ دوسروں یعنی غریبوں کے مفادات کو بھی پیشِ نظر رکھیں اور ان کے کام آئیں۔

۲۔ غلاموں یا محکوموں اور دوسروں کی نوکری کرنے والے غریبوں میں یقین کی حرارت پیدا کر کے ان کے لہو میں جوش پیدا کر دو، گویا ایک بے حیثیت سی چڑیا کو شاہیں سے بھڑا دو۔ کنجشک غریبوں اور محکوموں کا جبکہ شاہین امیروں کا استعارہ ہے۔

۳۔ آج کا دور بادشاہوں کی نہیں عوام کی حکومت کا دور ہے یا دور آ گیا ہے، لہٰذا تمہیں جہاں کہیں پرانے نقش نظر آئیں انہیں مٹا دو۔ پرانے نقش یعنی ایک فرد کی حکومت، بادشاہت کے نقش۔

۴۔ جس کھیت سے کسان کو روزی نہیں ملتی، اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا ڈالو۔ کھیتوں کو سرسبز و شاداب بنانے کے لیے کسان کو بے پناہ محنت کرنی پڑتی ہے اور زمین کا مالک یعنی زمیندار اپنی دولت کے بل بوتے پر گھر بیٹھے کھیت کے حاصل کا مالک بن جاتا ہے۔ گویا ایسا زمینداری نظام مٹا دیا جائے اور ایسا نظام لایا جائے جس سے محنت و

مزدوری کرنے والے کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسائشیں ملنے لگیں۔

۵- خالق اور مخلوق کے درمیان پردے حائل نہیں رہنے چاہییں' لہٰذا گرجے کے پادریوں کو گرجے سے اٹھا دو۔ یہ پادری تمام مذہبی امور کے مختار بنے ہوئے ہیں اور یوں عیسائی براہ راست خدا کے حضور کوئی التجا یا کوئی درخواست کرنے کی بجائے پادریوں سے رابطہ کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عوام نہ صرف گرجا سے بلکہ مذہب سے بھی دور ہو گئے ہیں۔

۶- شعر نمبر ۵ عیسائیوں سے متعلق ہے اور یہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی حالت کے بارے میں ہے۔ کعبہ میں یا کعبہ والوں کے نزدیک مذہب بس یہی ہے کہ خدا کو سجدہ کر لیا' سجدے کر لیے' جبکہ بت خانے والوں کے مطابق بتوں کے گرد چکر لگا لینا ہی حقیقی مذہب ہے۔ اگر ان قوموں کا مذہب کی حقیقت سے متعلق یہی رویہ ہے تو بہتر ہے کہ کعبہ اور مندر کے چراغ بجھا دو۔ انہوں نے ظاہری عبادتوں ہی کو مذہب سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ مذہب تو انسان اور خدا کے تعلق کے بارے میں بہت وسعتوں کا حامل ہے' اور اس کا زور انسانی خدمت پر ہے۔

۷- میں (خدا) مرمر کی سلوں (یعنی ایسے کعبہ سے جو ان سلوں سے بنایا گیا ہے) سے ناخوش (ناراض) اور بیزار ہوں تم میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو۔ عالی شان مسجدیں گرجے وغیرہ بنانا بالکل بیکار ہے اگر ان سے انسانوں میں سچے مذہبی جذبے پیدا نہیں ہوتے۔ لہٰذا تم ایسا کعبہ یا عبادت گاہ بنا دو جو انسانوں میں سچے مذہبی جذبے پیدا کرے۔ بیشک وہ مٹی ہی سے تعمیر ہو' عمارت کے لحاظ سے سادہ ہو۔ ہمارے لیے بنیادی تعلیم تو یہ ہے کہ

ع مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

۸- جدید دور کی تہذیب تو ایک طرح سے شیشہ بنانے والوں کا کارخانہ ہے جو ہلکی سی چوٹ سے بھی چور چور ہو جاتا ہے' اسے مٹا دینا یا ختم کر دینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ لازم ہے کہ مشرق کے شاعر کو جنون کے طور طریقے سکھا دو۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے ایسا پیغام دے جس سے لوگ اس تہذیب سے بیزار ہو جائیں اور اسے مٹا دیں تا کہ وہ سرمایہ داری اور دوسرے اقتصادی نظاموں وغیرہ کی پیدا کردہ مصیبتوں سے نجات پا لیں۔

ذوق وشوق

(علامہ کے مطابق ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے) (لغت بھی دیکھیں)

پہلا بند

''دریغ آدم زاں ہمہ بوستان
تہی دست رفتن سوئے دوستاں''

(یہ شعر سعدی کی کتاب ''بوستاں'' کے دیباچہ میں آیا ہے۔ مجھے اس باغ سے، دوستوں کی طرف آتے ہوئے، خالی ہاتھ آنے کا افسوس ہوا یا ہوتا)

۱۔ قلب ونظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

۲۔ حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں

۳۔ سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اِضَم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

۴۔ گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

۵۔ آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

۶۔ آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

۱۔ بیاباں میں صبح کا منظر دل ونظر کے لیے زندگی کا باعث بنتا ہے۔ سورج کے چشمے سے نور کی ندیاں نکل رہی ہیں۔ کرنوں کے لیے نور کی ندیوں کا استعارہ استعمال کیا ہے۔

۲۔ اس منظر سے حسنِ ازل گویا نمایاں اور بے نقاب ہو رہا ہے اور وجود کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے ایک نظر کے نقصان میں ہزاروں فائدے موجود ہیں۔ یعنی ایسے منظر پر توجہ سے انسان خدا کی قدرت کا قائل ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے ایک قرآنی آیت (سورۂ یونس۔ آیت ۶) کے حوالے سے یوں کہا ہے:

برگِ درختانِ سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(سبز درختوں کے پتے ایک صاحب شعور کے لیے اس خالق کی معرفت کے لیے ایسے ہیں کہ ہر ہر پتا اس معرفت کی کتاب ہے۔ بقول بوعلی قلندر شرفؒ:

گر چشم دل کشادہ شود اے شرفؒ ترا

ہر ذرۂ جہان شود آئینہ دارِ دوست

(اے شرفؔ اگر تیری چشمِ دل کھلی ہو تو دنیا کا ہر ذرہ اس محبوب کا آئینہ دار ہے۔)

فیضیؔ:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
''وحدہ لا شریک لا'' گوید

(زمین سے جو بھی گھاس اگتی ہے' وہ خدا کی توحید کی بات کرتی ہے)۔

فغانیؔ:

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عینِ اوست
اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

(یہ بات کہنا ذرا مشکل ہے کہ ہر ذرہ سراسر وہی محبوب ہے' لیکن اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا)

جامیؔ:

بے نشان است کز و نام و نشاں چیزے نیست
بہ خدا غیر خدا در دوجہاں چیزے نیست

(وہ ایک بے نشان ہے جس کا نام و نشان کوئی چیز نہیں ہے۔ خدا کی قسم دونوں جہانوں میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔)

احمد ندیم قاسمیؔ:

جس راز سے انساں کو کئی فلسفے سوجھے
دیکھا تو وہی پھول کی پتی پہ رقم تھا

۳۔ رات کا بادل رخصت ہوتے ہوئے اپنے پیچھے لال اور نیلی بدلیاں چھوڑ گیا۔ یہ بدلیاں کوہِ اِضم کے لیے رنگ برنگی چادروں کی صورت بن گئیں۔

۴۔ ہوا' بارش ہو جانے کے باعث' گرد سے پاک ہے اور کھجور کے درخت دُھل گئے' ان کی شاخوں میں نکھار آ گیا۔ مدینہ منورہ کے گرد و نواح کی ریت ریشم کی طرح نرم ہو گئی۔

۵۔ خدا جانے اس مقام سے کتنے قافلے گذر چکے ہیں' اس لیے کہ ادھر یا ایک طرف آگ بجھی ہوئی ہے (جو قافلے والے کھانا پکانے کے لیے جلاتے ہوں گے) اور اُدھر یا دوسری طرف طناب ٹوٹی ہوئی ہے' رسیاں ٹوٹی ہوئی دکھائی دیں۔ علامہ ایسے

مقام پر پہنچے ہیں جوان کے مطابق اہل محبت کی عام گذرگاہ ہے اور یہاں سے اربابِ عشق کے کئی قافلے گذر چکے ہوں گے۔

۶- (علامہ اس منظر میں محو تھے کہ) اچانک جبرئیل کی آواز سنائی دی جو کہہ رہے تھے کہ اے عاشق! تیرا صحیح مقام یہی ہے اور یہی وہ جگہ ہے جو فراق کے مارے ہوؤں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی مسرت و شادمانی اور راحت کا باعث بنتی ہے۔ (مدینہ منورہ کے حوالے سے ایسا کہا ہے)

دوسرا بند

۱-	کہنہ ہے بزمِ کائنات‘ تازہ ہیں میرے واردات	کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
۲-	بیٹھے ہیں کب سے منتظر‘ اہلِ حرم کے سومنات	کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
۳-	نے عربی مشاہدات‘ نے عجمی تخیلات	ذکرِ عرب کے سوز میں‘ فکرِ عجم کے ساز میں
۴-	گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات	قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
۵-	عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات	عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
۶-	معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق	صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق‘ صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق

۱- میں کس کو یہ بتاؤں کہ زندگی کی شراب میرے لیے زہر کی مانند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی بزم تو پرانی ہو چکی ہے جبکہ میرے وِاردات (احساسات و نظریات) نئے پن یا جدت کے حامل ہیں۔ کائنات اپنی پرانی ہی ڈگر پر قائم ہے۔ اس صورت میں میرا زندگی سے بیزار ہونا ایک فطری عمل ہے۔

۲- کیا زندگی کی کارگاہ میں کوئی اور سلطان محمود غزنوی نہیں ہے‘ کعبہ والوں کے سومنات کب سے اس کے انتظار میں ہیں۔ غزنوی نے سومنات کے بت توڑے تھے۔ کعبہ والے اپنی اصلیت کو بھول کر گویا خدا کی بجائے مختلف قسم کے بتوں (دنیاوی مفادات کی خاطر اور اپنی بادشاہت برقرار رکھنے کی خاطر یورپی یا بڑی طاقتوں کے زیر اثر ہیں) کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی غزنوی آئے اور ان کے سومنات کو توڑ پھوڑ دے۔

۳- آج صورتِ حال یہ ہے کہ اگرچہ ذکرِ عرب میں بظاہر سوز موجود ہے لیکن وہ عربی مشاہدوں سے خالی ہے‘ اسی طرح فکرِ عجم کا ساز اگرچہ موجود ہے لیکن اس میں عجمی تخیلات ہی نہیں ہیں۔ گویا کبھی وہ وقت تھا جب عرب حقیقت پسند و حقیقت شناس تھے

اور اہل عجم (ایشیا) کی فکر میں عظمت و بلندی تھی لیکن اب وہ ان خوبیوں سے خالی ہیں۔

۴- آج حجاز کے قافلے میں ایک بھی حسینؓ نظر نہیں آ رہا' اگرچہ دجلہ اور فرات کے گیسوؤں میں ابھی چمک دمک یا پیچ و خم برقرار ہیں۔ حضرت امام حسینؓ نے باطل قوت کے خلاف لڑ کر جامِ شہادت نوش کیا لیکن آج جبکہ مطلق العنانی اور استبداد (جسے دجلہ و فرات کے استعارے میں بیان کیا گیا ہے) اسی طرح برقرار ہے۔ ان جیسی کوئی عظیم شخصیت نظر نہیں آ رہی جو آج کی باطل قوتوں سے ٹکرا سکے۔

۵- عشق حقیقی ہی عقل اور دل و نگاہ کے لیے اولیں مرشد و ہادی ہے۔ اگر اس عشق کا جذبہ نہ ہو تو شریعت اور دین تصورات کا بت کدہ ہی بن جاتا ہے۔ یعنی عشق ہی کی بنا پر عقل اور دل و نگاہ راہِ راست پر چلتے ہیں۔ عشق کے بغیر دین و شریعت کی حیثیت کچھ اس طرح کی ہو جاتی ہے کہ انسان گویا اپنے تخیلات و تصورات ہی میں کھویا رہتا ہے جو ایک طرح سے بت ہیں۔ سوزِ عشق سے متعلق عمر خیامؔ کی یہ رباعی بھی قابل توجہ ہے:

اے وائے برآں دل کہ در و سوزے نیست
سودا زدۂ مہر دل افروزے نیست
روزے کہ تو بے عشق بسر خواہی بُرد
ضائع تر از آں روزِ ترا روزے نیست

مولوی نذیر احمد (بہاولپور' وفات جولائی ۱۹۵۹ء) نے اس کا منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

افسوس ہے اس دل پہ جو پُرسوز نہیں
محبوب کوئی جس کا دل افروز نہیں
بے عشق جو کٹ جائے ترا دن اے دوست
اس دن سے برا اور کوئی روز نہیں

۶- عشق کی بہترین مثال حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا صدق ہے جنہوں نے اللہ کے حکم پر اپنے فرزندِ عزیز اسماعیلؑ کو ذبح کرنا چاہا لیکن اللہ کی طرف سے ان کی جگہ دُنبہ آ گیا' عشق امام حسینؓ کا صبر بھی ہے۔ (واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے) اور زندگی کے معرکہ میں بدر و حنین کی جنگیں بھی عشق حق ہی کا نتیجہ ہیں۔ حضور اکرمؐ ان جنگوں میں خود شریک ہوئے تھے۔ گویا عشق حق ایک بنیادی امر ہے' اسی کے طفیل باطل قوتوں سے ٹکرانے اور انہیں فنا کرنے کا جذبہ و حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا بند

۱۔ آیۂ کائنات کا معنیِ دیریاب تو — نکلے جری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

۲۔ جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق — خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو

۳۔ میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

۴۔ بادِ صبا کی موج سے نشوونمائے خار و خس — میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو

۵۔ خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش — ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

۶۔ ''فرصت کشمکش مدہ ایں دلِ بیقرار را — یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را''

۱۔ یہ کائنات گویا ایک ایسی آیت ہے جس کا تو (عشقِ محبوب) معنیِ دیریاب ہے۔ تیری تلاش میں اربابِ ظاہر اور اربابِ باطن کے قافلے رواں ہیں۔ مطلب یہ کہ تیرے بغیر کسی کو بھی اس کا مدعا و مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں۔

۲۔ یہاں آج صورتِ حال یہ ہے کہ علم پڑھنے پڑھانے والے لوگ تو بے بصیرت ہیں' ان کی نگاہیں حقیقت شناس نہیں ہیں اور ان کا ذوق وشوقِ دلی مردہ ہو چکا ہے' جبکہ محبت کے شرابخانے میں تنہائی اختیار کیے ہوئے لوگوں میں شرابِ عشق کی طلب نہیں اور ان کے ظرف بھی اس شراب سے خالی ہیں۔ گویا یہ دونوں طبقے جذبہ عشق حقیقی سے محروم ہیں۔

۳۔ میں جو غزل یعنی اشعار کہتا ہوں وہ اس آتشِ عشق کی خبر سے آگاہ کرتے ہیں جو مدت ہوئی افسردہ ہو چکی یا بجھ چکی ہے۔ میری زندگی کی سرگذشت یہ ہے کہ اس کا ہر لمحہ کھوئے ہوؤں کی تلاش میں گذرا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ مسلمانوں میں پھر اپنے ماضی کے بزرگوں کا سا جذبہ عشق پیدا ہو جائے تا کہ انہیں بھی ان جیسا مقام و مرتبہ حاصل ہو۔

۴۔ صبح کی ہوا کی لہر سے گھاس پھوس میں شگفتگی و تازگی آتی ہے' وہ نشوونما پاتی ہے جبکہ میرے سانس کی لہریں دلوں میں آرزو کی پرورش کرتی ہیں۔ میں اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں میں یہ جذبے پیدا کرتا ہوں کہ وہ عظیم آرزوئیں دلوں میں پیدا کرکے ان کے حصول میں جہد و عملِ مسلسل سے کام لیں اور یقین و ایمان کے وہ ولولے جو ہمارے اسلاف میں تھے' خود میں پیدا کر کے اپنے عظیم ماضی کو پھر سے زندہ

وتازہ کریں۔

۵- میری نوا (شاعری) کی پرورش دل وجگر کے خون سے ہوتی ہے۔ساز کی رگوں میں صاحبِ ساز یعنی میرا لہو دوڑ رہا ہے۔مطلب یہ کہ میری شاعری میں میرے دل کا سوز وگداز ہوتا ہے۔محض عام شاعری یا گل وبلبل اور زلف ورخسار والی شاعری نہیں ہے۔اپنی شاعری کے بارے میں بعض شعراء نے یوں اظہار کیا ہے:

رہی معیری:

زخوں رنگین بود چون برگِ گل اوراقِ این دفتر
مصیبت نامہ ٔ دلہا ست دیوانے کہ من دارم

(اس کتاب یعنی دیوان کے اوراق گلاب کی پتی کی طرح میرے خون سے رنگین ہیں۔میرا دیوان دلوں کی مصیبتوں کی کتاب ہے۔)

ابوطالب کلیم:

می نہم در زیرِ پاے فکر کرسی از سپہر
تابہ کف می آورم یک معنیِ برجستہ را

(میں اپنے فکر کے پاؤں کے نیچے آسمان کی کرسی رکھتا ہوں، تب کہیں ایک معنیِ برجستہ/نمایاں میرے ہاتھ لگتا ہے۔)

فیضی:

ہر نظم گوہرین کہ بہ یادِ تو گفتہ ام
دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفتہ ام

(تیری یاد میں میں نے جو بھی موتیوں ایسی نظم کہی ہے اس کے لیے میں نے اپنے دل میں دراڑ ڈالی اور جگر کو چھیدا ہے)

میر تقی میرؔ:

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

نظامؔ:

اس تازہ غزل کی مجھے داد ان سے ملے گی
جو پار کبھی رخنۂ سوزن سے ہوئے ہیں

حالیؔ:

خشک سیروں تن شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

۶۔ اے محبوب کے عشق! تو میرے اس بیقرار دل کو کشمکش کی مہلت نہ دے اور اپنی پُر پیچ زلفوں میں ایک دو اور شکنوں کا اضافہ کر دے۔ یعنی عشق کی آگ میں مزید تیزی پیدا کر دے۔ زلفوں کے شکن بڑھنے سے دل انہی میں الجھ کے رہ جائے گا اور اس حالت وکیفیت (تڑپ) ہی میں ایک سچے عاشق کے لیے مسرت وشادمانی کا سامان ہے۔ اس سے پہلے علامہ نے اسی کتاب کی ایک غزل میں یوں کہا ہے:

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

بقول سنائی غزنوی:

باز تابی در دہ آن زلفینِ عالم سوز را
باز آبے بر زن آن روئے جہاں افروز را

عشق میں تڑپ اور فنا سے متعلق یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کلیم اصفہانی:

کشتۂ عشق شو اے دل کہ زخس خوار تر است
ہر کہ زیں بحر سلامت بہ کنار افتادہ

(اے دل! تو کشتۂ عشق ہو جا' کیونکہ وہ شخص/ عاشق تنکے یا کوڑے سے بھی زیادہ خوار ہے جو اس بحرِ عشق سے کنارے پر سلامت پہنچ جائے۔)

۔ نظامؔ:

جو تیرے عشق میں مٹ کر غبار راہ نہیں
وہ نامراد سزاوارِ عزّ و جاہ نہیں

چوتھا بند

۱۔ لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۲۔ عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

۳- شوکتِ سنجرؒ و سلیمؒ تیرےؐ جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیراؐ جمالِ بے نقاب

۴- شوق تراؐ اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب' میرا سجود بھی حجاب

۵- تیریؐ نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

۶- تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

۱- (اس بند میں محبوب یعنی حضور اکرمؐ سے خطاب ہے۔) اے حضورؐ اکرم! آپؐ ہی لوح اور آپؐ ہی قلم ہیں' حضورؐ ہی کے ذریعے علم خدائی انسانوں پر ظاہر ہوا اور آپؐ ہی کا وجود مبارک قرآن کریم ہے کیونکہ آپؐ ہی نے انسانوں تک خدائی احکام پہنچائے۔ اس شیشے جیسے گنبد (آسمان) کی حیثیت آپؐ کے سمندر میں بلبلے کی سی ہے۔ حضورؐ قرآنِ کریم میں نازل ہونے والی باتوں کا عملی نمونہ تھے۔

۲- اس کائنات کو حضورؐ ہی کے ظہور سے ساری رونق حاصل ہوئی۔ حضورؐ ہی نے ریت کے ذرے کو سورج کی سی چمک سے نوازا۔ گویا حضورؐ ہی نے خدائی احکام اور ان پر عمل کی کیفیت دنیا والوں پر واضح کی۔

۳- سنجر اور سلیم جیسے بڑے بادشاہوں کی شان و شوکت حضورؐ ہی کے جلال کا اظہار تھا۔ اسی طرح حضرت جنیدؒ اور حضرت بایزیدؒ جیسے عظیم درویشوں کا فقر حضورؐ ہی کا واضح و روشن جمال تھا۔ ان درویشوں میں حضورؐ ہی کی جمالی شان نمایاں نظر آتی ہے۔

۴- حضور اکرمؐ! اگر آپ کا عشق میری نماز کا امام نہ ہو تو میرا قیام بھی ایک حجاب ہوگا اور میرا سجدہ بھی محض حجاب ہی ہوگا۔ گویا اگر میں حضورؐ کے عشق کو ذاتِ ایزدی کی بارگاہ میں عبادت کا نصب العین نہ بناؤں تو میرا قیام و سجود دونوں اس محبوبِ حقیقی کے جلوہ سے محروم رہیں گے۔

۵- حضورؐ ہی کی نگاہِ ناز (نگاہِ لطف و کرم) کے طفیل عقل بھی مراد پا گئی جو حضور کے درجے کے حصول میں تو کامیاب نہیں ہوتی تاہم تلاش میں رہتی ہے' اور عشق بھی مراد پا گیا' جو حضوری کے لیے سراپا آرزومند رہتا اور بیقراری کی حالت میں رہنا جس کا طور طریقہ ہے۔ غالباً ان عالموں اور ولیوں کی طرف بالواسطہ اشارہ ہے جو حضورِؐ اکرم کے عشق سے سرشار ہونے کے باعث اپنی اپنی اہلیت کے مطابق کامیابی پا گئے۔

۶- حضورؐ! اگرچہ سورج کی گردش جاری ہے لیکن یہ دنیا تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہے' آپؐ اپنے بے حجاب جلوے کے فیض سے زمانے کی فطرت میں تازگی پیدا فرما دیں۔

مطلب یہ کہ سورج کی روشنی سے تو صرف جسم روشن ہوتے ہیں' آج کے حالات کے پیش نظر ایسے سورج کی ضرورت ہے جو روح وقلب کی تاریکیاں دور کر کے انہیں منور کر دے اور یہ کام صرف حضور کی بے پردہ جلوہ نمائی ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

پانچواں بند

۱- تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب — مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیلِ بے رطب
۲- تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا — عشق تمام مصطفیٰؐ، عقل تمام بولہب
۳- گاہ بحیلہ می برد' گاہ بزور می کشد — عشق کی ابتدا عجب' عشق کی انتہا عجب
۴- عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق — وصل میں مرگِ آرزو' ہجر میں لذتِ طلب
۵- عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا — گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب
۶- گرمیِ آرزو فراق' شورشِ ہائے وہُو فراق — موج کی جستجو فراق' قطرے کی آبرو فراق

۱- حضور اکرمؐ! میرے تمام دن رات آپ کی مبارک نگاہوں کے سامنے ہیں۔ مجھے یہ خبر ہی نہ تھی کہ علم ایک ایسا درخت ہے جس کو کوئی پھل نہیں لگتا' یعنی میں حصولِ علم ہی کے چکر میں رہا جو روحانی نقطۂ نظر سے ایک بیکار اور غیر مفید مشغلہ ثابت ہوا۔

۲- حصولِ علم کے بعد میرے ضمیر میں پرانا معرکہ پھر شروع ہوگیا' یعنی اس میں حق اور باطل کے درمیان کشاکش شروع ہوگئی جو قدیم دَور سے چلی آ رہی ہے۔ عشق سراسر حضور اکرمؐ ہیں جبکہ عقل پورے طور پر ابولہب ہے۔ یعنی میرے لیے عشق حقیقی کا یہ پیغام تھا کہ خود کو حضورؐ کے رنگ میں رنگ لوں' جبکہ عقل' جو خدائی احکام سے دور تھی' کی یہ آرزو تھی کہ میں ابولہب بن جاؤں۔ اس کشاکش میں' حضورؐ کے لطف و کرم کے طفیل' عشق نے مجھے اپنی طرف کھینچ کر مجھے بامراد کر دیا۔

۳- عشق کی ابتدا بھی حیران کن ہے اور اس کی انتہا بھی تعجب خیز ہے۔ کبھی تو یہ اپنی عجیب و غریب تدبیروں سے عاشق کو منزلِ مراد تک پہنچا دیتا ہے اور کبھی زور و قوت سے کھینچ کر لے جاتا ہے۔ چنانچہ مجھے اس نے بزور اپنی طرف کھینچ کر ظاہری علم اور عقل کے چکر سے نکال دیا۔

۴- سوز و ساز یا عشق کی دنیا میں وصل کی نسبت فراق و ہجر کی اہمیت زیادہ ہے۔ وصل میں آرزو کی موت ہے یعنی پوری ہو کر عشق کا خاتمہ کر دیتی ہے جبکہ ہجر میں لذتِ طلب'

یعنی محبوب کی طلب' ہوتی ہے جو ایک عاشق کے لیے زندگی کی سب سے بڑی لذت ہے۔ مومن دہلوی کے بقول:

مرگ ہے انتہائے شوق یاں رہی ابتدائے عشق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار سے

۵- جب مجھے محبوب کا وصل میسر آیا تو مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ میں ذرا آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ لیتا۔ وہ الگ بات کہ میری گستاخ نگاہ اس کی طرف دیکھنے کے بہانے ڈھونڈتی رہی۔

٦- ہجر و فراق ہی کی بدولت آرزو کی گرمی برقرار رہتی ہے اور ہجر ہی سے عاشق نالہ و فریاد کرتا اور اس میں ایک خاص لذت پاتا ہے۔ موج اور قطرے کے استعارے سے ہجر و فراق میں بیقراری کی لذت کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ موج ہر وقت جدائی کی تلاش میں بیقرار رہتی ہے۔ (اس کا بار بار اٹھنا گویا اس کی مذکورہ بیقراری کے باعث ہے۔) کچھ یہی حالت قطرے کی ہے' اس کا وجود اسی وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک وہ سمندر میں نہیں ملتا۔ یہ جدائی ہی اس کی آبرو کا سامان بنتی ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل
چیست حیاتِ دوام سوختن ناتمام

پروانہ اور جگنو

پروانہ

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو — کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

- پروانہ' جگنو سے مخاطب ہے۔ جگنو' پروانے کی منزل یعنی مقام سے بہت دور ہے' پھر جگنو بے سوز آگ پر کیوں مغرور ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے اور اس پر جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ جگنو کے اندر جو روشنی ہوتی ہے' وہ ایسی آگ کی طرح ہے جس میں جلانے کی قوت نہ ہو۔

جگنو

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں   دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں میں

= جگنو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ خدا کا بہت بہت شکر ہے کہ میں پروانہ نہیں ہوں، کیونکہ مجھے جل جانے کے لیے کسی دوسرے سے آگ کی بھیک نہیں مانگنی پڑی۔ بالواسطہ ہمیں یہ درس دیا گیا ہے کہ صرف اپنی اہلیتوں سے کام لینا چاہیے۔ اپنی اہلیتوں اور جوہروں کے اظہار کے لیے دوسروں کی محتاجی اختیار کرنا اپنی عزت نفس اور خودداری کو نقصان پہنچانا ہے۔

جاوید کے نام

(اس نظم میں جاوید کے علاوہ مسلم نوجوان نسل سے بھی خطاب ہے)

۱- خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سراغ   خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

۲- یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود   ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

۳- ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی   خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

۴- حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی   خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

۵- ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبالؔ   کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

۱- خودی کے ساز (بنانے یا اختیار کرنے کے عمل) ہی میں بقائے دوام/ دائمی زندگی کا نشان مل سکتا ہے۔ خودی کے سوز ہی سے قوموں کے چراغ روشن ہیں۔ خودی ہی کی بدولت کوئی فرد یا قوم بلند مرتبگی اور عظمت دوام حاصل کرتی ہے۔ ایک فارسی شاعر الٰہی (میر الٰہی، وفات ۱۰۶۳ھ) نے خودی یعنی اپنی معرفت سے متعلق خوب کہا ہے۔ اس کے مطابق ''میں یہ تو نہیں کہتا کہ تو اپنے لیے گدائی پسند کر یا انتخاب کر لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تو خود سے آگاہ ہو جا پھر جو تیرا دل چاہے تو وہ پسند کر لے۔''

من نمی گویم گدایی یا شہنشاہی گزیں
خویش را بگزین و دیگر ہرچہ می خواہی گزیں

۲- یہ ایک بات کہ انسان اس دنیا میں ایک مقصد (عظیم مقصد) لے کر آیا ہے، ہزار قسم کی

ترقیوں اور ہزار قسم کے سکون واطمینان کا سامان کرتی ہے۔ یعنی عظیم مقصد اس کے پیش نظر ہو اور اس کے حصول کے لیے وہ جہد و عمل کرتا رہے۔ تو بلند مرتبگی و عظمت اور دائمی زندگی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

۳- کوے اور شاہین کی باہمی صحبت سے کوے میں تو بلند پروازی پیدا نہ ہو سکی لیکن اس صحبت نے شاہین کی عادتیں بگاڑ دیں۔ یعنی ناجنس کی صحبت اختیار کرنے سے بچو کہ اس سے نقصان پہنچے گا۔ ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز'' کا شیوہ اختیار کرو۔

۴- آج کے دور میں صورتِ حال ایسی ہے کہ زمانے یا لوگوں کی آنکھ میں حیا نہیں رہی' جبکہ حضور اکرمؐ نے حیا کو ''جزوِ ایمان'' فرمایا ہے۔ میری دعا ہے کہ مولا کریم تیری جوانی کو ہر داغ (برائی) سے پاک رکھے اور تو ایک نیک نوجوان بنے۔

۵- اقبال کسی خانقاہ میں نہ ٹھہر سکا' اس لیے کہ وہ خوش طبع و خوش فکر اور صاحبِ دماغِ شگفتہ تھا' جبکہ آج کی خانقاہیں ان اوصاف سے محروم ہیں۔

گدائی

۱- میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا	ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
۲- تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے	کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا
۳- اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید	تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
۴- اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی	دینے والا کون ہے' مردِ غریب و بے نوا
۵- مانگنے والا گدا ہے' صدقہ مانگے یا خراج	کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا

(ماخوذ از انوری)

۱- (یہ نظم علامہ نے انوری کے اس قطعہ سے متاثر ہو کر لکھی ہے جس کا پہلا شعر ہے:)

آن شنیدستی کہ روزے زیرکے با ابلہے
گفت کاین والیِ شہرِ ما گداست

(ایک روز میخانے میں کسی دانا رند نے ایک بیوقوف سے یہ بات کہی کہ ہمارے شہر کا حاکم شرم و حیا سے عاری ایک بھکاری ہے۔)

۲- یہ بات لائق توجہ ہے کہ اس حاکم نے جو تاج پہن رکھا ہے' وہ رعایا کے کس کس فرد کی ٹوپی (عوام کی ٹوپیاں) چھین کر بنایا ہے اور وہ جو زریں قبا اس نے پہن رکھی ہے' وہ

کس کس کو لباس سے محروم کر کے تیار کروائی ہے۔

۳- یہ حاکم جو لالہ گوں شراب پیتا ہے وہ کسان کے خون سے کشید/ تیار کی گئی ہے اور تیرے میرے کھیت کی مٹی اس کے لیے کیمیا بنی ہے۔ کسان بے حد محنت کر کے جو فصل اگاتا ہے، حاکم اسی کا ایک حصہ خراج کے طور پر حاصل کر لیتا ہے۔ اس لحاظ سے تو ہمارے کھیتوں کی مٹی اس کے لیے کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے کچھ کام اور محنت کیے بغیر ہی اچھی خاصی رقم ہاتھ لگ جاتی ہے جس سے وہ خوب گل چھرے اڑاتا (عیش کرتا) ہے۔

۴- اس کے نعمت خانے (باورچی خانے) کی ہر ہر چیز دوسروں سے مانگی ہوئی ہے۔ یہ چیزیں دینے والا کون ہے (کون ہیں) وہ بیچارے غریب و مفلس عوام ہیں، رعایا کے لوگ ہیں جو دن رات کی محنت کے بعد اپنی روزی کا سامان کرتے ہیں اور حاکم بیٹھے بٹھائے اپنی عیاشی کا سامان ان سے سے حاصل کردہ چیزوں سے کرتا اور اپنے نعمت خانہ کو سجاتا ہے۔

۵- قصہ کوتاہ یا حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی بھی مانگنے والا ہے، خواہ وہ صدقہ مانگنے والا ہے یا خراج وصول کرنے والا ہے، وہ بھکاری ہی ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، اسے کوئی مانے یا نہ مانے، حقیقت یہی ہے کہ جاگیردار اور بادشاہ سبھی گدا (بھکاری) ہیں اور ان کی عیاشانہ زندگی اسی بھیک کے طفیل ہے۔

مُلا اور بہشت

۱-	میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا	حق سے جب حضرتِ مُلا کو ملا حکمِ بہشت
۲-	عرض کی میں نے "الٰہی! مری تقصیر معاف	خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب ولبِ کشت
۳-	نہیں فردوس مقامِ جدل وقال واقول	بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
۴-	ہے بد آموزیِ اقوام وملل کام اس کا	اور جنت میں نہ مسجد، نہ کلیسا، نہ کنشت"

(آج کے نام نہاد ملا اپنے مفاد کی خاطر بحثوں اور الجھیڑوں میں پڑے رہتے ہیں اور یوں ملت میں پھوٹ ڈالتے اور فرقہ پرستی کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ اس نظم میں اسی صورت حال کا بیان ہے۔) راقم یزدانی نے اس سلسلے میں یوں کہا ہے:

مُلا تجھے مبارک تیری پانچ وقتی ورزش
یہ زباں بھی ہو مبارک جو چُھری سے کم نہیں ہے
تجھے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ اُنس و الفت
تیرا دل ہے پُرخشونت' تیری آنکھ نم نہیں ہے

۱-۲= جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُلا کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ملا تو (اتفاق سے) میں بھی وہاں موجود تھا۔ یہ حکم سن کر میں اپنی بات پر قابو نہ پا سکا اور اللہ کے حضور عرض کی کہ اے خدا! میرا قصور معاف فرما' اسے بہشت میں جانے کی اجازت سے کیوں نوازا ہے؟ اسے تو وہاں کا ماحول' یعنی حور و شراب مقدس اور سبزہ و گل پسند' نہ آئے گا۔ اس کی فطرت ہی کچھ اور ڈھب کی ہے جس کی بنا پر وہ وہاں اطمینان سے نہ رہ سکے گا۔

۳- اس لیے کہ بہشت کوئی لڑائی جھگڑے اور بحث مباحثے اور تکرار کی تو جگہ نہیں ہے۔ جب کہ بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی فطرت و سرشت بن چکی ہے۔ پھر اسے بہشت میں چین کیونکر آئے گا۔

۴- اس کا تو کام ہی قوموں اور ملتوں کو بری راہ پر لگانا اور انہیں بری تعلیم دینا ہے۔ جبکہ اس کے اس کام کے لیے جنت میں نہ تو کوئی مسجد ہے' نہ کوئی گرجا اور نہ کوئی کنشت ہی ہے۔ یہی جگہیں تو اس کی بحث و تکرار اور جھگڑے کی جگہیں ہیں۔ پھر بہشت میں اسے کیونکر قرار آئے گا؟

دین و سیاست

۱- کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سمائی کہاں اس فقیری میں میری
۲- خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سر بلندی ہے یہ سر بزیری
۳- سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری
۴- ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری
۵- دُوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی — دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
۶- یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا — بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
۷- اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی — کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

۱- کلیسا کی بنیاد تو رہبانیت تھی پھر اس فقیری میں امیری کیونکر سما گئی۔ اشارہ ہے اس طرف کہ عیسائیوں نے دین اور سیاست دونوں کو الگ کر کے دونوں کو تباہ کر دیا ہے۔ رہبانیت (ترک دنیا) تو گویا درویشی وفقیری تھی' اس میں بادشاہی اور امیری نہیں سما سکتی تھی۔

۲- سلطانی و بادشاہت اور رہبانیت میں باہمی دشمنی تھی۔ اس لیے کہ وہ (بادشاہت) تو سربلندی ہے جبکہ یہ (راہبی) سربزیری ہے۔ (ترکِ دنیا کر کے گرجے میں سر جھکائے بیٹھے رہنا۔)

۳- اس باہمی دشمنی کے نتیجے میں سیاست' مذہب سے الگ ہو گئی۔ پادری یا پوپ (عیسائیوں کے مذہبی رہنما) نے اس سلسلے میں بڑی کوشش کی کہ ایسا نہ ہو' لیکن اس کا کوئی بس نہیں چل سکا۔

۴- جب سیاست مذہب سے الگ ہو گئی یعنی دین اور حکومت و سلطنت کا باہمی تعلق نہ رہا تو اس کے نتیجے میں حاکم اور ان کے وزیر حرص و ہوس کے غلام بن کے رہ گئے۔ گویا وہ دین سے علیحدگی کے سبب ہر طرح کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو گئے اور پیر کلیسا کی بات سننے پر آمادہ نہ ہوئے۔

۵- دین اور سیاست یا مذہب اور حکومت کے ایک دوسرے سے بے تعلق ہو جانے کے نتیجے میں نامرادی دونوں کا گویا مقدر بن گئی اور یہ دوئی آج کی تہذیب کی آنکھ کی نابینائی (اندھا پن) کا باعث بن گئی۔ آج کی تہذیب یا یورپی تہذیب نیک و بد میں تمیز سے بے نیاز ہو گئی ہے۔

۶- یہ حضور اکرمؐ کا ایک معجزہ ہے کہ حضورؐ نے دین و سیاست کو اکٹھا رکھا اور دین ہی کو سلطنت و حکومت کا آئینہ دار بنایا۔ مطلب یہ کہ حاکمِ وقت دینی احکام پر عمل پیرا رہے' اور ان کے خلاف کوئی بھی قدم نہ اٹھائے۔ اس لیے کہ بشیری ہی نذیری کی آئینہ دار ہے۔ (لغت دیکھیے)

۷- انسانیت کی حفاظت اسی میں ہے کہ دین داری اور حکومت و سلطنت ایک رہیں۔ ان کا دوسرے سے الگ ہونا انسانیت کی تذلیل و تباہی ہے۔ (قرآن کریم' سورۃ الحدید آیت ۲۷ میں مسیحیت کے حوالے سے رہبانیت پر یوں ارشاد ہوا ہے کہ ''عیسائیوں نے ترکِ دنیا کا عمل خود ہی پیدا کر لیا' جبکہ ہم نے انہیں اس کا حکم نہ دیا تھا۔ ہمارا حکم تو

یہ تھا کہ خدا کی رضا کو پیشِ نظر رکھیں، لیکن انہوں نے اس حکم پر صحیح طور پر عمل نہ کیا۔'')

اَلْاَرْضُ لِلّٰہ

۱۔ پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون — کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

۲۔ کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار — خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

۳۔ کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب — موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

۴۔ دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں — تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

۱۔ یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ مٹی یعنی زمین میں جب کوئی بیج پڑ جاتا یا ڈالا جاتا ہے تو زمین کی تاریکی میں کون اس کی نشو ونما کرتا ہے۔ وہ کون ذات ہے جو سمندروں اور دریاؤں کی لہروں سے بادل اٹھاتی ہے۔لہریں بھاپ بن کر اوپر اٹھتی ہیں اور بادل بن جاتی ہیں۔ ظاہر ہے ان بادلوں سے مینہ برس کر کھیتوں کی سرسبزی کا باعث بنتا ہے۔اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس خالق کائنات کا کام ہے۔

۲۔ کون مغرب کی طرف سے موافق ہوا کھینچ کر لاتا ہے، یعنی یہ ہوا کھیتوں میں فصل کے بڑھنے پھولنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ زمین کس کی اور یہ سورج کی روشنی کس کی ہے؟ جواب ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی خالقِ کائنات کا ہے۔

۳۔ کس ذات نے خوشہ گندم کی جیب موتیوں سے بھر دی ہے یا کون بھرتا ہے (گیہوں کے دانوں کو موتی کہا ہے) اور وہ کون ذات ہے جو موسموں کو بدل بدل کر آنے کی خصلت سے نوازتا ہے۔ یہ سب خدائے کریم کا کام ہے۔

۴۔ اس صورتِ حال میں اے گاؤں کے مالک (زمیندار، چودھری) یہ زمین تیری نہیں، قطعاً اور ہرگز تیری نہیں ہے اور نہ یہ تیرے باپ دادا کی ہے۔ یہ نہ تیری ہے اور نہ میری ہے۔ یہ تو اس خالقِ کائنات ہی کی ہے۔

ایک نوجوان کے نام

۱۔ تیرے صوفے ہیں افرنگی، تیرے قالیں ہیں ایرانی — لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

۲- لمارت کیا' شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل | نہ زورِ حیدری' تجھ میں' نہ استغنائے سلمانی
۳- نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلّی میں | کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی
۴- عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں | نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
۵- نہ ہو نومید' نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے | امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
۶- نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر | تو شاہیں ہے' بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

۱- اے نوجوانِ ملت! تو نے یورپی انداز کے صوفے رکھے ہیں اور تیرے قالین ایرانی ہیں۔ اپنی ملت کے نوجوانوں کی یہ آرام طلبی مجھے خون کے آنسو رلاتی ہے۔ مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ صوفے اور قالین عیش و آرام طلبی کی اور اپنی امیری کے ٹھاٹھ دکھانے کی علامت ہے۔ علامہ اپنے نوجوانوں کو بے حد محنتی اور جفاکش دیکھنے کے خواہش مند ہیں' جب وہ انہیں آرام طلب اور عیش پسند دیکھتے ہیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے' کیونکہ ایسے نوجوانوں سے عظیم کارناموں کی توقع ممکن نہیں۔

۲- تو بیشک بڑا دولت مند سہی لیکن اس کا فائدہ؟ اگر تجھے خسروی شان و شوکت بھی حاصل ہو تو اس سے تجھے کیا ملے گا' اس لیے کہ تجھ میں نہ تو حضرت علیؓ کا سا زور ہے کہ تو باطل قوتوں سے ٹکرا سکے اور نہ تجھ میں حضرت سلمانؓ کی سی بے نیازی و درویشی ہے کہ تو خود کو مادی فوائد کے جھنجھٹوں سے آزاد رکھے' جبکہ ایک مسلم نوجوان کے لیے مذکورہ زور و استغنا بنیادی ضرورتیں ہیں تاکہ اس کی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی تعلیم کی حامل بن جائے۔

۳- تو مذکورہ بے نیازی کو جدید دور کی تہذیب کی روشنی میں تلاش نہ کر' اس لیے کہ یہ تہذیب تو سراسر دنیوی و مادی فائدوں کے چکر میں الجھی رہتی ہے' اس کی ساری توجہ ان فوائد کی طرف ہے۔ جبکہ مجھے بے نیازی ہی میں اسلام کی عظمت و بلندی نظر آئی ہے۔ یعنی اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر کام کو ایک طرح سے عبادت سمجھ کر کیا جائے اور یہ عبادت دنیاوی فوائد کی حرص و ہوس سے پاک ہو۔

۴- جب نوجوانوں میں عقابی روح پیدا ہو جاتی ہے' ان میں عزم و ارادہ اور ہمت و حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو انہیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی ہے یعنی وہ عظمت و بلند مرتبگی کو اپنا نصب العین بنا کر جہد و عمل میں لگ جاتے ہیں اور اس محنت اور جہد و عمل سے ایک دن وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔

۵- اے مسلم نوجوان! آج کے غیر موافق حالات سے تو مایوس و ناامید نہ ہو' اس لیے کہ ناامیدی سے علم و عرفان (دماغ اور دل) زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مردِ مومن کی امید خدا کے راز دانوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی بھی مشکلوں کی حیثیت سے آگاہ نہیں ہوتا اور یہ کہ اپنی مقصد برآری کے لیے اسے کتنی جفا کشی کرنا پڑے گی' اسے تو بس مسلسل جہد و عمل سے کام لے کر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ پنجابی کے مشہور صوفی شاعر میاں محمد جہلمی کے بقول:

مالی دا کم پانی پانڑا بھر بھر مشکاں پاوے
مولا دا کم پھل پھل لانڑا لاوے یا نہ لاوے

٦- اے مسلم نوجوان! تیرا ٹھکانا شاہی محل کے گنبد پر نہیں ہے۔ تو تو شاہین ہے' لہٰذا تو پہاڑوں کی چٹانوں میں اپنی زندگی گذار' یعنی عیش پسندی اور آرام طلبی کی بجائے محنت و جفاکشی اور جہد و عمل کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنا لے۔

نصیحت

۱- بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقابِ سالخورد — اے ترے شہپر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں
۲- ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام — سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں
۳- جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر! — وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

۱- ایک بوڑھا عقاب' شاہین کے ایک بچے سے یہ کہہ رہا تھا کہ اے بچے! اللہ کرے کہ تیرے شہپر میں ایسی قوت عطا ہو کہ تیرے لیے آسمان کی بلندی تک پرواز کرنا آسان ہو جائے۔ بالواسطہ نوجوانوں کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زبردست قوت عطا کرے تاکہ وہ اپنے جہد و عمل سے اپنی عظمت و بقا کا سامان کر سکیں۔

۲- جوانی کیا ہے؟ جوانی اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام ہے اور محنت و جفاکشی سے زندگی کی کڑواہٹ شہد بن جاتی ہے۔ اپنے لہو کی آگ میں جلنے سے مراد ہے مسلسل جہد و عمل میں مصروف رہنا اور راستے میں آنے والی مشکلوں اور رکاوٹوں سے ٹکراتے ہوئے آگے بڑھتے رہنا ہی حقیقی زندگی ہے۔ غالبؔ نے کچھ اس انداز میں بات کی ہے:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

اور ایک اور انداز میں یوں بات کی ہے:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

۳۔ اے بیٹے! کبوتر پر جھپٹنے میں جو لطف و مزا ہے وہ مزا شاید کبوتر کا لہو پینے میں بھی نہیں ہے۔ اس استعارے میں یہ کہنا مقصود ہے کہ حقیقی زندگی کا سارا مزا جہد و عمل اور مسلسل محنت و جفاکشی میں ہے۔ اس کے نتیجے میں جو کچھ میسر آتا ہے اس میں وہ لذت و لطف نہیں ہوتا۔

لالۂ صحرا

۱۔ یہ گنبدِ مینائی، یہ عالمِ تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

۲۔ بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی

۳۔ خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلۂ سینائی، میں شعلۂ سینائی

۴۔ تو شاخ سے کیوں پھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
اِک جذبۂ پیدائی، اک لذتِ یکتائی

۵۔ غواصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو
ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

۶۔ اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

۷۔ ہے گرمیِ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم
سورج بھی تماشائی تارے بھی تماشائی

۸۔ اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی

۱۔ صحرا کے گل لالہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نیلا آسمان اور یہ تنہائی کا عالم، مجھے تو اس دشت/ جنگل کی وسعت دیکھ کر خوف آ رہا ہے، تو کیونکر یہاں رہ رہا ہے۔ (اس نظم میں گویا ایک سچے عاشق یا مومن کی بات کی گئی ہے لالہ اس کا استعارہ ہے۔)

۲۔ میں ایک ایسا مسافر ہوں جو راستہ بھول چکا ہے اور تو بھی میری طرح راستہ بھولا ہوا راہی ہے۔ اے صحرا میں کھلنے والے لالہ تیری منزل کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں تیرا کوئی قدردان نہیں، تو کسی باغ میں کھلتا تو خوب ہوتا۔ گویا مردِ مومن ترکِ دنیا کرنے کی بجائے دنیا میں رہ کر دوسروں کو بھی جذبۂ عشق حقیقی سے سرشار کرے اور

دین کی راہ پر لگائے۔

۳- یہ پہاڑ اور یہ وادی کلیموں جیسی عظیم ہستیوں سے خالی ہے' ورنہ تیرے سینے میں بھی طور سینا کے شعلے پوشیدہ ہیں اور میرے سینے میں بھی یہ شعلے قائم ہیں۔ یعنی آج کوئی صاحب نظر دکھائی نہیں دے رہا ورنہ ہم دونوں میں حسنِ حق جلوہ نما ہے۔

۴- تو شاخ سے کیوں نکلا یا الگ ہوا اور میں شاخ سے کیوں ٹوٹا (عدم سے ہستی میں کیوں آیا) اس کا جواب یہ ہے کہ کائنات کی ہر ہر شے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے جذبے سے سرشار ہے اور اسی بنا پر وہ لذتِ یکتائی (بے مثل بننے کے ذوق شوق) کی حامل بن جاتی ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ محبت کے دریا میں غوطہ زنی کرنے والے کی حفاظت فرمائے۔ اس دریائے محبت کا ہر ہر قطرہ دریا کی گہرائی کا حامل ہے۔ عشق و محبت کی منزل بڑی دشوار گذار ہے۔ اس کی راہ میں بڑی دشواریاں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے بغیر عاشق اپنی منزل نہیں پاسکتا یا مقصد حاصل نہیں کرسکتا۔

۶- بھنور کی آنکھ اس لہر کے ماتم/غم میں رو رہی ہے جو دریا سے تو اٹھی لیکن کنارے سے نہ ٹکرائی۔ بھنور گویا استعارہ ہے قدرت کا اور لہر اس انسان کا جو تمام تر جدوجہد اور مصائب و آلام سے ٹکرانے یا انہیں برداشت کرنے کے باوجود زندگی کے عظیم مقصد کے حصول میں محروم رہے۔ قدرت اس کی اس حالت پر افسوس کرتی ہے۔

۷- کائنات کی تمام رونقیں اور چہل پہل انسان کی سرگرمیوں یعنی زبردست جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ کیا سورج اور کیا تارے (چاند ستارے) سبھی اس منظر کے تماشائی ہیں۔ گویا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے باعث کائنات کی ہر شے اس کی خدمت میں مصروف ہے۔

۸- اے بیابان کی ہوا! مجھے بھی خاموشی' دل کا سوز و گداز' (دوسرے کی غمگساری' ان سے ہمدردی وغیرہ) سرمستی اور رعنائی عطا کر۔ یہ ہوا استعارہ ہے قدرت کا۔ قدرت سے عشق اور اس محبوب حقیقی کے ذکر کے جذبے وغیرہ عطا کرنے کی آرزو کی ہے۔

ساقی نامہ

پہلا بند

۱۔ ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار — ارم بن گیا دامنِ کوہسار
۲۔ گل و نرگس و سوسن و نسترن — شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
۳۔ جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں — لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
۴۔ فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور — ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
۵۔ وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی — اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
۶۔ اُچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی — بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
۷۔ رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ — پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
۸۔ ذرا دیکھ اے ساقیِ لالہ فام — سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
۹۔ پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز — کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز
۱۰۔ وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات — وہ مے جس سے ہے مستیِ کائنات
۱۱۔ وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل — وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
۱۲۔ اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے — لڑا دے ممولے کو شہباز سے

۱۔ (اس بند میں موسم بہار کی آمد اور قدرتی مناظر کی تصویر کشی ہے) بہار کا قافلہ آ کر خیمہ زن ہو گیا اور پہاڑ کا پورا ماحول جنت کا منظر پیش کرنے لگا ہے۔

۲۔ اس کے باعث رنگ رنگ کے پھول، گلاب، نرگس، سوسن اور چنبیلی کھلنے لگے ہیں اور لالہ جو شہیدِ ازل ہے وہ خونیں کفن پہنے ہوئے ہے۔ لالہ کا رنگ سرخ ہوتا ہے، اس لیے خونیں کفن کہا ہے۔

۳۔ ساری کائنات رنگ کے پردے میں چھپ گئی ہے اور پتھر کی رگوں میں خون دوڑنے لگا ہے۔ گویا کائنات نے بہار کا لباس پہن لیا ہے اور اس کی ہر ہر شے میں حسن و دل کشی کی لہریں اٹھنے لگی ہیں۔

۴۔ فضا نیلی نیلی ہے اور ہوا میں ایک عجیب دل کشی و سرور ہے۔ اس دل کش فضا میں پرندے بھی اپنے آشیانوں میں ٹھہرے رہنا پسند نہیں کر رہے۔ وہ بھی قدرت کے

اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۵-۶= پہاڑ کی ندی کبھی تو اچکتی کودتی ہے، کبھی رکتی، بل کھاتی اور سرکتی ہوئی رواں دواں ہے، بہہ رہی ہے اور کبھی یہ اچھلتی، پھسلتی اور سنبھلتی اور بڑے پیچ کھاتی ہوئی چل رہی ہے۔

۷- جب یہ ندی رک جاتی ہے تو یہ اپنے بہاؤ کے زور سے پتھر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے۔ تینوں شعر پہاڑی ندی کی روانی کی مختلف تصویریں پیش کر رہے ہیں۔

۸- اے لالہ کے سے حسن والے ساقی! ذرا اس ندی کو دیکھ کہ یہ زندگی کا پیغام سنا رہی ہے۔ بیداری کا پیغام دے رہی ہے۔

۹- تو (اے ساقی!) مجھے وہ پردے جلا دینے والی (یعنی تیرے اور میرے درمیان جو پردے حائل ہیں انہیں جلا دینے والی) شراب پلا دے، اس لیے کہ فصل گل (موسم بہار روز روز نہیں آتی۔ ساقی سے مراد خدا تعالیٰ ہے۔

۱۰- تو مجھے ایسی شراب عطا فرما جس سے زندگی کا ضمیر/ دل روشن ہے، اور جو سرور سے کائنات کو مست کر دیتی ہے، یا کر رہی ہے۔

۱۱- مجھے ایسی شراب عطا فرما جس میں ازل کا سوز و ساز ہے جس سے حسن و عشق کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور جو ازل کے آغاز وغیرہ کا راز فاش کر دیتی ہے۔

۱۲- اے ساقی! مجھے اپنے عشق کی شراب پلا کر اس کائنات کے رازوں سے باخبر فرما دے اور یوں ممولے کو شہباز سے لڑا دے۔ مجھ کمزور انسان کو ہمت و قوت عطا فرما دے۔

دوسرا بند

۱- زمانے کے انداز بدلے گئے — نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

۲- ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ — کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

۳- پرانی سیاست گری خوار ہے — زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

۴- گیا دورِ سرمایہ داری گیا — تماشا دکھا کر مداری گیا

۵- گراں خواب چینی سنبھلنے لگے — ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

۶- دلِ طورِ سینا و فاراں دو نیم — تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

۷- مسلماں ہے توحید میں گرم جوش	مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
۸- تمدن' تصوف' شریعت' کلام	بتانِ عجم کے پجاری تمام
۹- حقیقت خرافات میں کھو گئی	یہ امت روایات میں کھوگئی
۱۰- لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب	مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
۱۱- بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا	لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
۱۲- وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد	محبت میں یکتا' حمیت میں فرد
۱۳- عجم کے خیالات میں کھو گیا	یہ سالک مقامات میں کھو گیا
۱۴- بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے	مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

۱- (اس بند میں جدید دور کے انقلابات کا ذکر اور دنیا کے مسلمانوں کے غیر اسلامی کردار پر اظہار افسوس ہے) آج زمانے کے طور طریقے بدل گئے ہیں' انقلابات آگئے ہیں۔ پرانے والے ساز ختم ہو گئے اور راگ بھی نیا گایا جا رہا ہے۔ وہی عصر حاضر کی عجیب عجیب تحریکیں اور نئے نئے نظریے سامنے آنے لگے ہیں۔

۲- (اب ان کی تفصیل دی جا رہی ہے) یورپ والوں کا راز کچھ اس طور فاش ہو گیا ہے کہ انہیں خود ہی اپنی فریب کاری اور مکاری وعیاری کے واضح ہو جانے پر حیرت ہو رہی ہے۔ گویا ان کا نظامِ سرمایہ داری اور شہنشاہیت کا جادو بری طرح مٹ گیا ہے۔

۳- پرانی سیاست کے طور طریقے اور چالبازیاں ذلت وخواری سے دوچار ہیں' اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا والے سرداری وسلطانی (ایک شخص کی حکومت) سے سخت بیزار ہیں۔

۴- آج سرمایہ داری کا دور ختم ہو چکا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ یہ (دورِ سرمایہ داری) ایک مداری تھا جو تماشا دکھا کر آگے نکل گیا' یا چلا گیا ہے۔

۵- وہ اہلِ چین' جو اپنی غفلت وکاہلی کے باعث غلامی کی زندگی پر مجبور تھے' آج جذبۂ آزادی سے سرشار ہو کر بیدار ہو چکے یا ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف کوہِ ہمالیہ کے چشمے بھی ابلنے لگے ہیں۔ برصغیر ہند کے عوام بھی بیدار ہو کر آزادی کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔

۶- طورِ سینا اور کوہ فاران (لغت دیکھیے) دونوں کے دل دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ کلیم (حضرت موسیٰؑ) پھر جلوۂ ایزدی کے انتظار میں ہیں۔ یعنی عرب قومیں بھی دوسروں

کے ملکوں پر غاصبانہ قبضے کی خباثت وطمع کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور امدادِ الٰہی کی منتظر ہیں۔ ظالم انگریزوں نے شاید ہی کوئی ملک چھوڑا ہو جس پر انہوں نے غاصبانہ قبضہ نہ کیا ہو۔ عرب قومیں اس ظلم کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔

۷- اگرچہ دیکھنے میں آج کا مسلمان توحید کا زبردست قائل اور اس کا زبانی کلامی اظہار بھی کرتا ہے' لیکن بدقسمتی سے اس کا دل ابھی تک زنار پوش ہے۔ یعنی آج کے مسلمانوں کے قول و کردار میں بڑا فرق ہے۔ عملاً اسلامی تعلیمات سے وہ دور ہیں۔

۸- کیا تہذیب و تمدن اور کیا تصوف' کیا شریعت اور کیا علم کلام' سبھی عجمی بتوں کے پجاری بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر طرح کے طور طریقے' سوچ' فکر اور فقہ وغیرہ اسلامی رنگ سے محروم ہیں۔ وہ دوسری قوموں' بالخصوص فرنگی تہذیب و فکر سے بہت متاثر ہیں۔

۹- مسلمانوں کی اس غفلت اور اسلام کی تعلیمات پر عدم توجہ کے باعث دین کی حقیقت و صداقت بیہودہ اور لغو باتوں میں دب کے رہ گئی ہے اور ملت اسلامیہ غیر اسلامی قصے کہانیوں ہی میں محو ہو کر رہ گئی ہے۔

۱۰- اگرچہ مسلمان واعظوں کی حیران کن باتیں بظاہر دل کو لبھاتی ہیں' لیکن بدقسمتی سے' یہ حضرات جذبہ عشق حقیقی کی لذت سے محروم ہیں۔ فقط زور دار تقریروں ہی سے سامعین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۱- واعظوں خطیبوں کی تقریریں' ان کے وعظ کچھ اس ڈھب کے ہوتے ہیں کہ وہ فلسفہ و منطق کے لحاظ سے سلجھے ہوئے ہوتے ہیں اور لغت کے چکر میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی زوردار الفاظ اور ترکیبوں سے واعظ سامعین کو مرعوب کرتے ہیں۔

۱۲-۱۳= صوفیا کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ وہ جو کبھی حق و صداقت کی نشر و اشاعت یعنی دوسروں تک اسے پھیلانے میں بڑی جدوجہد کیا کرتے تھے' جو محبت اور انسان دوستی میں بے مثل اور غیرت و حمیت میں یکتا تھے' آج وہ غیر اسلامی خیالات اور طور طریقوں میں کھوئے ہوئے ہیں' محو ہیں۔ تصوف کے یہ سالک مقامات (لغت دیکھیے) میں کھو کر رہ گئے ہیں۔

۱۴- بڑے اندھیر یا غضب اور دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں میں عشق حقیقی کی آگ بجھ چکی ہے اور وہ مسلمان نہیں بلکہ راکھ کا ڈھیر بن کے رہ گئے ہیں۔ اسی عشق کی بدولت

مسلمان بلند مرتبہ اور دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ آج معاملہ، اس عشق سے دوری کے باعث، برعکس ہوگیا ہے۔

تیسرا بند

۱۔ شرابِ کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
۲۔ مجھے عشق کے پَر لگا کر اُڑا — مری خاک جگنو بنا کر اُڑا
۳۔ خرد کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر
۴۔ ہری شاخِ ملت ترے نم سے ہے — نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
۵۔ تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
۶۔ جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنا کو سینوں میں بیدار کر
۷۔ ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
۸۔ جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق میری نظر بخش دے
۹۔ مری ناؤ گرداب سے پار کر — یہ ثابت ہے تو اس کو سیّار کر
۱۰۔ بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات — کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
۱۱۔ مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
۱۲۔ مرے نالۂ نیم شب کا نیاز — مری خلوت و انجمن کا گداز
۱۳۔ امنگیں مری آرزوئیں مری — امیدیں مری جستجوئیں مری
۱۴۔ مری فطرت آئینۂ روزگار — غزالانِ افکار کا مرغزار
۱۵۔ مرا دل مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات
۱۶۔ یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
۱۷۔ مرے قافلے میں لٹا دے اسے — لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

۱۔ (اس بند میں خدا سے مسلم نوجوانوں کے لیے دعا کی گئی ہے) اے ساقی! (خدا) تو مجھے پھر پرانی شراب پلا اور وہی جام گردش میں لا۔ یعنی مجھے تو عشق رسولؐ اکرم کے جذبے سے سرشار کر اور اس شراب (جذبہ عشق) کا جام پہ جام پلائے جا تا آنکہ میں مستی میں کھو جاؤں۔

۲۔ مجھے اس عشق کے بال و پر عطا فرما تا کہ میں ان سے اس (عشق) کی بلند فضا میں

پرواز کروں اور میری خاک میں ایسی کیفیت پیدا فرما دے کہ وہ جگنو کی طرح اڑنے لگے۔ یعنی آتشِ عشق سے میری خاک کو جگنو کی سی پرواز عطا فرما دے۔

۳۔ عقل کو غلامی سے آزاد فرما دے یعنی آج کے مسلمان کی فکر غلامی کے چکر سے نکلے، اور مسلم نوجوانوں کو بوڑھوں کا استاد بنا دے۔ آج کے نوجوان اس جذبۂ عشق رسولؐ اکرم سے سرشار ہو جائیں اور شریعت کی صحیح طور پر پابندی کر کے بوڑھوں سے آگے نکل جائیں۔

۴۔ ملتِ اسلامیہ کی شاخ تیرے ہی نم سے تر و تازہ ہے اور اس بدن میں جو سانس ہے، تیرے ہی کرم سے ہے۔ گویا ملت کا باغ تیرے ہی کرم سے سرسبز ہے اور ملت جو زندہ ہے تو یہ بھی تیرے ہی فضل کے طفیل ہے۔

۵۔ اے خدا! تو ملت کے دلوں میں حضور اکرمؐ کے عشق کی تڑپ اور بیقراری پیدا فرما دے اور انہیں حضرت علیؓ مرتضیٰ کا سا دل (جو اس جذبہ سے سرشار تھا) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سا سوز و گداز عطا فرما دے تا کہ وہ ان حضرات کے سے کارنامے انجام دے سکیں۔

۶۔ تو ملت کے جگر سے پھر وہی تیر (عشق رسولؐ) پار کر دے اور حقیقی زندگی بسر کرنے کی تمناسب مسلمانوں کے سینوں میں بیدار کر دے۔

۷۔ تیرے آسمانوں کے ستارے ہمیشہ اسی طرح چمکتے رہیں اور شب زندہ دار حضرات صحیح وسلامت رہیں کہ انہی کے دم سے اسلام کی تعلیمات برقرار ہیں۔

۸۔ تو مسلمان نوجوانوں کو دل و جگر کا سوز عطا فرما دے اور میری ہی طرح ان میں عشق رسولؐ اکرم کا جذبہ پیدا فرما دے اور میری جیسی نظریں عطا فرما دے جو حقیقت کے نور سے روشن ہیں۔

۹۔ میری کشتی کو بھنور سے نکال کر کنارے لگا دے۔ یہ ایک ہی جگہ پر رکی/اٹکی ہوئی ہے تو اسے بہت چلنے والی بنا دے۔ کشتی اشارہ ہے ملّت کی طرف جو اپنی غفلت و بے عملی اور جدوجہد سے عاری ہونے کے باعث ذلت و پستی کا شکار ہے۔ اس کے لیے دعا کی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی طرف آئے تا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت و بلند مرتبگی پھر حاصل کر سکے۔

۱۰۔ مجھے زندگی اور موت کے بھیدوں سے باخبر فرما دے، اس لیے کہ تیری ذاتِ اقدس کی

نگاہوں میں ساری کائنات ہے۔ یعنی تو اس کے ذرے ذرے سے باخبر ہے۔

۱۱- میری آنکھیں آنسوؤں سے تر رہتی ہیں اور میں رات بھر جاگتا رہتا ہوں۔ میرا دل کچھ اس طرح بیقرار و بیتاب رہتا ہے کہ کسی دوسرے کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

۱۲- آدھی رات کو میں تیرے حضور نیاز کا اظہار کرتا ہوں' نالہ و فریاد کرتا ہوں۔ میں تنہائی میں رہوں یا کسی بزم میں رہوں' ہر جگہ سوز و گداز کے باعث بیقرار رہتا ہوں۔

۱۳- میری امنگیں' جذبے اور ولولے' میری آرزوئیں' شوق و ذوق' میری امیدیں' میرے ارادے اور میری تلاش و طلب'

۱۴- میری فطرت و سرشت زمانے کا آئینہ ہے۔ میرا ذہن فکر و خیال کا سبزہ زار ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کی حقیقت سے میں باخبر ہوں اور میرے بلند و پاکیزہ خیالات سے میرا دماغ پُر ہے۔

۱۵- میرا دل میری زندگی کی رزم گاہ ہے۔ میرا سینہ گمانوں / خیالوں کے لشکر کی چھاؤنی ہے۔ میرا یقین و ایمان قائم و ثابت ہے۔

۱۶- اے ساقی! اس درویش (اقبالؔ) کا بس یہی سارا سرمایہ ہے اور اسی سرمائے کی بدولت میں فقیری میں بھی امیری کا لطف اٹھا رہا ہوں۔

۱۷- تو (اے خدا) میرا یہ سرمایہ' میری یہ دولت' میرے قافلے یعنی قوم میں لٹا دے' تقسیم کر دے' اور تقسیم کر کے اسے ٹھکانے لگا دے۔ (اوپر جو اپنی کیفیات بیان کی ہیں' ان کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔)

چوتھا بند

۱- دما دم رواں ہے یمِ زندگی — ہر اِک شے سے پیدا رمِ زندگی
۲- اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود
۳- گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گِل — خوش آئی اسے محنتِ آب و گِل
۴- یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی — عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
۵- یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر — مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر
۶- یہ عالم یہ بت خانۂ شش جہات — اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
۷- پسند اس کو تکرار کی خُو نہیں — کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں

۸- من و تو سے ہے انجمن آفریں مگر عینِ محفل میں خلوت نشیں
۹- چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے
۱۰- اسی کے بیاباں اسی کے ببول اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول
۱۱- کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور
۱۲- کہیں جرہ شاہینِ سیماب رنگ لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ
۱۳- کبوتر کہیں آشیانے سے دور پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

۱- (اس بند میں ''زندگی کی حقیقت کیا ہے' یا حقیقی زندگی کیا ہے'' کے موضوع کی وضاحت کی گئی ہے۔) زندگی کا دریا لگاتار رواں ہے' بہہ رہا ہے۔ کائنات کی ہر ہر شے سے زندگی کی دوڑ نمایاں ہے۔ یعنی ہر شے کسی نہ کسی صورت میں تگ و دو اور جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔

۲- اسی زندگی کے طفیل بدن کی نمود ہے بالکل اسی طرح جس طرح شعلے میں دھوئیں کی لہر پوشیدہ ہوتی ہے۔ گویا بدن کا وجود زندگی سے ہے اور زندگی ہی سے اس وجود کا نمایاں ہوتا ہے۔

۳- اگرچہ زندگی کو مٹی اور پانی (مراد وجود' یا عناصر دنیا) کی صحبت ناگوار گذرتی ہے' تاہم اسے عناصر اربعہ (آب و آتش' خاک و باد) کی محنت یا جدوجہد پسند آئی ہے' اچھی لگی ہے۔ گویا زندگی کی عظمت و بلند مرتبگی اسی وجود یا جسم ہی سے ممکن ہے۔

۴- زندگی ایک جگہ ٹکے رہنے والی بھی ہے اور اس میں حرکت و روانی بھی ہے۔ وہ عناصر اربعہ کے پھندوں سے بیزار بھی ہے۔ گویا وہ بدن یا وجود ہی کی وساطت سے نظر آ رہی ہے اور ارتقا یا ترقی کی خاطر رواں دواں بھی رہتی ہے۔ ان عناصر ہی سے اس کا پتا چلتا ہے اور انہی سے وہ بیزار بھی ہے۔

۵- یہ (زندگی) ایک ایسی وحدت ہے جو کثرت میں اسیر ہے' لیکن ہر جگہ وہ بے مثل بھی ہے اور منفرد بھی۔ زندگی نام تو ایک ہی چیز کا ہے لیکن وہ کائنات میں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے۔ ہر صورت دوسری صورت سے الگ نظر آتی ہے' یا دوسری صورت کی طرح نہیں ہوتی۔

۶- یہ کائنات' یہ شش جہات کا بت خانہ' اسی زندگی نے تراشا ہے۔ یہ کائنات زندگی ہی کے طفیل وجود میں آئی ہے۔

۷۔ زندگی کو ایک چیز کے بار بار دہرانے کی عادت نہیں ہے' اس لیے کہ تو' میں نہیں اور میں تو نہیں ہوں۔ یعنی ہر شخص کی شکل وصورت دوسروں سے نہیں ملتی۔ ہر کوئی الگ الگ صورت کا مالک ہے۔

۸۔ زندگی ''میں اور تو'' یعنی مختلف انسانوں سے بزم آرائی کا سامان کرتی ہے' لیکن بزم میں رہتے ہوئے بھی خود کو تنہائی میں چھپا لیتی ہے۔ چونکہ وہ انسانی نگاہوں کو نظر نہیں آتی' اس لیے خلوت نشینی کی بات کی ہے۔

۹۔ اس کی چمک بجلی (آسمانی بجلی) اور تارے میں ہے۔ اس کی یہ چمک چاندی' سونے اور پارے میں ہے۔ گویا کائنات کی تمام اشیا میں مختلف شکل وصورت اور مختلف انداز میں نظر آتی ہے۔

۱۰۔ یہ بیاباں' جنگل وصحرا اور یہ کیکر کے درخت (یعنی ہر طرح کے درخت) اور یہ کانٹے اور پھول سبھی زندگی ہی کے طفیل وجود پذیر ہیں (ان کا وجود ہے۔)

۱۱۔ کہیں تو اس کی قوت وطاقت اتنی زبردست ہوتی ہے کہ وہ اس قوت سے پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور کہیں وہ حضرت جبرئیلؑ اور حوروں کو اپنے جال میں گرفتار کر لیتی ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو روحانی قوت سے سرشار کر کے اسے فرشتوں کی دنیا اور بہشت کی سیر کرا دیتی ہے۔

۱۲۔ کہیں زندگی کی صورت اس انداز میں نمایاں ہوتی ہے کہ بڑی قوت والا کوئی شہباز چکوروں پر جھپٹ کر اپنے پنجے ان کے لہو سے بھر لیتا ہے۔ استعارہ ہے طاقتور کا کمزوروں پر حملہ کرنے کا۔ یہ ایک انسان سے بھی متعلق ہو سکتا ہے جو کمزوروں کو اپنا نشانہ بناتا ہے اور کسی طاقتور ملک سے بھی جو قوت کے بل پر کمزور ملک یا ملکوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔

۱۳۔ کہیں زندگی کی یہ صورت نظر آتی ہے کہ کوئی کبوتر اپنے آشیانے سے دور (شکاری کے) جال میں گرفتار ہو کر بڑی بیقراری سے پھڑکتا تڑپتا ہے۔

پانچواں بند

۱۔ فریبِ نظر ہے سکون و ثبات ۔۔۔ تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

۲۔ ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود ۔۔۔ کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

۳- سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
۴- بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند — سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
۵- سفر زندگی کے لیے برگ و ساز — سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز
۶- الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے — تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
۷- ہوا جب اسے سامنا موت کا — کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا
۸- اتر کر جہانِ مکافات میں — رہی زندگی موت کی گھات میں
۹- مذاقِ دوئی سے بنی زوج زوج — اٹھی دشت و کہسار سے فوج فوج
۱۰- گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے — اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
۱۱- سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات — ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
۱۲- بڑی تیز جولاں ہے بڑی زود رس — ازل سے ابد تک رمِ یک نفس
۱۳- زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے — دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

۱- (اس بند میں زندگی کی خصوصیات کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں) ایک جگہ رُک کے رہنا، ٹکے رہنا محض نظر کا دھوکا ہے، اس لیے کہ کائنات کا ہر ہر ذرہ تڑپ رہا ہے۔ ہر شے حرکت میں ہے لیکن ظاہری آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی۔

۲- وجود کا قافلہ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا/ٹکتا، اس لیے کہ وجود کی شان ہر لحظہ تازہ یا نئی رہتی ہے۔ وجود ہر پل نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے۔

۳- تو (مخاطب) یہ سمجھتا ہے کہ زندگی ایک بھید ہے (یعنی کسی پر ظاہر نہیں ہے) نہیں ایسا نہیں ہے، یہ تو فقط ذوقِ پرواز کی لذت ہے، وہ ترقی کی بلندیوں پر محوِ پرواز ہے۔

۴- زندگی نے بہت سے پست و بلند دیکھے ہیں (ان سے گذری ہے) وہ ایک جگہ رہنے کی نسبت سفر کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ گویا سفر اور گردش اس کی فطرت ہے اور اسی کی بدولت وہ نچلی جگہوں سے بلند مقامات تک پہنچی ہے۔

۵- حقیقت یہ ہے کہ سفر (رواں دواں رہنا) ہی زندگی کا ساز و سامان ہے۔ سفر ایک حقیقت ہے اور حضر سراسر مجاز ہے۔ سفر ہی سے زندگی استحکام حاصل کرتی ہے۔ سفر سے مراد مسلسل جہد و عمل میں مصروف رہنا ہے کہ اسی سے عظمت و برتری حاصل ہوتی ہے۔

۶- زندگی کے لیے اسی میں لطف ہے کہ وہ مصائب و آلام سے ٹکرا کر ان پر قابو پالے اور وہ تڑپنے پھڑکنے ہی میں راحت محسوس کرتی ہے۔ ہنگامہ آرائی اور کشمکش میں مصروف

رہ کر راستے کی رکاوٹوں وغیرہ سے ٹکرائے اور ان پر قابو پا کر اپنی راحت کا سامان کرے، یہی اس کا بڑا مقصد ہوا۔

۷۔ جب زندگی کا موت سے ٹکراؤ ہوا تو اس (موت) سے بچ نکلنا دشوار تھا۔ تاہم وہ اپنی بے پناہ قوتوں کے بل پر اس پر قابو پا گئی۔

۸۔ جب زندگی نے موت سے بدلہ لینے کا پکا ارادہ کر لیا تو وہ اسے شکست دینے کی خاطر موقع کی تاک میں لگ گئی۔ وہی ساتویں شعر والی بات، یعنی اپنی عظیم قوتوں سے وہ موت پر غالب آ گئی۔

۹۔ دوئی کے ذوق سے وہ جوڑا جوڑا بن گئی اور دشت و کوہسار سے فوج در فوج کی صورت میں اٹھی۔ قدرت نے ہر چیز کا جوڑا (نر اور مادہ) پیدا کیا۔ اسی لیے "جوڑا جوڑا بن گئی" کہا ہے۔

۱۰۔ کبھی اس شاخ سے پھول ٹوٹتے بھی رہے اور کبھی اسی شاخ سے کھل کر باہر بھی آ گئے۔ گویا زندگی موجود سے عدم اور عدم سے موجود کی صورت اختیار کرتی رہتی ہے۔

۱۱۔ ناواقف و بے خبر لوگ اسے فانی سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا نقش مٹ مٹ کر نمودار ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اگر معمولی صورت وہ مٹ جائے تو اسی سے نمایاں صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ زندگی بڑی تیز رفتار اور منزل تک فوراً پہنچ جاتی ہے۔ آغازِ کائنات سے یہ ایک سانس کے آنے جانے کی صورت میں اپنے وجود کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ چنانچہ یہ اسی طور ہمیشہ قائم و برقرار رہے گی۔

۱۳۔ زمانہ ایک طرح سے دنوں کی زنجیر ہے اور یہ سانسوں کے آنے جانے اور گردش کا نام ہے۔ زنجیر دنوں کے لگاتار آنے جانے کی بنا پر کہا ہے۔ گویا زمانہ زندگی کے مسلسل حرکت میں رہنے ہی کی ایک صورت ہے۔

چھٹا بند

۱۔ یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے   خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

۲۔ خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات   خودی کیا ہے بیداریِ کائنات

۳۔ خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند   سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

۴- اندھیرے اجالے میں ہے تابناک	من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
۵- ازل اس کے پیچھے ابد سامنے	نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
۶- زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی	ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
۷- تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی	دما دم نگاہیں بدلتی ہوئی
۸- سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں	پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں
۹- سفر اس کا آغاز و انجام ہے	یہی اس کی تقویم کا راز ہے
۱۰- کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں	یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
۱۱- اسے واسطہ کیا کم و بیش سے	نشیب و فراز و پس و پیش سے
۱۲- ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر	ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
۱۳- خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے	فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

۱- (اس بند میں خودی کی وضاحت کی گئی ہے) یہ سانس کی لہر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تلوار ہے۔ اور خودی کیا ہے؟ خودی اس تلوار کی دھار ہے۔ گویا جس طرح دھار کے بغیر تلوار' بیکار ہے' کچھ یہی حال زندگی کا ہے کہ اگر اس میں خودی نہ ہو تو وہ ایک بیکار سی زندگی ہوگی یا خودی سے محروم انسان محض چلتی پھرتی لاش ہوگا۔

۲- خودی کیا ہے؟ خودی زندگی کا اندرونی یا پوشیدہ راز ہے اور خودی کائنات کی بیداری کا نام ہے۔ زندگی اسی وقت عظمت و بقا کی طرف بڑھ سکتی ہے اور اپنا مقصد پا سکتی ہے جب خودی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ کائنات کا قائم و برقرار اور بیدار رہنا اسی خودی کی بدولت ہے۔

۳- خودی جلوت میں بھی خوب مست رہتی ہے اور اسے خلوت بھی پسند ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جو ایک بوند پانی میں بند ہے۔ یعنی ایک بوند پانی خودی کے زور پر سمندر بن جاتا ہے۔ گویا خودی کی جلوت اس مادی دنیا کی تسخیر کی خاطر ہے اور خلوت روحانی دنیا میں بلند مقام کے حصول کے لیے ہے۔

۴- یہ اندھیرے اور اجالے دونوں میں خوب چمکتی ہے۔ یہ میں اور تو میں نمایاں اور ظاہر بھی ہے لیکن میں اور تو کے جھنجٹ سے آزاد بھی ہے۔ خودی جب کمال حاصل کر لیتی ہے تو وہ گویا نورانی نور بن کر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اندھیرے اجالے سے بے نیاز رہتی ہے اور وحدت و کثرت دونوں صورتوں میں اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔

۵- خودی کا آغاز ازل ہی سے ہوا ہے اور یہ قیامت تک برقرار رہے گی۔ اس کے پیچھے نہ تو کوئی حد ہے اور نہ اس کے آگے ہی کوئی حد ہے۔ مطلب یہ کہ خودی کے ماضی اور مستقبل دونوں زمانے لامحدود ہیں۔

۶- وہ زمانے کے دریا میں بہتی اور اس کی موجوں کے ظلم وستم برداشت کرتی ہے۔ گویا خودی اور زمانہ دونوں باہم پیوستہ و مربوط ہیں۔ چنانچہ دونوں سے ایک دوسرے کی حقیقت نمایاں ہوتی ہے' خودی سے زمانے کی اور زمانے سے خودی کی۔

۷- وہ اپنی تلاش وجستجو کی راہیں مسلسل بدلتی رہتی ہے اور اسی طرح نگاہیں بھی لگاتار بدلنے میں لگی رہتی ہے۔ گویا جب کمال کے حصول کے بعد خودی مختلف تبدیلیوں سے دوچار ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں اس پر مختلف قسم کی حالتیں طاری ہوتی ہیں۔

۸- حصولِ کمال کے بعد اس میں اتنی قوت آ جاتی ہے کہ بہت بھاری پتھر بھی اس کے لیے بے حد ہلکا بن جاتا ہے اور پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں کی صورت ہو جاتے ہیں' گویا انہیں وہ پیس ڈالتی ہے۔

۹- اس کا آغاز بھی سفر ہی سے ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی سفر ہی ہے۔ چنانچہ اس کے قائم و برقرار رہنے کا یہی راز ہے۔ یعنی مسلسل سفر ہی سے اس میں مضبوطی و بقا کا سامان ہوتا ہے۔ بصورت دیگر (رک جانا) اس کا وجود نہیں رہتا۔

۱۰- وہ چاند میں کرن اور پتھر میں شرر بن جاتی ہے۔ رنگ میں ڈوبے رہنے کے باوجود یہ بے رنگ ہوتی ہے۔ گویا خودی مختلف رنگوں اور صورتوں میں نمایاں ہونے کے باوجود وہ رنگ وصورت دونوں سے بے تعلق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس کا سبب اس کا مادی نہ ہونا ہے۔

۱۱- اسے کم اور زیادہ سے' اونچ نیچ اور آگے پیچھے سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ گویا وہ مادیات سے بہر طور آزاد و پاک ہے' اور ان کی خاصیتوں یا خرابیوں سے بھی آزاد ہے۔

۱۲- ازل ہی سے خودی کشمکش (کھینچا تانی) میں گرفتار ہے۔ آخر کار وہ آدمی کی خاک میں ظاہر ہوئی۔ گویا کائنات کے وجود پذیر ہونے کے دن ہی سے وہ ترقی کی راہ پر گامزن رہ کر انسانی جسم میں سما گئی ہے۔

۱۳- خودی کا نشیمن تیرے (انسان کے) دل میں ہے' بالکل اسی طرح جس طرح آسمان آنکھ کے تل میں ہے۔ گویا اس کا صحیح مقام انسان کے دل میں ہے اور اس کی بے پناہ

وسعتیں دل میں اس طرح سمٹ آتی ہیں جس طرح آسمان جیسی انتہائی وسیع چیز آنکھ کے چھوٹے سے تل میں سما جاتی ہے۔

ساتواں بند

۱- خودی کے نگہبان کو ہے زہرِ ناب — وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
۲- وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند — رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
۳- فرو فالِ محمود سے در گذر — خودی کو نگہ رکھ ایازی نہ کر
۴- وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام — کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
۵- یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت — یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
۶- یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش — جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
۷- خودی کی ہے یہ منزلِ اولیں — مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
۸- تیری آگ اس خاکداں سے نہیں — جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
۹- بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر — طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
۱۰- خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید — زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
۱۱- جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود — کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
۱۲- ہر اک منتظر تیری یلغاز کا — تری شوخیِ فکر و کردار کا
۱۳- یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار — کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
۱۴- تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت — تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت
۱۵- حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ — حقیقت ہے آئینۂ گفتار زنگ
۱۶- فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس — مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس
۱۷- "اگر یک سرِ موئے برتر پرم — فروغِ تجلی بسوزد پرم"

۱- (اس بند میں خودی کے وصف بیان کیے گئے ہیں) خودی کے محافظ کے لیے وہ روٹی خالص زہر کی طرح ہوتی ہے جس سے اس انسان کی چمک یا عزت برقرار نہ رہے۔ ناجائز ذرائع سے روزی حاصل کرنے اور کھانے سے خودی مر جاتی ہے۔ اس کی حفاظت اور مضبوطی کے لیے حلال کی کمائی بنیادی شرط ہے۔

۲- خودی کے لیے وہی روٹی ارجمند ہے جس سے دنیا میں اس کی گردن بلند رہے۔ حلال

کمائی ہی سے انسان اپنی خودی مضبوط کر سکتا ہے اور یوں عظمت و بقا پالیتا ہے۔

۳- تو سلطان محمود غزنوی کی سی شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ سے بے پروا ہو جا۔ بس خودی پر توجہ دے اور غلامی نہ کر۔ یعنی حرص و ہوس کا شکار ہو کر خودی کو ختم نہ کر کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔ ایک فارسی شاعر الٰہی تخلص (میر الٰہی' وفات ۱۰۶۳ھ) نے کچھ یہی بات یوں کی ہے:

من نمی گویم گدائی یا شہنشاہی گزیں
خویش را بگزیں و دیگر ہر چہ می خواہی گزیں

(میں تجھے یہ تو نہیں کہتا کہ تو گدائی پسند کر یا شہنشاہی پسند کر' میں تو یہ کہتا ہوں کہ تو سب سے پہلے خود کو پسند کر یعنی اپنی خودی پر توجہ دے یا خود سے آگاہ ہو جا' اس کے بعد جو تیرا دل چاہے اسے پسند کر)

۴- حقیقت میں وہی سجدہ اہتمام کے لائق ہے جس سے دوسرے سجدے تجھ پر حرام ہو جائیں۔ صاحب خودی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے مضبوط کرنے کی خاطر صرف اس وحدہ لاشریک کے حضور سجدہ کناں ہو۔ اس کے علاوہ باطل قوتوں کے آگے سربزیری خودی کی موت ہے۔

۵-۷= یہ کائنات' یہ رنگ اور آواز کا ہنگامہ' یہ دنیا جو موت کے تابعِ فرمان ہے' یہ دنیا یہ آنکھ اور کان کا بت خانہ' جہاں زندگی کھانے پینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے' یہ خودی کی سب سے پہلی منزل ہے' سوا اے مسافر! یہ تیرا ٹھکانا نہیں ہے۔ یعنی یہ دنیا تو تیری خودی کو ترقی دینے کا ایک راستہ ہے جس پر چل کر یعنی مسلسل جہد و عمل سے تجھے اپنی عظمت و بقا کا سامان کرنا ہے۔

۸- تیری آگ کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے۔ یہ دنیا تجھ سے ہے تو اس دنیا سے نہیں ہے۔ یعنی تیری فطرت غیر مادی ہے' تو اشرف الخلوقات ہے۔ یہ دنیا تیرے لیے تخلیق ہوئی ہے تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔

۹- لہٰذا یہ بھاری پہاڑ یعنی اس مادی دنیا اور زمان و مکاں کے اس طلسم کو توڑ پھوڑ کر آگے بڑھتا چلا جا۔ اپنی خودی کے استحکام و عروج کے لیے جہد و عمل کی راہ پر گامزن ہو جا کہ اس طرح مادی دنیا اور زمان و مکاں کے الجھیڑے تیرے لیے ختم ہو جائیں گے اور تو صاحب عظمت و بقا بن جائے گا۔

۱۰- خودی اللہ کا شیر ہے اور یہ جہان اس کا شکار ہے۔ زمین بھی اس کی شکار ہے اور آسمان بھی اس کا شکار ہے۔ خودی کو مستحکم کرنے سے یہ کائنات تیری اطاعت گزار ہو جائے گی۔

۱۱- اس فانی دنیا کے علاوہ اور بھی جہان ہیں جو ابھی ظہور پذیر نہیں ہوئے' اس لیے کہ وجود کا ضمیر خالی نہیں رہ سکتا۔ جب تیری خودی پختہ ہو جائے گی تو یہ جہان تجھے نظر آنے لگیں گے جن کی تعداد لامحدود ہوگی۔

۱۲- مذکورہ جہانوں (جو بے نمود ہیں) میں سے ہر ایک تیری یلغار اور تیری شوخیِ فکر اور تیرے کردار کا منتظر ہے۔ گویا اس مادی دنیا کے علاوہ ابھی تجھے دوسرے کئی جہان مسخر کرنے ہیں۔

۱۳- یہ جو زمانہ گردش میں رہتا ہے تو یہ اس واسطے ہے یا اس کا یہ مقصد ہے کہ تیری خودی تجھ پر واضح ہو جائے' اور اس آگاہی کے طفیل تو صاحب عظمت و بقا بن جائے۔

۱۴- میں تجھے کیا بتاؤں کہ تیری تقدیر میں کیا تحریر ہے۔ اتنا ہے کہ تو اچھی اور بری اشیا کی اس دنیا کا فاتح ہے۔ گویا قدرت نے تجھے اس لیے تخلیق کیا ہے کہ تو خالق کائنات اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر اس کائنات پر حکم چلائے۔

۱۵- حقیقت پر الفاظ کا جامہ تنگ ہے' یعنی وہ لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی' حقیقت تو ایک آئینہ ہے جبکہ گفتار یا گفتگو اس کا زنگ ہے۔ گویا حقیقت غیر مادی ہے اور الفاظ مادی ہیں' اس لیے غیر مادی کو بیان کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

۱۶- سانس کی شمع سینے میں روشنی پھیلا رہی ہے' لیکن بولنے کی قوت چونکہ بہت تھک چکی ہے' اس لیے وہ یہ بات ختم کرنے کو کہہ رہی ہے۔

۱۷- اگر میں ایک خاص حد سے ذرا سا بھی اونچا اڑوں تو تجلی ایزدی سے میرے پر جل جائیں گے۔ (معراج شریف کے موقع پر حضرت جبرئیلؑ نے جو حضور اکرمؐ سے کہا تھا' یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے۔) مطلب یہ کہ اگر کوئی اللہ والا عشق حق کی مستی میں کوئی ناواجب حرکت کر بیٹھے تو اس ذات اقدس کی زبردست تجلی اسے جلا ڈالے گی۔

زمانہ

۱- جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا' یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

۲- مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

۳- ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب' کسی کا مرکب' کسی کو عبرت کا تازیانہ

۴- نہ تھا اگر تو شریکِ محفل' قصور میرا ہے یا کہ تیرا؟
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

۵- مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

۶- شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے' یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

۷- وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

۸- ہوائیں ان کی' فضائیں ان کی' سمندر ان کے' جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

۹- جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا' وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

۱۰- ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

۱- (یہ نظم زمانے کی زبان سے ہے) جو کبھی موجود تھا وہ اب نہیں رہا' اس کا وجود نہیں ہے اور جو آج موجود ہے' کل اس کا بھی وجود نہیں رہے گا۔ گویا کائنات کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ یہی ایک رمز کی یا پتے کی بات ہے۔ زمانہ اسی کے انتظار کا مشتاق ہوتا ہے جس کے نمایاں یا ظاہر ہونے کا وقت قریب ہے۔

۲- میری (زمانے کی) صراحی سے نت نئے واقعات تھوڑے ٹپکتے رہتے ہیں (واقعات کو صراحی کے حوالے سے قطرہ قطرہ کہا ہے) یعنی نئے نئے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ میں اپنی تسبیح کا' جو روز و شب کا سلسلہ ہے' دانہ دانہ گنتا رہتا ہوں۔ گویا سارے واقعات میری نظروں میں ہوتے ہیں۔

۳- اگرچہ میں ہر ایک سے آشنا ہوں' ہر ایک سے میری جان پہچان ہے' لیکن سب کے ساتھ میرے طور طریقے اور سلوک الگ الگ ہیں۔ چنانچہ کسی پر تو میں سوار ہوتا یا رہتا ہوں اور کوئی مجھ پر سواری کرنے لگتا ہے اور کسی کے لیے میں عبرت کا تازیانہ بن جاتا ہوں۔ گویا مادیات کے چکر میں پڑے ہوئے لوگ تو میرے پیچھے چلتے ہیں اور مردانِ حق قسم کی شخصیات مجھے اپنے پیچھے چلاتی ہیں' وہ مجھ پر حاوی ہوتی ہیں۔ پھر کچھ ایسے انسان بھی ہیں جن کی حالت دوسروں کے لیے عبرت کا سامان کرتی ہے۔

۴- اے مخاطب! اگر تو میری محفل میں شریک نہیں ہوا' جس میں گردشِ جام جاری رہتی ہے' تو یہ قصور میرا ہے یا کہ تیرا ہے؟ میرا قصور نہیں' اس لیے کہ میرا یہ دستور نہیں ہے کہ میں کسی کی خاطر (جو محفل میں شریک نہیں ہوا) شراب بچا کر رکھ چھوڑوں۔ گویا وقت کو انتہائی قیمتی و غنیمت سمجھنا چاہیے' اس سے ذرا سی غفلت بھی انسان کو اس کے مقاصد سے بہت دور کر دیتی ہے۔ بقول ملک قمی' میں نے چاہا کہ میں پاؤں سے کانٹا نکال لوں' اتنے میں محمل نظروں سے دور ہو گئی۔ میں ایک لمحہ غافل ہوا تھا' میرا سو سالہ راستہ دور ہو گیا:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

۵- میرے خم و پیچ یعنی میری حقیقت کو نجومی کی آنکھ پہچاننے اور جاننے سے بے خبر و قاصر ہے' اس لیے کہ وہ (نجومی) تو صرف ستاروں کی گردش کے حوالے سے آنے والے واقعات کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے اور یہ گردش میری (زمانے کی) حقیقت کی پہچان کا معیار نہیں بن سکتی۔ جس کسی کی نظر عارفانہ نہ ہو اس کا تیر کبھی نشانے پر نہیں لگ سکتا۔ زمانے کی حقیقت سے باخبری کے لیے صاحبِ معرفت ہونا ضروری ہے۔

۶- (بقولِ زمانہ) یورپ کے افق پر یہ جو شفق سی نظر آ رہی ہے' یہ شفق نہیں یہ خون کی ندی ہے' یہ خون کی ندی ہے۔ تو آنے والے کل کا انتظار کر (مستقبل میں کیا حالات ہوں

گے' ان کا انتظار کر) یہ گذرا ہوا کل اور آج محض افسانہ ہیں۔ اس لیے کہ جو کچھ ہو چکا' اسے بدلنا ممکن نہیں۔

۷- (آئندہ کے واقعات یورپ کے حوالے سے کہا ہے کہ) وہ گستاخ فکر و عقل جس نے فطرت/قدرت کی قوتوں کو بے نقاب کیا' اسی کی بے تاب بجلیوں سے اس کا آشیانہ (ٹھکانا) خطرے میں پڑ گیا ہے۔ یورپی سائنس دانوں نے تحقیق کے بل بوتے پر خطرناک قسم کی چیزیں ایجاد کرلیں جو خود ان کی تباہی کا سامان بن گئیں۔ (مثلاً بم اور ایٹم بم وغیرہ)

۸- آج اگرچہ اہل یورپ ہواؤں' فضاؤں اور سمندروں پر قابض ہیں یا چھائے ہوئے ہیں اور بحری جہاز بھی انہی کے ہیں (یہ سب جنگی ہتھیاروں کے حوالے سے ہے جو دوسری جنگ عظیم میں خوب چلے) لیکن بھنور کی گرہ کھلنے کا کوئی امکان نہیں' اس لیے کہ تقدیر نے تو یہ بھنور گویا ان کی تباہی کے لیے بنا رکھا ہے۔ گویا ان کی اس قسم کی ایجادیں خود ان کو تباہ کریں گی اور تقدیر کے نشانے سے انہیں بچا نہ سکیں گی۔

۹- وہ پرانا جہان جسے یورپی جواریوں نے جوا خانہ بنا رکھا تھا' اب مر رہا یا مٹ رہا ہے اور ایک نیا جہان وجود میں آ رہا ہے۔ جوا خانہ دراصل اس لحاظ سے کہ انہوں نے جو بھی کھیل بنائے ان میں شرطیں لگانے اور جیتنے پر مال کمانے کے انداز ہیں' جیسے لاٹری' گھوڑ دوڑ' سٹہ بازی جو تجارت میں ہوتی ہے' اخبارات میں چھپنے والے معمے وغیرہ اور اسی قسم کے اور دوسرے سلسلے جوئے ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۰- اگرچہ ہوا تند و تیز ہے لیکن وہ مردِ درویش' جسے خدا نے شاہانہ طور طریقوں سے نوازا ہے' اپنا چراغ جلا رہا ہے۔ مردِ درویش یعنی اقبال اور ہوا یعنی اس کے دور کے حالات۔ چراغ سے مراد قوم کو بیداری کا پیغام جو وہ ہر صورت میں قوم کو دیتے رہیں گے۔ گویا یہ ایسا چراغ ہے جو تیز ترین ہوا سے بھی نہیں بجھ سکتا۔

فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی — خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن — تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

۳۔ جمال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خوابی
۴۔ گراں بہا ہے ترا گریۂ سحرگاہی اسی سے ہے ترے نخلِ کہن کی شادابی
۵۔ تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

۱۔ (فرشتے آدم سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ) قدرت کی طرف سے تجھے دن رات کی بیقراری عطا ہوئی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانے کہ تو مٹی سے بنایا گیا ہے یا پارے سے۔ ان اشعار میں انسان کے فطری کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بیقراری گویا جذبۂ عشق ہے جس کی بنا پر انسان محبوبِ حقیقی کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔

۲۔ اگرچہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تیرا وجود خاک سے ہے' تو مٹی سے تخلیق ہوا ہے' لیکن تیری فطرت میں تو چاند اور ستاروں کی سی چمک دمک اور بلندی دکھائی دے رہی ہے۔ یعنی انسان کو قدرت کی طرف سے جو کمالات اور جوہر عطا ہوئے ہیں ان سے وہ خود میں مذکورہ خوبیاں پیدا کر سکتا ہے۔

۳۔ اگر تو خواب میں بھی اپنا جمال یعنی جوہر و کمال دیکھ لے تو تیری گہری/میٹھی نیند ہزار ہوشوں یعنی بیداریوں سے بھی کہیں زیادہ بہتر ہو۔

۴۔ تو جو صبح سویرے خدا کے حضور عاجزانہ گریہ وزاری کرتا ہے۔ وہ بہت ہی قدر و قیمت والی ہے اور تیری یہی گریہ و زاری تیرے پرانے درخت یعنی زندگی کے پرانے درخت میں تر و تازگی پیدا کرتی ہے۔ اسی سے تو حقیقی زندگی گذارتا ہے۔

۵۔ تیرے ہی نغمے سے زندگی کا ضمیر یا ضمیر کا چہرہ بے نقاب ہوا ہے' اس لیے کہ قدرت نے تیرے ہی ساز کو اپنی مضراب سے چھیڑا ہے' بجایا ہے۔ گویا یہ کائنات اسی لیے وجود میں آئی ہے کہ تو اپنے جوہر و کمالات کا اظہار کر سکے۔

روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۱۔ کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ
۲۔ ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل' یہ گھٹائیں یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں

یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

۳۔ سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر اثرِ آہِ رسا دیکھ

۴۔ خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

۵۔ نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ

پہلا بند= زمین کی روح آدم سے کہہ رہی ہے کہ اے آدم یا انسان تو آنکھیں کھول اور اپنے سامنے زمین اور آسمان اور فضا کو دیکھ۔ ادھر مشرق سے سورج طلوع ہو رہا ہے، اس منظر پر بھی نظر ڈال۔ اس بے پردہ جلوہ کو پردوں میں چھپا ہوا دیکھ۔ پھر اس محبوبِ حقیقی سے جدائی کے نتیجے میں جور و جفا دیکھ۔ بہرحال بیقرار ہونے کی ضرورت نہیں تو امید و بیم کا معرکہ دیکھ یا تجھے دیکھنا ہوگا۔ اس نظم میں بھی انسانی خوبیوں اور جوہروں کی بات ہے۔ اوپر جتنے منظر مذکور ہوئے ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ صاحب بصیرت ان کو دیکھ کر محبوب حقیقی کے جلوہ میں محو ہو جاتا ہے جو خود کو پردوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ بقول شیخ سعدیؔ:

برگِ درختان سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(ایک صاحب ہوش وخرد کے لیے سبز درختوں کا ایک ایک پتا اس محبوب کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔ سعدیؔ نے دراصل سورۂ یونس کی آیت ۶ کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔) تیری یہ زندگی محبوب حقیقی سے دوری کا دور ہے، اور اس میں تجھے ہر طرح کے ظلم و جور سے واسطہ پڑے گا لیکن ان سے گھبرانا نہیں بلکہ صبر سے کام لینا ہوگا۔ دنیا میں وہی کامیاب زندگی گذار سکے گا جو آلام و مصائب سے ٹکراتا ہوا، اپنی جدوجہد

سے ہر لمحہ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

دوسرا بند= یہ بادل، یہ گھٹائیں، یہ آسمانوں کے گنبد، یہ خاموش/ سنسان فضائیں، یہ پہاڑ اور صحرا، یہ سمندر اور یہ ہوائیں، یعنی کائنات کی ہر ہر شے قدرت نے تیرے اختیار میں دے دی ہے۔ کل تک تو فرشتوں کی ادائیں دیکھنے میں مست و محو تھا اور آج زمانے کے آئینے میں اپنی ادا دیکھ۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا اور کائنات کی تمام اشیا قدرت نے اس کے مقاصد کے حصول اور زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر تخلیق کر دیں۔

تیسرا بند= وہ وقت آئے گا یا قریب ہے جب زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے بھی سمجھ لے گا اور آسمان کے ستارے اس بلندی سے تجھے دیکھیں گے یعنی تیرے اوصاف و خواص اور جوہر و کمالات کا نظارہ کیا کریں گے۔ تیرے خیالات کا سمندر اتنا وسیع ہوگا کہ اس کے کنارے نظر نہیں آئیں گے اور تیرے دل سے اٹھنے والی آہوں کی چنگاریاں آسمان تک پہنچا کریں گی۔ بس تو اپنی خودی کی مضبوطی و استحکام میں لگ جا، پھر دیکھنا کہ تیری آہ رسا میں کس قدر اثر پیدا ہوتا ہے۔

چوتھا بند= قدرت کی طرف سے دنیا کو روشن کرنے والے سورج کی روشنی یا چمک دمک تیرے شرر میں رکھ دی گئی ہے۔ تیری غیرت کے تقاضے کی بنا پر تجھے بخشی ہوئی بہشتیں قبول نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیری اپنی جنت تیرے خون جگر میں پوشیدہ ہے۔ یعنی تیری مسلسل محنت اور جہد و عمل ہی میں تیری جنت پوشیدہ ہے۔ اے خاک کے ڈھانچے/ پتلے تو اپنی مسلسل کوشش کا صلہ دیکھ۔ قدرت کی طرف سے انسان کو بہت قوتیں عطا ہوئی ہیں۔ اگر وہ ان سے صحیح معنوں میں کام لے اور جہد و عمل میں لگا رہے تو عظمت و سربلندی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ صاحب بقا بھی بن جاتا ہے۔

پانچواں بند= تیرے باجے/ ساز کا ہر تار ازل ہی سے نغمے الاپ رہا ہے۔ تو ہی دنیا کی تخلیق کے وقت سے محبت کا خریدار ہے۔ تو ہی ازل سے اسرار کے بت خانے کا پیرو مرشد ہے اور ازل سے بڑا محنتی، اپنا خون پسینہ بہانے والا ہے اور دوسروں کو تنگ نہیں کرتا، نہیں ستاتا۔ تیری ہی مرضی دنیا کی تقدیر پر سوار ہے۔ یعنی زمانے کی تقدیر کو چلا رہی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے بہت سی خوبیوں اور قوتوں کا مالک ہے، جن سے وہ اس کائنات کا نظام حکم ایزدی کے مطابق چلاتا یا چلا سکتا ہے،

اور وہی کائنات کی حقیقتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔

قطعہ

فطرت مری مانندِ نسیم سحری ہے رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو کرتا ہوں سرِ خار کو سوزن کی طرح تیز

= میری فطرت صبح کی ہوا کی مانند ہے اور میری رفتار کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز۔ صبح کی ہوا اسی طرح چلتی ہے اور اسی سے پھول کھلتے ہیں۔ میں لالہ و گل کو اطلس کی قبا پہناتا ہوں اور کانٹے کی نوک کو سوئی کی طرح تیز کرتا ہوں۔ پھولوں کے کانٹے بھی اس سے بڑھتے پھولتے اور تیز ہوتے ہیں۔ اس استعارے میں غالباً اپنے شاعرانہ پیغام کے حوالے سے بات کی ہے جس پر عمل سے سوئی ہوئی قوم بیدار ہو کر اپنی عظمت و سرخروئی کا سامان کر سکتی ہے۔ لالہ اور گلاب کے پھول سرخ ہوتے ہیں' اس لیے اطلس کی بات کی ہے۔ لالہ کا لفظ علامہ نے مومن وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

پیر و مرید

مرید ہندی

۱۔ چشمِ بینا سے ہے جاری جوئے خوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں

پیرِ رومی

علم را بر تن زنی مارے بود علم را بر دل زنی یارے بود

مرید ہندی= حقیقتوں سے پوری طرح باخبر آنکھ سے خون کی ندی جاری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے دور کے علوم کے ہاتھوں دین ذلت و خواری کا شکار ہو گیا ہے۔ پیر و مرشد (رومیؒ) اس سلسلے میں آپ کچھ فرمائیے کہ کیا کیا جائے۔ (علامہ نے اس طرح بعض مسئلوں کا ذکر کر کے رومی کی مثنوی کے اشعار سے ان کا حل یا جواب تلاش کیا ہے اور یوں ان اشعار کی تشریح ہو گئی ہے۔ راقم یزدانی کو یاد ہے کہ بہت عرصہ قبل لاہور کے اور مشہور شاعر جگن ناتھ آزاد نے اسی طرح ایک سوال کر کے علامہ کے اشعار سے

جواب تلاش کیا تھا اور یہ سلسلہ لاہور کے اخبار نوائے وقت میں کچھ عرصہ جاری رہا۔)
پیرِ رومیؒ= اگر تو علم سے تن پروری کا کام لے گا تو وہ سانپ بن کر تجھے ڈس لے گا اور اگر تو علم سے اپنا دل یا باطن آراستہ کرے گا تو وہ تیرے لیے ایک دوست ثابت ہوگا۔ گویا علم سے ظاہری آسائش کا کام لینا بے حد نقصان دہ بھی ہے اور اس سے دین کا زیاں بھی ہوتا ہے' علم خواہ کوئی بھی اگر اس سے دل و دماغ کی تقویت و آرائش کا کام لیا جائے تو وہ باعث رحمت ہوگا۔ مثنوی کا یہ شعر دفتر اول میں بعنوان ''حالِ خود و مستی خود پنہاں باید داشت'' میں آیا ہے۔

مریدِ ہندی

۲- اے امام عاشقاں درد مند — یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند
''خشک مغز و خشک تار و خشک پوست — از کجامی آید ایں آوازِ دوست''
دور حاضر مستِ چنگ و بے سرور — بے ثبات و بے یقیں و بے حضور
کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا — دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا ہے
آہ یورپ! بافروغ و تابناک — نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوئے خاک

پیرِ رومی

= برسماع راست ہر کس چیر نیست — طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

مرید ہندی= آپ درد مند عاشقوں کے امام ہیں (بہت عظیم درد مند عاشق حقیقی ہیں) آپ کا یہ عظیم قول مجھے یاد ہے کہ ساز کا مغز خشک ہوتا ہے' اس کے تار خشک ہوتے ہیں اور اس کا ڈھانچا بھی خشک ہوتا ہے' پھر اس محبوب حقیقی کی یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے (یہ شعر رومیؔ سے منسوب ہے لیکن راقم کو کسی ایرانی ایڈیشن میں نہیں ملا۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے اس کا پہلا مصرع ''تشبیہات رومی'' میں یوں دیا ہے: خشک تار و خشک چوب وخشک پوست)۔ جدید دور اگر چہ ساز کی لے پر مست ہے لیکن وہ کیف و سرور سے بے بہرہ ہے۔ نہ تو وہ راہِ حق پر گامزن ہے نہ یقین کی دولت سے بہرہ مند ہے اور نہ وہ حضوری ہی کا ذوق رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ راز کیا ہے' دوست کیا اور دوست کی آواز کیا ہے۔ یعنی ان سے کیا مراد ہے۔ افسوس کہ اہل یورپ نے علوم وفنون سے بظاہر خود میں چمک دمک پیدا اور ترقی کر لی لیکن نغمہ انہیں خاک ہی کی طرف کھینچتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ عظمت و سربلندی کی

طرف بڑھنے کی بجائے' اپنے خالق سے بے تعلق اور مادیات کے فریفتہ ہونے کے باعث' پستی ہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔اس صورتحال کے باعث پر روشنی ڈالیے۔

پیررومی= ہر کوئی نغمہ سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح انجیر ہر پرندے کی خوراک نہیں ہے۔اہل یورپ نے خود کو حقیقی سماع کا اہل نہ بنا کر اپنی بدنصیبی کا اظہار کیا ہے۔مثنوی کا یہ شعر آغاز کے اشعار میں سے ہے۔(مولانا نے روح انسانی کو بانسری سے تشبیہ دے کر اس کی ماہیئت' اس کے میلان' اس کی اپنے مرکز سے دوری کے سبب بے چینی اور بیقراری کا ذکر کیا ہے۔)

مرید ہندی

۳۔ پڑھ لیے میں نے علومِ شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

پیررومی

= دست ہر نا اہلِ بیمارت کند سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

مرید ہندی= میں نے مشرق و مغرب کے علوم تو پڑھ لیے ہیں لیکن یہ علوم میرے غم و درد کی دوری کا کوئی چارہ نہیں کر سکے۔ چنانچہ ابھی تک میری روح درد و غم اور بیقراری کا شکار ہے۔اس سلسلے میں کچھ فرمایئے۔

پیررومی= ہر نااہل کا ہاتھ تجھے بیمار کر دے گا' لہٰذا تو اپنی ماں کی طرف آ تا کہ وہ تیری تیمارداری کرے کہ اسی سے تجھے شفا ہوگی۔گویا روح کی بیقراری علوم وفنون پڑھ لینے سے دور نہیں ہوسکتی۔اس کا علاج صرف اہل حق کے پاس ہے جو انسانوں کی صحیح تربیت کر سکتے ہیں' بالکل اسی طرح جس طرح ماں بڑے دلی جذبوں کے ساتھ اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہے۔مثنوی کا یہ شعر اس کے دوسرے دفتر میں بادشاہ کے باز اور بڑھیا کی کہانی میں آیا ہے۔اس تمثیل سے مولانا نے ''تلقین و تعلیم سے بحث کی ہے کہ اس کا انداز مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہونا چاہیے۔یعنی انسان کی تعلیم میں اس کی مخصوص فطرت اور اس کے کمال و نقص کے درجے کو پیش نظر نہ رکھنا نقصان کا باعث ہوگا۔

مرید ہندی

۴۔ اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتہ' حکم جہاد

پیررومی

= نقشِ حق را ہم بامرِ حق شکن بر زجاجِ دوست سنگِ دوست زن

مرید ہندی= اے میرے مرشد! آپ کی نگاہ سے میرے دل کا الجھاؤ دور ہوتا یا سلجھتا ہے۔ آپ مجھے حکمِ جہاد کے نکتہ سے متعلق وضاحت فرمائیں۔

پیرِ رومی= تو خدا کے بنائے ہوئے نقش کو خدا کے حکم کے مطابق مٹا ڈال۔ گویا دوست کے شیشے پر دوست ہی کا پتھر مار۔ یعنی انسان خدا کے احکام کی پیروی کرے اور انہی کے مطابق رد و بدل کرے۔ باطل قوتوں کو، جو بیشک مخلوق خدا ہیں، وقتِ ضرورت انہیں مٹا دینا چاہیے۔ باطل قوتیں گویا شیشہ ہیں اور امرِ حق پتھر۔ مثنوی کا یہ شعر دفتر اول کے آخر میں حضرت علیؓ سے متعلق ایک واقعہ کے آخر میں آیا ہے۔ حضرت علیؓ کسی جنگ میں ایک کافر کو نیچے گرا لیتے ہیں۔ وہ اس کا سر قلم کرنے والے ہیں کہ وہ ان کے منہ پر تھوک دیتا ہے۔ حضرت اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ کافر ہکا بکا ہو کر اس کا سبب پوچھتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں ''میں پہلے حق کی خاطر لڑ رہا تھا اور اس سے میری کوئی ذاتی غرض وابستہ نہ تھی، لیکن جب تو نے یہ حرکت کی تو میرا نفس جوش میں آ گیا۔ اس طرح حق کے لیے میرے اس فعل میں میری ذات ملوث ہو گئی اور کارِ حق میں ذات کی یہ شرکت روا نہیں ہے۔'' آخر میں یہ شعر ہے۔

مرید ہندی

۵۔ ہے نگاہِ خاوراں مسحورِ غرب حورِ جنت سے ہے خوشتر حورِ غرب

پیرِ رومی

= ظاہرِ نقرہ گر اسپید است و نو دست و جامہ ہم سیہ گردد ازو

مرید ہندی= اہل مشرق کی نگاہیں یورپ والوں کی تہذیب و معاشرت اور ان کے ظاہری حسن پر والہ و شیدا ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک یورپ کی حور، جنت کی حور سے کہیں زیادہ حسن و جمال والی ہے۔

پیرِ رومی= چاندی اگرچہ دیکھنے میں سفید اور چمکیلی اور نئی معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے ہاتھ اور لباس سیاہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی ظاہری حالت سے متاثر ہونے کی بجائے اس کی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے۔ مثنوی کے دفتر اول میں یہودی وزیر کے حسد کی داستان بیان ہوئی ہے۔ یہ شعر اس میں آیا ہے۔ یہودی وزیر مکر و ریا اور شیریں بیانی سے نصاریٰ کے خلاف اپنا حسد نکالتا ہے۔ اس کی باتیں گویا گل قند میں زہر کی مانند تھیں۔ یہاں مولانا خبردار کرتے ہیں کہ اس قسم کی شیریں زبانی پر فریفتہ نہ

ہو کہ اس کی تہ میں سینکڑوں برائیاں ہیں۔

مرید ہندی

۶- آہ مکتب کا جوانِ گرم خوں ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں

پیررومی

= مرغ پر نا رستہ چوں پرّاں شود طعمۂ ہر گربۂ دراں شود

مرید ہندی= افسوس کہ آج کی درسگاہوں/تعلیم گاہوں میں زیر تعلیم نوجوان (یا جو تعلیم حاصل کر چکے ہیں) جن کا خون گرم ہوتا ہے، انہیں اپنے جذبات پر قابو نہیں ہوتا، یورپ کے جادوگروں کا صید زبوں بن چکے ہیں۔ یعنی ان کی چال ڈھال اور تہذیبی چلنوں پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

پیررومی= جب ایسا پرندہ، جس کے ابھی پر نہیں نکلے، اڑے گا یا اڑنے لگے گا تو وہ ہر پھاڑ کھانے والی بلی کا لقمہ بن جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں مسلم نوجوانوں کو اس یورپی تہذیب و معاشرت کے اثرات سے بچانے کے لیے انہیں دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جائے جو گویا ان کے لیے شہپر کا کام دے گی اور یوں وہ باطل قوتوں کا شکار ہونے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ مثنوی کا یہ شعر بھی مذکورہ یہودی وزیر کی داستان سے ماخوذ ہے۔ وہ اپنے وعظ اور چرب زبانی سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ پھر دین عیسیٰؑ میں تحریف کرنے میں کامیاب ہو کر نیا مکر پھیلاتا اور خلوت نشینی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے پیروکار اور مریدین اسے خلوت نشینی چھوڑنے کی درخواست کرتے ہیں لیکن وہ انہیں بھگا دیتا ہے۔ مولانا نے انسانی تعلیم و تربیت کے لیے ان دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری قرار دیا ہے۔ اول یہ کہ انسانی طبائع پیدائش اور ماحول کے اختلاف کے سبب ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، جس کی بنا پر ہر کسی کے لیے ایک جیسی تعلیم چنداں مفید و موثر نہیں ہو سکتی۔ دوسری یہ کہ انسان کی صلاحیتیں اس کی عمر کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔

مرید ہندی

۷- تا کجا آویزشِ دین و وطن جوہرِ جاں پر مقدم ہے بدن؟

پیررومی

= قلب پہلو می زند با زر بشب انتظارِ روز می دارد ذہب

مرید ہندی= یہ دین اور وطن کی باہمی چپقلش کب تک جاری رہے گی۔ آپ یہ فرمائیں کہ کیا بدن کو روح کے جوہر پر فوقیت و برتری حاصل ہے؟ بدن وطن کا اور جوہرِ جاں دین کا استعارہ ہے۔

پیر رومی= کھوٹا سکہ رات کے وقت سونے کی برابری کا دعویدار بننے لگتا ہے' جبکہ سونا اپنی حقیقت کے اظہار کے لیے دن کے طلوع ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ تاریکی میں کھوٹے کھرے کی پہچان نہیں ہوسکتی۔ یہ کہنا مقصود ہے کہ آج کے دور میں انسانی نگاہیں چکا چوند کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان میں کھوٹے کھرے کی پہچان نہیں رہی۔ جب یہ چکا چوند ختم ہو جائے گی تو یہ واضح ہو جائے گا کہ دین کا مرتبہ کیا ہے اور وطن کی کیا حیثیت و حقیقت ہے۔ مثنوی کا یہ شعر بھی دفتر اول ہی کی ایک داستان سے لیا گیا ہے۔ ایک کاتب وحی مرتد ہو کر خود کو محلِ وحی سمجھنے لگتا ہے۔ دراصل وحی کا پرتو اس پر پڑتا ہے جس سے اس کا باطن حکمت اندوز ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو کچھ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں وہی حقیقت اس کے ضمیر میں ہے۔ آخر ایک مرتبہ یہ پرتو ایسا چمکتا ہے کہ اس کا باطن جل اٹھتا ہے۔ یوں وہ نساخی یا کتابت سے بھی خارج ہو جاتا ہے اور دین سے بھی۔

مرید ہندی

۸- سِرِّ آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کر

پیر رومی

= ظاہرش را پشہ اے آرد بچرخ باطنش آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی= اے مرشدِ گرامی! مجھے انسان کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔ میں خاک کا ایک ذرہ ہوں' اس آگاہی سے مجھے سورج اور چاند کے بلند رتبے پر پہنچا دیجیے۔

پیر رومی= انسان کا ظاہر کچھ ایسا کمتر درجے یا حیثیت کا ہے کہ ایک مچھر بھی اسے چکر میں ڈال دیتا یا ہلا دیتا ہے جبکہ اس کا باطن ایسی صلاحیتوں سے آراستہ ہے جن سے وہ ساتوں آسمانوں پر چھا سکتا' ان کو اپنے احاطہ میں لا سکتا ہے۔ مثنوی کے دفتر چہارم میں حضرت جبریلؑ اور حضور اکرمؐ کے درمیان ایک مکالمے کا ذکر ہے۔ حضور اکرمؐ ان سے فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی صورت دکھائیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ آپؐ نہیں دیکھ سکتے' اس لیے کہ انسانی حِس ضعیف و تنک ہے۔ آپؐ اصرار فرماتے ہیں تا کہ یہ دیکھ سکیں کہ حِس کتنی نازک ہے۔ یہاں مولانا نے حِس تن (ظاہر) اور باطنِ

انسانی میں فرق کومختلف مثالوں سے واضح کیا ہے۔

مرید ہندی

۹۔ خاک تیرے نور سے روشن بصر غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

= آدمی دیداست باقی پوست است دید آں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی= اے مرشدِ گرامی! آپ کا نور مٹی یعنی انسان کو روشن بصر کرتا ہے۔ آپ یہ فرمایئے کہ انسان کا مقصدِ حیات حقیقتوں سے بالواسطہ آگاہ ہونا ہے یا انہیں بلا واسطہ دیکھنا ہے؟

پیر رومی= آدمی کی اصل سراسر دیدار ہے۔ باقی سب کچھ محض چھلکا ہے اور حقیقی دیدار وہ ہے جو محبوب حقیقی کا دیدار ہو۔ دفتر اول میں حدیث ''رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر '' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا نے قیصر روم کے سفیر اور حضرت عمرؓ کی داستان لکھی ہے جس میں یہ شعر آیا ہے۔ قیصر روم کا ایک سفیر مدینہ منورہ پہنچتا اور وقت کے خلیفہ حضرت عمرؓ کے ''قصر'' (محل) کا پوچھتا ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ امیر المومنین کا کوئی محل وغیرہ نہیں۔ وہ درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں مولانا دیدارِ قصر کے موضوع کو دیدارِ ''ایوانِ پاک کی طرف موڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہوس و آز سے پاک جان ہی ''حضرت و ایوان پاک'' کے دیدار سے بہرہ ور ہو سکتی ہے۔ یہ پاکیزگیِ قلب و روح ہی کے باعث تھا کہ حضور اکرمؐ جس طرف بھی اپنا رخِ مبارک کرتے اسی طرف رخِ خداوندی ہوتا۔

مرید ہندی

۱۰۔ زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرتی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

= ہر ہلاکِ اُمتِ پیشیں کہ بود زانکہ بر جندل گماں بُردند عود

مرید ہندی= اے مرشدِ گرامی! اہل مشرق آپ کے کلام سے زندہ ہیں، یعنی اس سے صحیح زندگی کا ڈھنگ سیکھتے ہیں۔ یہ فرمائیں کہ قومیں جو مرتی ہیں تو کون سی بیماری اس موت کا باعث بنتی ہے؟

پیر رومی= پہلے جو بھی قوم ہلاک ہوتی رہی تو اس کا باعث یہ تھا کہ پتھر کو اس نے عود سمجھ لیا تھا۔

قومیں اسی بنا پر ہلاک ہوتی ہیں یا ہوتی رہیں کہ انہوں نے ہر شے کو بڑے جوہروں والی شے سمجھ لیا جبکہ اس میں کوئی جوہر نہیں تھا۔ گویا وہ بصیرت سے عاری تھیں اور بصیرت سے عاری قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ عود پتھر سے ملتی جلتی ایک شے ہے لیکن وہ بہت خوشبودار ہوتی ہے۔ یہ شعر مثنوی کے دفتر چہارم میں بومسیلم کے اس دعوے سے متعلق داستان (باین عنوان ''زجر کردنِ مدعی را از دعویٰ و آمر کردن بمتابعت سنت'') ہے کہ میں خود احمدؐ ہوں۔ میں دین احمد کو اپنے ہنر سے درہم برہم کر دوں گا۔ مولانا کہتے ہیں کہ بومسیلم سے کہو کہ تو خودنمائی مت کر۔ اول پر غرور نہ کر آخر پر نظر کر۔

مرید ہندی

۱۱- اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بو سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیرِ رومی

= تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

مرید ہندی= آج کے مسلمانوں میں اپنے اسلاف والے ظاہر و باطن کے جوہر نہیں رہے۔ آپ یہ فرمائیے کہ ان کا خون کیوں سرد ہو گیا ہے؟ (آج کے مسلمان دنیاوی عظمت و شان سے بھی محروم ہیں اور روحانی جوہر سے بھی۔ پھر قوت عمل بھی ان کی بیکار ہو چکی ہے۔)

پیرِ رومی= جب تک کسی صاحبِ دل (اللہ کی بارگاہ میں مقبول بندے) کے دل میں درد پیدا نہ ہو، دل نہ دکھے، اس وقت تک خدا قوم کو ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔ گویا ملت اسلامیہ ایک عرصے سے اللہ کے خاص بندوں کا دل دکھا رہی ہے جس کی سزا اسے قدرت کی طرف سے ذلت و رسوائی کی صورت میں مل رہی ہے۔ مثنوی کے دفترِ دوم میں انبیاؑ و اولیاؒ کے وجود کو ایک نعمت نہ سمجھنے والے ناشکروں اور خود پرستوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے ایک بوڑھے مریض اور طبیب کی داستان بیان کی ہے۔ مریض طبیب سے اپنی جس تکلیف کا بھی ذکر کرتا ہے، طبیب اس کا سبب بڑھاپا بتاتا چلا جاتا ہے۔ آخر بوڑھا طیش میں آ کر اسے کہتا ہے کہ ''او احمق! تو نے حکمت سے بس یہی سیکھا ہے، تجھے علم نہیں کہ خدا نے ہر مرض کا علاج پیدا کر رکھا ہے۔ تو تو نرا گدھا ہے۔'' اس پر طبیب پھر کہتا ہے کہ تیرا یہ غیظ و غضب بھی تیرے بڑھاپے کے باعث ہے۔ یہاں مولانا بڑھاپے کو موضوع بنا کر ظاہر اور باطن میں فرق بیان کرتے ہیں۔ ''حق مست''

بڑھاپے کے اندر حیات طیبہ ہے جبکہ جسمانی بڑھاپا قوت برداشت سے محروم ہے۔

مرید ہندی

۱۲- گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سودے میں ہے مردوں کا سود؟

پیر رومی

= زیرکی بفروش و حیرانی بخر زیرکی ظن است و حیرانی نظر

مرید ہندی= اگر چہ یہ دنیا فانی و عارضی ہے اور اس کے بازار کی رونق بھی وقتی ہے، آپ یہ فرمائیے کہ کس سودے میں مردوں (مردان حق) کا نفع ہے۔ وہ کیا دے کر کیا لیں۔

پیر رومی= تو دانائی بیچ اور حیرانی خرید۔ اس لیے کہ دانائی محض وہم و گمان ہے جبکہ حیرانی سراسر نظر ہے۔ نظر یعنی عشق حقیقی ہے۔ چونکہ علامہ نے مردانِ حق کی بات کی ہے، اس لیے یہاں تو سے یہی مراد ہوگی کہ وہ یہ کچھ کریں۔ مثنوی کا یہ شعر دفتر چہارم میں آیا ہے۔ عنوان ہے: ''قصہ رُستن خروب در گوشۂ مسجد اقصیٰ و غمگین شدن سلمانؑ، علیٰ نبینا وعلیہ السلام، چون بحن در آمد و خاصیت خود بگفت''

مرید ہندی

۱۳- ہم نفس میرے سلاطیں کے ندیم میں فقیرِ بے کلاہ و بے گلیم

پیر رومی

= بندۂ یک مردِ روشن دل شوی بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی

مرید ہندی= میرے ساتھی اور دوست بھی بادشاہوں کے مصاحب بن گئے ہیں، جبکہ میں ایک ایسا فقیر ہوں جس کے سر پر کوئی کلاہ نہیں اور نہ میری کوئی گدڑی ہی ہے۔ (اس میں اپنی اقتصادی حالت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ میری عام ضروریات بھی پوری نہیں ہورہی ہیں۔)

پیر رومی= بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھنے کی نسبت یہ کہیں بہتر ہے کہ تو کسی روشن ضمیر انسان کی طرف جائے اور اس کا مرید بن کر اس سے فیض حاصل کرے۔

دفتر سوم کے شروع کے حصے میں مولانا نے یہ بیان کیا ہے کہ ادھر کوئی حاجت مند ''اللہ'' کہتا ہے، ادھر فوراً اس کا جواب آتا ہے۔ اس کی وضاحت میں ایک دیہاتی اور شہری کی داستان بیان ہوئی ہے جس کے آخر میں یہ شعر ہے۔ ایک پیٹو اور مکار دیہاتی کسی شہری امیر سے دوستی پیدا کر لیتا ہے اور آئے دن اس کے یہاں جا کر خوب تر نوالے اڑاتا

ہے۔ وہ امیر کو اپنے گاؤں آنے کی بھی دعوت دیتا ہے تا کہ اس (دیہاتی) کی دعوتوں کا سلسلہ جاری رہے۔ کچھ عرصے بعد امیر بڑی دشواری کے ساتھ بال بچوں سمیت اس کی طرف جاتا ہے۔ دیہاتی اسے دیکھ کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ آخر دو ایک روز کی خرابی کے بعد وہ دیہاتی نظر آتا ہے لیکن امیر کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے۔ امیر کی تمام وضاحت کے باوجود وہ مکار نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ میں یادالٰہی میں دنیا و مافیہا اور خود اپنی ذات سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ آخر امیر کے لیے ٹھکانے کے تقاضے پر وہ اپنے چوکیدار کی کٹیا دیتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ سب خدا کے حضور گڑگڑاتے ہیں کہ ہماری یہی سزا ہونی چاہیے تھی کہ ہم نے کمینے لوگوں سے دوستی کی۔

مرید ہندی

۱۴۔ اے شریکِ مستیِ خاصانِ بدر میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر

پیر رومی

= بال بازاں را سوئے سلطاں بَرد بال زاغاں را بگورستاں برد

مرید ہندی= اے مرشد گرامی! آپ غزوۂ بدر کے ممتاز اصحاب کے سے ذوق وشوق والے ہیں۔ مجھے جبر وقدر کی حقیقت کی سمجھ نہیں آ رہی۔ ذرا اس مسئلے کی وضاحت کیجیے۔

پیر رومی= بازوں کے بال و پر انہیں بادشاہ کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ کوّوں کے بال و پر انہیں قبرستان لے جاتے ہیں۔ بادشاہ شکار کی خاطر بازوں کو پالتے ہیں اور کوے اپنا پیٹ پالنے کی خاطر مردار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ گویا اڑنے کی طاقت تو دونوں میں ہے لیکن ذوق الگ الگ ہونے کے باعث باز اپنی بلند پروازی کے نتیجے میں عزت پاتا ہے اور کوا اپنی پست فطرتی اور کم ہمتی کے باعث ذلت وخواری سے دوچار رہتا ہے۔

مثنوی کے چھٹے دفتر میں ایک کہانی ہے: سلطان محمود کا ایک ہندو غلام کو تخت پر بٹھانا اور غلام کا رونا۔ مذکورہ شعر داستان کے آخری چند اشعار میں سے ہے۔ بعد میں انہوں نے کاہلی اور جبر پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا نے اور بھی کئی ایک مقامات پر مسئلہ جبر وقدر سے متعلق اپنے نظریے کو مختلف تمثیلات سے واضح کیا ہے۔ ان کے مطابق جبر واختیار کے عقیدے کا اثر مختلف طبائع پر مختلف اور متضاد ہوتا ہے۔ کاملوں کے لیے یہی جبر آگے بڑھنے کا سبب بنتا ہے کیونکہ وہ اپنے تمام جہد و عمل کا نتیجہ خدا کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں، اس کے برعکس کاہل لوگوں کے لیے یہ جبر گویا زندان ہے۔ یہ سوچ ان کی پستی وکم ہمتی کے باعث ہے۔

مرید ہندی

۱۵- کاروبارِ خسروی یا راہبی؟ کیا ہے آخر غایتِ دینِ نبیؐ؟

پیر رومی

= مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ مصلحت در دینِ عیسیٰؑ غار و کوہ

مرید ہندی= آپ یہ فرمائیے کہ دین اسلام کی غرض و غایت کیا ہے؟ کیا بادشاہی کا نظام اختیار کیا جائے یا یہ کہ ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشنی اختیار اور درویشی کا نظام اپنایا جائے۔

پیر رومی= ہمارے دینِ نبیؐ کی مصلحت یا حالات کا تقاضا یہ ہے کہ جنگ یعنی جہاد کیا جائے اور حکمرانی اختیار کی جائے۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے دین کے حالات کا یہ تقاضا ہے کہ غاروں اور پہاڑوں میں گوشہ نشینی اختیار کی جائے۔ دین کا اصل مقصد حکومت و درویشی نہیں بلکہ اسے آگے دوسروں تک پہنچانا ہے۔

مثنوی کے چھٹے دفتر میں حدیث ''لا رھبانیة فی الاسلام'' کی تشریح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ایک شکاری کی (جو پرندوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنے سر پر گھاس وغیرہ رکھ لیتا ہے) اور اس سے مخاطب ایک پرندے کی داستان ہے۔

مرید ہندی

۱۶- کس طرح قابو میں آئے آب و گِل؟ کس طرح بیدار ہو سینے میں دل؟

پیر رومی

= بندہ باش و بر زمیں رو چوں سمند چوں جنازہ نے کہ بر گردن بَرند

مرید ہندی= مرشد گرامی! یہ فرمائیے کہ انسان مادی و دنیوی خواہشات پر کیونکر قابو پا سکتا ہے۔ دل کو سینے میں بیدار کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے تاکہ وہ حقیقی زندگی سے بہرہ ور ہو سکے۔

پیر رومی= تو خدا کا صحیح معنوں میں بندہ بن اور زمین پر گھوڑے کی طرح چل۔ گھوڑا اپنے سوار کے اشارے پر چلتا ہے تو بھی اپنے خالق و مالک کے احکام پر عمل پیرا رہ اور جہد و عمل جاری رکھ۔ اس جنازے کی طرح مت رہ جسے لوگ کندھوں پر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ دوسرے کے سہارے زندگی بسر کرنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

مثنوی کے چھٹے دفتر میں ایک غلام کی کہانی ہے جسے ایک امیر آدمی بڑے ناز و نعمت سے پالتا ہے۔ اس امیر کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی بات طے ہونے کے بعد

غلام روز بروز کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ امیر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم ماں کی سی شفقت سے اس سے اس کمزوری کا سبب پوچھو۔ پوچھنے پر وہ کہتا ہے مجھے یہ امید نہ تھی کہ آپ مجھے چھوڑ کر کسی بیگانے کو اپنی لڑکی دیں گے۔ عورت کو طیش تو آتا ہے لیکن امیر ایک چال چلتا اور غلام سے لڑکی کی شادی طے کر دیتا ہے اور پھر ایک گونگے کو دلہن بنا کر بٹھا دیتا ہے۔ جب غلام اس کی طرف جاتا ہے تو گونگا اس کی خوب پٹائی کرتا ہے۔ غلام بہت روتا شور مچاتا ہے لیکن باہر ڈھولک کے شور میں اس کی آواز دبی رہتی ہے۔ صبح وہ حمام میں جاتا ہے۔ اب امیر اپنی لڑکی دلہن بنا کر وہاں بٹھا دیتا ہے لیکن اب غلام ہاتھ جوڑ کر اس سے پیچھا چھڑاتا ہے۔ حاصل داستان یہ کہ دنیا کی تمام نعمتیں اسی طرح دور سے اور آزمائش سے قبل اچھی دکھائی دیتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ سراب ہیں جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ یہ دنیا ایک کھوسٹ بڑھیا ہے جو خود کو ایک نوبیاہتا دلہن کی طرح ظاہر کرتی ہے۔ اس کے نزدیک جانے سے بچو۔

مرید ہندی

۱۷- سِرِّ دیں اِدراک میں آتا نہیں   کس طرح آئے قیامت کا یقیں؟

پیر رومی

= پس قیامت شو قیامت را بہ بیں   دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

مرید ہندی= دین کا راز سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر قیامت کا یقین کیونکر اور کس طرح آئے؟ کہ قیامت آئے گی اور اس روز مردے زندہ ہو جائیں گے؟

پیر رومی= تو خود قیامت ہو جا اور قیامت کو دیکھ لے۔ کسی بھی چیز کو دیکھنے کی یہی شرط ہے۔ گویا تو خود میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر بالکل قیامت کا سا جو وہ دنیا میں پیدا کرے گی۔ اس انقلاب سے تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ قیامت ضرور آئے گی۔

یہ شعر بھی مثنوی کے چھٹے دفتر میں ہے۔ یہ حدیث نبویؐ ''موتوا قبل ان تموتموا'' کے معنی اور حکیم سنائیؒ کے اس شعر کی وضاحت میں آیا ہے:

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی
کہ ادریس از چنیں مُردن بہشتی گشت پیش از ما

(اے دوست! اگر تو زندگی چاہتا ہے تو موت آنے سے پہلے ہی مر جا کیونکہ ہم سے پہلے ادریس ایسے ہی مرنے سے بہشتی ہو گئے) مولانا نے اس کی وضاحت میں چند

مثالیں دی ہیں۔ ''موتو'' سے مراد اپنی ذات ''یا میں'' کو فنا کرنا ہے کہ انسان کی روحانی ترقیوں کی راہ میں یہ ''میں'' بہت بڑی رکاوٹ ہے......الخ

مرید ہندی

۱۸- آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صیدِ مہر و ماہ کرتی ہے خودی
بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے نخچیروں کے ہاتھوں داغ داغ

پیر رومی

= آں کہ ارزد صید را عشق است و بس لیکن او کے گنجد اندر دامِ کس

مرید ہندی= خودی اپنی طاقت کے بل پر آسمان تک پہنچتی اور سورج اور چاند کا شکار کرتی یا کر سکتی ہے۔ گویا جب خودی فروغ حاصل کر لیتی ہے لیکن حضوری کے شرف سے محروم رہتی ہے اور فراغت نہیں پاتی تو وہ اپنے شکاروں کے ہاتھوں ہی مصیبت زدہ ہو جاتی ہے۔ خودی کے لیے ضروری ہے کہ احکام ایزدی پر عمل کر کے اس محبوب کی حضوری کا شرف حاصل کرے۔

پیر رومی= وہ چیز جو شکار کے لائق ہے وہ صرف عشق اور عشق حق ہے، لیکن وہ (عشق) کسی کے جال میں کیونکر سما سکتا ہے، نہیں سماتا۔ مثنوی کے پانچویں دفتر میں ''صفت طاؤس و سببِ کشتن ابراہیم خلیل اورا'' کے عنوان کے تحت یہ شعر ایک جگہ آیا ہے۔ حرص و ہوس کے سبب انسان کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس حصے میں اسے شکار کی تمثیل سے واضح کر کے روحانیت اور عشق کی طرف بلایا گیا ہے۔ طاؤس اور جال کی مثال سے یہ مطلب لیا ہے کہ جال کبھی اس جانور کو پکڑتا ہے اور کبھی اس جانور کو لیکن خود اسے اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اسی طرح انسان اپنی اغراض کی خاطر دوسرے انسانوں کو اپنے جال میں پھانستا رہتا ہے۔ کبھی اسے پکڑا اور چھوڑ دیا اور کبھی اس کو پکڑا اور چھوڑ دیا۔ یہ تو بچوں کا کھیل ہے جس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ صرف عشق (روحانیت) ہی ایک ایسا شکار ہے جس کی قیمت پڑتی ہے لیکن وہ ہر کس و ناکس کے جال میں نہیں پھنستا۔ ہاں ایسا ہے کہ خود انسان اس کے جال میں چلا جائے۔

مرید ہندی

۱۹- تجھ پہ روشن ہے ضمیرِ کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

= دانہ باشی مرغکانت برچنند غنچہ باشی کودکانت برکنند

دانہ پنہاں کن سراپا دام شو غنچہ پنہاں کن گیاہِ بام شو

مرید ہندی= اے پیرومرشد! آپ پر اس کائنات کا ضمیر (اس کا راز) روشن ہے۔ آپ یہ فرمایئے کہ ملت کی زندگی (قومی زندگی) کو کیونکر مضبوط و مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

پیر رومی= اگر تو دانہ بنے گا تو پرندے تجھے چگ لیں گے اور اگر تو کلی بنے گا تو بچے تجھے توڑ لیں گے، لہٰذا تو دانہ چھپا لے اور پورے طور پر جال بن جا۔ کلی کو چھپا لے اور چھت کی گھاس بن جا۔ مطلب یہ کہ قوم کا استحکام اسی میں ہے کہ وہ ہر وقت اپنے دفاع اور بچاؤ کے انداز اور تدبیریں پیش نظر رکھے۔

مثنوی کے دفتر اول میں ایک تاجر اور اس کے طوطے کی داستان میں یہ اشعار آئے ہیں۔ تاجر اپنا مال تجارت لے کر ہندوستان جاتے وقت اپنے طوطے سے پوچھتا ہے کہ وہاں سے تمہارے لیے کیا لاؤں؟ وہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ طوطوں کو میرا صرف یہ پیغام دے دینا کہ میں یہاں قید میں ہوں اور تم مزے کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ خوشی کے وقت مجھے بھی یاد کر لیا کرو۔ تاجر ایسا ہی کرتا ہے۔ یہ پیغام سنتے ہی ایک طوطا دھڑام سے زمین پر آ رہتا ہے۔ جیسے وہ مرگیا ہو۔ تاجر واپسی پر اپنے طوطے کو یہ واقعہ سناتا ہے۔ یہ طوطا بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ تاجر اسے مردہ سمجھ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ طوطا پھر سے اڑ کر ایک درخت پر جا بیٹھتا ہے۔ تاجر اس سے اس کا بھید پوچھتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کے طوطے نے دراصل مجھے یہ سبق پڑھایا ہے کہ اگر رہائی مقصود ہے تو کاہلی چھوڑ کر اسی طرح کوشش کرو۔

مرید ہندی

۲۰۔ تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کر تلاش "طالب دل باش و در پیکار باش"
جو مرا دل ہے مرے سینے میں ہے میرا جوہر میرے آئینے میں ہے

پیر رومی

= تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست دل فرازِ عرش باشد نے بہ پست
تو دلِ خود را دلے پنداشتی جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی

مرید ہندی= آپ یہ فرماتے ہیں کہ دل کو تلاش کر، اور یہ بھی آپ کا فرمان ہے کہ دل کا طلبگار بنا رہ اور پیکار میں لگا رہ، (اس ضمن میں جو مصیبتیں، رکاوٹیں آئیں ان سے ٹکراتا رہ اور آگے بڑھتا رہ۔) میرا دل میرے سینے میں موجود ہے اور میرا جوہر

میرے آئینے میں ہے۔(آئینے میں چمک رہا ہے۔)

پیر رومی= تو یہ کہہ رہا ہے کہ میرے پاس بھی دل ہے۔بھئی! دل تو عرش کی بلندی پر ہوتا ہے کسی پستی میں نہیں۔ میں نے جو کہا کہ ''طالبِ دل باش......'' تو میری دل سے مراد گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے۔اس کا تعلق تو اس محبوب حقیقی سے ہوتا ہے۔تو نے اس گوشت کے لوتھڑے ہی کو دل سمجھ لیا اور اسی لیے تو اہلِ دل کی تلاش میں نہیں نکلا۔ مثنوی کا پہلا مصرع جو مرید ہندی میں آیا ہے، دفتر دوم میں اس تبدیلی کے ساتھ ہے: ''طالبِ دل باش تا باشی چوِل''اس کا دوسرا مصرع ہے:''تا شوی شادان و خنداں ہمچو گل''(یہ شعر بعض نسخوں میں نظر نہیں آیا) اس شعر میں ایک صوفی شیخ بہلول کی داستان بیان کر کے (جس نے خود کو ظاہری طور پر دیوانہ ظاہر کر رکھا ہے) ظاہری علوم کو بے سود قرار اور دل یعنی روحانیت کی طرف آنے کی تلقین فرماتے ہیں۔رومؔی کے جواب کا پہلا شعر''تو ہمی گوئی......'' دفتر سوم میں کسی بزرگ کی داستان میں آیا ہے۔''دعا وشفقت دقوقی در خلاصِ کشتی'' جبکہ دوسرا شعر''تو دل خود......'' دفتر پنجم کی حکایت بادشاہ محمد خوارزم شاہ میں آیا ہے۔وہ سبزوار کو فتح کرتا ہے۔اہل سبزوار کا تعلق کسی اور فرقے سے ہے، وہ اس کے پاس امان خواہی کے لیے آتے ہیں۔ خوارزم انہیں کہتا ہے کہ میرے پاس ابوبکر نام کا کوئی شخص لاؤ۔وہ بہت تلاش کے بعد ایک ایسے شخص کے پاس پہنچتے ہیں جو کسی گوشے میں ناگفتہ حالت میں پڑا اور چلنے سے بھی عاجز ہوتا ہے۔لوگ اسے تختے پر لاد کر کندھوں پر اٹھا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں۔اس تمثیل کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دنیا سبزوار ہے اور اہلِ حق یہاں اسی طرح خوار وزبوں ہے......

مرید ہندی

۲۱- آسمانوں پر مرا فکرِ بلند   میں زمیں پر خوار و زار و دردمند
کارِ دنیا میں رہا جاتا ہوں میں   ٹھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کارِ زمیں؟   ابلہِ دنیا ہے کیوں دانائے دیں؟

پیر رومی

= آں کہ بر افلاک رفتارش بود   بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

مرید ہندی= میرے بلند افکار و خیالات آسمانوں پر پہنچے ہوئے ہیں، جبکہ میں زمین پر

خوار وزبوں اور دردمندی کی حالت میں ہوں۔ دنیا کے کام میں میں ناکام ہوں، مجھ سے نہیں ہوسکتا، چنانچہ اس راہ میں ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا رہا ہوں۔ میرے لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کا کاروبار کیوں میرے بس میں نہیں ہے۔ وہ شخص جو دین کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے، وہ بھلا دنیا کے کام سے کیوں بے خبر ہے؟

پیرِ رومی= جس انسان کی پرواز یا رفتار آسمانوں پر ہو، اس کے لیے زمین پر چلنا کیونکر دشوار ہوسکتا ہے۔ مثنوی کے دفترِ دوم میں حضرت لقمانؒ کی دانائی سے متعلق داستان بیان ہوئی ہے جس میں مولانا نے ان موضوعات سے بحث کی ہے۔ اللہ والے ہی حقیقت میں بادشاہ ہیں کہ وہ بادشاہی سے فارغ ہیں اور مہ وخورشید پر ان کا نور پرتو ڈالتا ہے۔ اصل مخزن وہ ہیں کیونکہ انہیں مال و دولت اور دنیوی جاہ وجلال سے کوئی رغبت ومحبت نہیں ہوتی۔ یہی لوگ اصل میں زندہ و پائندہ ہیں کیونکہ ''ہستی'' کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ خدا کے خاص بندے اپنی ذات اور صفاتِ باطنی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے، جبکہ ریاکار صوفی وغیرہ خود کو نمایاں اور ظاہر کرنے کی خاطر خاص قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ ریاکارانہ زہد کی بجائے ''نور'' ہونا چاہیے جو ''جاسوس زہد'' ہو......الخ

مریدِ ہندی

۲۲- علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ؟ کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیرِ رومی

= علم و حکمت زاید از نانِ حلال عشق و رقت آید از نانِ حلال

مریدِ ہندی= یہ فرمایئے کہ علم وحکمت کا سراغ / نشان کیسے اور کیونکر مل سکتا ہے اور عشق کے اوصاف وخصوصیات یعنی سوز وگداز نیز درد وداغ کا حصول کس طرح ممکن ہے؟

پیرِ رومی= علم وحکمت اور عشق اور سوز وگداز کا حصول رزقِ حلال ہی سے ممکن ہے۔ حلال کی روزی کمانے والے ہی کو قدرت کی طرف سے یہ نعمتیں میسر آتی ہیں۔ رومیؔ کا یہ شعر کسی قدر تبدیلی کے ساتھ پہلے دفتر میں آیا ہے۔ ''تعظیم کردنِ ساحران، موسیٰؑ را کہ اول عصا تو بینداز'' میں یہ شعر یوں ہے:

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال
عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے قرآنی حوالے سے فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰؑ اور

ساحروں کے درمیان مقابلے کا ذکر ہے۔ مولانا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ لقمہ اور نکتۂ کامل اللہ والوں ہی کے لیے حلال ہے۔ جو کامل نہیں ہیں ان کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

مرید ہندی

۲۳- ہے زمانے کا تقاضا انجمن اور بے خلوت نہیں سوزِ سخن

پیر رومی

= خلوت از اغیار باید نے زیار پوستیں بہرِ دے آمد نے بہار

مرید ہندی= دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور میل ملاپ رکھنا زمانے کا تقاضا ہے (ضرورت ہے) خلوت نشینی سے بچنا چاہیے، لیکن خلوت نشینی کے بغیر شعر میں سوز و گداز پیدا ہونا ممکن نہیں۔

پیر رومی= خلوت غیروں سے چاہیے نہ کہ یاروں اور اپنوں سے۔ پوستین تو سردیوں کے موسم میں پہنی جاتی ہے، موسم بہار میں کہاں پہنی جاتی ہے، نہیں پہنی جاتی۔ مثنوی کے دفتر دوم کے آغاز میں رومی نے اس دفتر کے تاخیر سے شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ پھر مولانا حسام الدین کی تحریک پر اس کا آغاز ۶۶۱ ہجری (۶۴-۱۲۶۳ء) میں کیا گیا۔ اس میں مولانا دنیائے فانی کو خون سے اور روحانی غذا کو دودھ سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ اگرچہ صفات دونوں کی الگ الگ ہیں لیکن اصلیت دونوں کی ایک ہے۔ مومن اس دنیا کو بھی دین ہی میں تبدیل کر لیتا ہے۔ روحانی زندگی کو پاکیزہ رکھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب کوئی عقلمند کسی عقلمند سے مشورہ کرتا ہے تو اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے اور جب کوئی نفس کا غلام نفس کے غلاموں سے مشورہ کرتا ہے تو اس کی شیطنت بڑھتی ہے۔ مولانا دوستوں یعنی حق شناسوں اور پاکبازوں کی صحبت کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تم ''ناہید'' (ستارہ) ہو تو دوستوں کے سائے میں تم خورشید بن جاؤ گے۔ ''یارِ خدائی'' کی تلاش کرو، خدا تمہارا دوست ہوگا۔

مرید ہندی

۲۴- ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہلِ دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز

پیر رومی

= کارِ مرداں روشنی و گرمی است کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

مرید ہندی= ہندوستان میں نہ اب نور باقی رہا اور نہ سوز و گداز ہی۔ چنانچہ اہل دل اس ملک میں مصیبت زدہ ہو کے رہ گئے ہیں۔ اہل دل سے مراد وہ لوگ جن کے فیض سے دوسروں کے ضمیر و باطن روشن ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی نظر نہیں آتے جو دوسروں کے دلوں میں عشق کا جذبہ اور سوز و گداز پیدا کریں۔

پیر رومی= اہل حق کا کام دوسروں میں نور ایمان اور حرارتِ عشق پیدا کرنا ہے، جبکہ گھٹیا اور پست لوگ بے شرمی اور حیلہ کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ حیلہ و مکاری اور بے شرمی گویا ان کی فطرت ہے۔ بہر حال اہل حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان گھٹیا لوگوں کی اس صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنا مذکورہ فرض اور بھی تیزی و شدت سے انجام دیں۔ رومی کا یہ شعر مثنوی کے دفتر اول کی ''حکایتِ مردِ بقال و روغن ریختنِ طوطی'' میں آیا ہے۔ ایک پنساری کا طوطا جو گاہکوں سے باتیں کرتا ہے، ایک روز اس کی غیر موجودگی میں بلی کو دیکھ کر ڈر جاتا اور اپنی جگہ سے اڑتا ہے جس سے روغن کی ایک شیشی گر جاتی ہے۔ مالک واپس آکر جب یہ دیکھتا ہے تو غصے میں طوطے کے سر پر تھپڑ مارتا ہے، جس سے وہ گنجا ہو جاتا ہے اور بولنا ترک کر دیتا ہے۔ مالک کو اس کی خاموشی سے دکھ ہوتا ہے۔ چند روز بعد وہاں سے ایک گنجا گدڑی پوش آدمی گذرتا ہے۔ طوطا اسے دیکھتے ہی بول اٹھتا ہے ''اے گنجے کیا تو نے بھی روغن کی شیشی گرائی تھی؟؟'' مولانا نے اس تمثیل کو اور چند دیگر مثالوں سے یہ واضح کیا ہے کہ اگرچہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں لیکن انبیا و اولیا اپنے اعمالِ صالح اور کردار کے باعث عام انسانوں سے الگ، افضل اور اعلیٰ مرتبے کے حامل ہیں۔ جو لوگ انہیں اپنا جیسا سمجھتے ہیں وہ گمراہی کا شکار ہیں۔

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدم دیرینہ کیسا ہے جہانِ رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو　　کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاکِ دامن ہو رفو؟

ابلیس

= آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے　　کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو
اب یہاں میری گذر ممکن نہیں، ممکن نہیں　　کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاخ و کو
جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات　　اس کے حق میں "تقنطوا" اچھا ہے یا "لا تقنطوا!"

جبریل

= کھو دیے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند　　چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس

۱- ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمود　　میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
۲- دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر　　کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
۳- خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا　　میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
۴- گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے　　قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو
۵- میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح　　تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

جبریل: اے میرے پرانے ساتھی (ابلیس) یہ تو بتا کہ رنگ و بو کا جہان (یعنی یہ کائنات) کیسا ہے؟ ابلیس کو چونکہ آدم کو سجدہ نہ کرنے کی سزا کے طور پر دنیا میں بھیج دیا گیا تھا، اس لیے جبریل اس سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔

ابلیس: وہاں (اس دنیا میں) تو بس سوز و ساز/گداز، درد و داغ، جستجو/تلاش اور آرزو ہی کا سلسلہ جاری ہے یا قائم ہے۔

جبریل: آسمانوں پر ہر وقت تیرے ہی بارے میں باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ تیرا پھٹا ہوا دامن سل جائے؟ تیری غلطی کی تلافی ہو جائے اور پھر تو آسمانوں پر آ جائے۔

ابلیس: افسوس کی بات ہے اے جبریل کہ تو اس راز سے باخبر نہیں ہے۔ میرا سبو ٹوٹ کر مجھے بے حد مست کر گیا ہے۔ سبو کا ٹوٹنا مذکورہ غلطی کا استعارہ ہے۔ میں اب اوپر کی دنیا میں ہرگز نہیں رہ سکتا، ہرگز نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ وہاں کے محل اور کوچے سراسر

خاموشی میں ڈوبے رہتے ہیں جبکہ اس مادی دنیا کے گلی کوچوں اور محلوں میں ہر طرف رونق اور شور وغل برپا رہتا ہے۔ جس کی مایوسی سے کائنات کے اندر سوز و گداز پیدا ہوا ہے، اس کے لیے ''تقنطوا'' اچھا ہے یا ''لاتقنطوا۔'' ابلیس نافرمانی کے باعث نیچے بھیجا گیا، چنانچہ وہ رحمت ایزدی سے مایوس ہو گیا۔ چونکہ اس کی وجہ سے دوسرے شعر والی بات ہوئی ہے، اس لیے وہ ''تقنطوا'' کو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے۔

جبریل: اے ابلیس! تو نے خدا کی نافرمانی کر کے اپنے بلند مرتبے کھو دیے۔ اب تو ہی بتا کہ اس صورتِ حال سے خدا کی نظروں میں فرشتوں کی کیا آبرو رہ گئی ہے۔ (کوئی آبرو نہیں رہی)

ابلیس ۱: میں نے جو حکم ایزدی نہ مانا تو میری اسی نافرمانی کی جرأت کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان میں (جو خاک کا پتلا ہے) اپنے اظہار کے لیے ترقی کا جذبہ و ذوق پیدا ہوا۔ میرے اٹھائے ہوئے فتنے عقل و خرد کے لباس کا تانا بانا ہیں۔

۲- تو (جبریل) صرف کنارے پر یا ایک طرف کھڑا نیکی اور بدی کی جنگ کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اب تو ہی بتا کہ اس طوفان کے تھپیڑے میں کھا رہا ہوں یا تو کھا رہا ہے؟ نیکی اور بدی کی جنگ گویا ایک بہت بڑا طوفان ہے جس کے اندر ابلیس بیٹھا ہوا لہروں کے تھپیڑے کھا رہا ہے۔

۳- میں نے سمندروں، دریاؤں اور ندیوں میں طوفان برپا کر رکھے ہیں، چنانچہ ان قیامت خیز طوفانوں کے آگے حضرت خضرؑ بھی اور حضرت الیاس بھی بے بس ہیں۔

۴- اے جبریل! اگر تجھے کبھی خدا تعالیٰ سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملے تو اس سے پوچھنا کہ کس کے لہو سے آدم (بنی نوع انسان) کی داستان/ واقعہ رنگین بنی، یعنی اس میں دل کشی پیدا ہوئی؟ ظاہر ہے وہ میرا ہی لہو تھا۔ لہو اس لیے کہ بڑی سخت سزا ملی تھی۔

۵- میں خدا کا نافرمان بنا۔ میرا یہ عمل اس ذاتِ حق سے ٹکر لینے والی بات تھی، جس کے نتیجے میں میں اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہوں، جبکہ تو ہر لحہ ''اللہ ہو'' ''اللہ ہو'' (صرف اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے) ہی جپتا رہتا ہے۔

اذان

۱- اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سحر نے   آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟

۲۔ کہنے لگا مریخ، ادا فہم ہے تقدیر | ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
۳۔ زہرہ نے کہا، اور کوئی بات نہیں کیا؟ | اس کرمکِ شب کور سے کیا ہم کو سروکار
۴۔ بولا مہِ کامل کہ وہ کوکب ہے زمینی | تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
۵۔ واقف ہو اگر لذتِ بیداریِ شب سے | اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پراسرار
۶۔ آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں | کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار
۷۔ ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز | وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دلِ کہسار

۱۔ ایک رات صبح کے ستارے نے دوسرے ستاروں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے انسان کو بھی رات کے وقت بیدار دیکھا ہے؟ دوسرے ستارے رات کو چمکتے ہیں جبکہ صبح کا ستارہ رات کے آخری حصے میں طلوع ہوتا ہے اور اس وقت وہ انسانوں کو نیند ہی میں ڈوبا ہوا پاتا ہے، اس لیے اس نے یہ سوال کیا۔

۲۔ اس سوال پر مریخ بولا کہ تقدیر حقیقت شناس ہے۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ یہ جو چھوٹا سا فتنہ (انسان) ہے، اس کے لیے نیند ہی مناسب ہے، بصورتِ دیگر (عالمِ بیداری میں) وہ ممکن ہے فتنے برپا کرے۔

۳۔ زہرہ ستارے نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ کیا تمہارے لیے کوئی اور بات نہیں ہے جو تم اسی بات پر لگے ہوئے ہو۔ بھلا ہمیں اس کرمکِ شب کور سے کیا سروکار ہے۔ اسے رات کو جاگنے کی کیا ضرورت ہے؟

۴۔ اب چودھویں کا چاند (جو زمین کے قریب ہونے کے باعث دوسروں کی نسبت زمین کے حالات سے زیادہ باخبر ہے۔) بولا کہ وہ (انسان) زمین کا ستارہ ہے۔ تم رات کو ظاہر ہوتے یعنی چمکتے ہو اور وہ دن کے وقت نمودار ہوتا یعنی چمکتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ دن کے وقت جہد و عمل اور محنت و کوشش میں لگ جاتا ہے۔

۵۔ اگر انسان شب بیداری کی لذت سے باخبر ہو جائے تو رازوں سے بھری ہوئی یہ خاک کی مٹھی بلندی میں ثریا سے بڑھ جائے۔ یعنی اگر انسان شب بیداری کر کے خدا کی یاد اور عبادت میں مصروف رہے تو اس کی عظمت و بلند مرتبگی بے حد بڑھ جائے۔

۶۔ اس کی آغوش/ پہلو میں وہ نور ہے جو اگر باہر آ جائے تو آسمانوں کے سب ستارے اور سیارے اس کی تجلی میں کھو جائیں۔

۷۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک فضا اذان کی آواز سے گونج اٹھی۔ انسان کا یہی وہ

نعرہ ہے جس سے پہاڑوں کے دل بھی دہل جاتے ہیں۔ گویا اذان خدا کی طرف سے بیداری کا پیغام ہے کہ اٹھو اور میری عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔

محبت

۱- شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی ۔ محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
۲- وہ کچھ اور شے ہے، محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی
۳- یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
۴- نہ محتاج سلطاں، نہ مرعوبِ سلطاں محبت ہے آزادی و بے نیازی
۵- مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

۱- محبت کے شہید کو نہ تو کافر ہی کہا جا سکتا ہے اور نہ غازی ہی، اس لیے کہ محبت کی رسمیں نہ تو ترکی ہوتی ہیں اور نہ عربی ہی۔ محبت مخصوص قوموں یا ملکوں سے ماورا ہے۔ ہر انسان سے محبت کرنا یعنی انسان دوستی ہی انسانیت کی اصل ہے۔

۲- وہ محبت نہیں کچھ اور ہی شے ہے جو سلطان محمود جیسے حکمران کو غلامی سکھاتی ہے۔ محمود غزنوی کو اپنے غلام ایاز سے بہت محبت تھی۔ علامہ اسے وہ محبت نہیں مانتے جو ان کے پیش نظر یا ان کا نظریہ ہے۔ غزنوی اور ایازی کی محبت اس محبت سے کمتر یا محدود ہے۔

۳- اگر علم و حکمت میں محبت کا جوہر کارفرما نہ ہو تو انہیں محض فریب کاری کا مجموعہ سمجھنا چاہیے۔ علم و حکمت انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور مخلصانہ جذبوں کے بھی حامل ہوں، بصورت دیگر یہ انسانی تباہی کا سامان ہیں جیسا کہ یورپ کے سائنسدانوں نے اسی علم سے خطرناک قسم کے جنگی ہتھیار، بم، پھر ایٹم بم وغیرہ ایجاد کر کے اللہ کی بے پناہ مخلوق کی تباہی کا سامان کیا۔ اس لحاظ سے یہ علم و حکمت سراسر فریب کاری ہی کہلائیں گے۔

۴- محبت نہ تو بادشاہوں کی محتاج ہوتی ہے اور نہ سلطانوں کے رعب ہی میں آتی ہے، ان سے قطعاً خوف زدہ نہیں ہوتی۔ وہ تو سراسر آزادی اور بے نیازی و بے پروائی ہے۔ آزاد اور بے نیاز انسان بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہیں دبتا اور ڈرتا۔

۵- میرا فقر (درویشی و فقیری) سکندر یونانی جیسے عظیم بادشاہ کی بادشاہت سے بھی بہتر و

افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (درویشی) انسان دوستی و آدمیت کا سبق سکھاتی ہے جبکہ اسکندری سراسر آئینہ سازی ہے۔ (لغت دیکھیے) اصل انسانیت دوسروں سے، قومیت و وطن وغیرہ کی تمیز کے بغیر، خلوص و محبت سے پیش آنا ہے۔ یہ بڑی بڑی بادشاہیاں اور آئینہ سازی وغیرہ اس جذبے سے محروم ہیں۔

ستارے کا پیغام

۱- مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
۲- تو اے مسافرِ شب! خود چراغ بن اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

۱- مجھے (ستارے کو) فضا کی تاریکی نہیں ڈرا سکتی، اس لیے کہ پاکیزگی اور چمک دمک میری فطرت کا تقاضا ہے۔ میری اسی چمک سے، مجھے رات کی تاریکی میں، اپنا سفر طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

۲- لہٰذا اے رات کے مسافر! تو بھی میری طرح اپنا چراغ خود بن جا اور اپنے داغِ جگر سے اپنی رات کو خوب روشن کر لے، اور یوں اپنا سفر آسانی سے طے کرتا چلا جا۔ گویا تو عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی زندگی کو منور کر لے اور یوں ہر طرح کی رکاوٹوں وغیرہ سے بے نیاز و بے خوف ہو جا۔

جاوید کے نام

(لندن میں اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط آنے پر)

۱- دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
۲- خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
۳- اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
۴- میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
۵- مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

۱- (اس نظم میں بالواسطہ نوجوان مسلم نسل کے نام بھی پیغام ہے) تو (اے جاوید!)

عشق حقیقی میں اپنا خاص مقام و مرتبہ پیدا کر اور یوں اپنے لیے نیا زمانہ اور نئے صبح و شام پیدا کر۔ عشق حقیقی ہی کی بدولت انسان باعظمت اور بلند مرتبہ بنتا اور رات دن کی گردش سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور گویا اس کے اپنے صبح و شام ہو جاتے ہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

ع اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۲- اگر خدا تعالیٰ تجھے فطرت شناس دل عطا فرمائے تو تو لالہ و گل کی خاموشی سے کلام پیدا کر۔ یعنی اگر تجھے ایسا دل عطا ہو جائے تو تجھ میں وہ قوت پیدا ہو جائے گی جس کی بدولت تو قدرت کی بے زبان چیزوں کی خاموشی یا ان کی باتوں کو بھی سمجھنے لگے گا۔

۳- تو یورپی شیشہ گروں کا احسان نہ اٹھا اور اپنے ملک ہندوستان ہی کی مٹی سے اپنی صراحی اور اپنا جام پیدا کر لے یا بنا لے۔ مطلب یہ کہ یورپی تہذیب و معاشرت کو اپنانے کی کوشش نہ کر اور یورپی علوم کے حصول کو عظمت کا وسیلہ نہ سمجھ۔ ٹھیک ہے کہ ان میں ظاہری چمک ہے لیکن پائداری نہیں ہے۔ اپنے وطن کے طور طریقوں اور اپنی تہذیب و معاشرت کو اپنانے ہی میں صحیح عزت ہے۔

۴- میں انگور کی بیل ہوں اور میری غزل یعنی شاعری ہی میرا پھل ہے۔ تو میرے اس پھل سے اپنے لیے لالہ جیسی سرخ شراب تیار کر لے۔ گویا میں نے اپنی شاعری میں جہد و عمل اور دوسری حقیقتوں سے آگاہی کا جو درس دیا ہے تو اس پر عمل پیرا ہو جا تاکہ تیری زندگی ایک حقیقی زندگی بن جائے۔

۵- میرا زندگی گذارنے کا طور طریقہ امیری نہیں، درویشی ہے۔ تو بھی اس طریقے کو اپنا کر اپنی زندگی کا مقصد بنا لے اور اپنی خودداری قطعات نہ بیچ بلکہ غریبی ہی میں نام پیدا کر۔ تیری خودداری تیرے لیے عظمت و شہرت کا باعث بنے گی۔

فلسفہ و مذہب

۱- یہ آفتاب کیا، یہ سپہرِ بریں ہے کیا؟ سمجھا نہیں تسلسلِ شام و سحر کو میں

۲- اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں

۳- کھلتا نہیں مرے سفرِ زندگی کا راز لاؤں کہاں سے بندۂ صاحب نظر کو میں

۴۔ حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں — رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
۵۔ جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

۱۔ (اس عنوان سے فلسفے اور مذہب کے مقاصد کو استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ فلسفی فلسفیانہ خیالوں میں کھویا ہوا اور یہ سوچ رہا ہے کہ) یہ سورج اور یہ بلند آسمان یہ سب کیا ہے۔ میں شام اور دن کے لگاتار آنے جانے کو نہیں سمجھ پایا۔ کائنات کا یہ نظام کیسا ہے، کس طرح باقاعدگی سے دن رات آتے جاتے رہتے ہیں، اس نظام اور اس کی حقیقت کو سمجھنا اپنے بس کی بات نہیں۔

۲۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ آیا میں اپنے وطن میں ہوں یا کوئی پردیسی ہوں۔ یہ بڑے بڑے جنگل اور بیابان اور یہ وادیاں دیکھ دیکھ کر میں ڈر رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ آیا یہی دنیا میرا (انسان کا) اصلی وطن ہے یا میں کسی دوسری دنیا کا رہنے والا ہوں اور یہاں بطور پردیسی کے رہ رہا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یہ دنیا انسان کا اصلی وطن نہں ہے، یہاں کی ہر شے اس کے لیے اجنبی ہے جو اس کی حیرانی اور اس کے خوف کا باعث بن رہی ہے۔

۳۔ میری زندگی کے سفر کا راز مجھ پر ابھی تک نہیں کھل سکا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ ایسا صاحب نظر کہاں سے لاؤں جو مجھ پر زندگی ک حقیقت و مقصد کا راز واضح کر دے۔ بے حد غور و فکر کے باوجود مجھ پر یہ حقیقت واضح نہیں ہو سکی۔ کوئی صاحب نظر ہی نہیں مل رہا جو مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دیتا۔

۴۔ بوعلی سینا جیسا عظیم فلسفی تو اس بات پر حیران ہے کہ وہ یعنی انسان کہاں سے آیا ہے، جبکہ مولانا رومیؒ جیسا عظیم مرد حق یہ سوچ رہا ہے کہ ''میں کدھر کو جاؤں'' مولانا کی سوچ منزلِ مقصود سے متعلق ہے کہ وہ کون سی ہے۔ فلسفی تو حیرانی کا شکار ہونے کے باعث کسی کی رہنمائی کے قابل نہیں ہے جبکہ رومی جیسی شخصیت زندگی کے اصل مقصد کے بارے میں غور و فکر کرتی ہے۔

۵۔ میں، اپنی حیرانی کے باعث، کچھ اس انداز سے زندگی بسر کر رہا ہوں کہ ہر چلنے والے کے ساتھ تھوڑی دور تک چلتا ہو،ں اس لیے کہ میں ابھی تک اپنے راہبر یا صاحب نظر کو نہیں پہچان سکا۔ میں منزل تک رسائی کا تو بہت شوق رکھتا ہوں لیکن صحیح رہنما کے پہچاننے کا سلیقہ نہ ہونے کے باعث میں ہر اک چلنے والے کے ساتھ کچھ دور چل کر

رک جاتا ہوں۔آخری شعر میرزا غالب کی اس غزل کا ہے جس کا مطلع ہے:

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

متعلقہ شعر کا پہلا مصرع یوں ہے:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ

یورپ سے ایک خط

۱۔ ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار — اِک بحرِ پرُ آشوب وپرُ اسرار ہے رومیؔ
۲۔ تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبالؔ — جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؔ
۳۔ اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام؟ — کہتے ہیں چراغِ رہِ احرار ہے رومیؔ

۱۔ (یہ اشعار گویا سوال کی صورت میں ہیں جن کے جواب میں علامہ نے رومی کے دو شعر دے کر ان کی زبان سے مادیت پسندی سے بچنے اور روحانیت کی طرف توجہ دینے کی تلقین کی ہے۔ہم مادیت پسندی کے عادی لوگ ساحل کے خریدار ہیں، جبکہ مولانا رومیؒ ایک طوفانی سمندر ہیں جس کے بھید ظاہر نہیں ہیں۔ہم سمندر کے کنارے کھڑے رہنے یعنی سستی اور کاہلی ہی کو اچھا سمجھتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہم مادی علوم کے شیدائی ہیں اور انہی میں محو رہنا چاہتے ہیں جبکہ مولانا روحانیت کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔

۲۔ اے اقبالؔ! تو بھی اسی ذوق وشوق کے قافلے میں شامل ہے جس کے سالار مولانا رومیؒ ہیں یعنی تیرے جذبے بھی رومیؒ ہی کی طرح روحانی ہیں، لہٰذا تو ان (رومیؒ) کے مقاصد سے ہم کو بہتر انداز میں آگاہ کر سکتا ہے۔

۳۔ یہ بتا کیا رومیؒ نے جنہیں مردانِ حق کے لیے چراغ کہا جاتا یا سمجھا جاتا ہے، اس میں موجودہ دور کے لیے بھی کوئی پیغام دیا ہے؟ قطعہ ''جواب'' میں اس سوال کا جواب رومیؒ کی زبان سے ہے۔

جواب

۱۔ کہ نباید خورد و جو ہمچوں خراں — آہوانہ در ختن چر ارغواں

۲- ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود

۱- گدھوں کی طرح گھاس اور جو کھا کر زندگی بسر نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہرن کی طرح ختن کے پہاڑوں میں ارغوان چرنا چاہیے۔کاہ و جو مادیت کا استعارہ ہے جس سے صرف تن کی پرورش ہو سکتی ہے۔ختن کے ہرن میں مشک نافہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی بڑی قدر و قیمت ہے، اس حوالے سے یہ روحانیت کا استعارہ ہے جس سے انسان کی عظمت، قدر و قیمت اور اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲- جو کوئی گھاس اور جو کھاتا ہے، اسے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا جاتا ہے جبکہ نورِ حق کھانے والا قرآن بن جاتا ہے۔گویا مادیت پسندی دوسروں کو مادیت کی طرف رغبت دلاتا ہے۔اس کے برعکس روحانیت سے انسان کے دل میں نورِ حق سما جاتا ہے اور یہ روشنی دوسرے انسانوں کے لیے رہنمائی کا عظیم ذریعہ بن جاتی ہے۔رومی کے یہ اشعار مثنوی کے دفتر پنجم میں آئے ہیں۔مولانا نے توکل و قناعت کو زیر بحث لاتے ہوئے ایک گدھے اور لومڑی کی تمثیل پیش کی ہے۔دونوں شعر آگے پیچھے نہیں بلکہ وقفے کے ساتھ ہیں۔پہلے شعر کا نمبر ۳۳ ہے جبکہ دوسرے کا ۳۸ ہے۔ملاحظہ ہو عنوان ''مثل در آنکہ در مخبر دولتی چون فرّو اثر نبینی ، جاے متہم داشتن است کہ او مقلد است در آن'' سے پہلے اور ''حکایت آن زاہد......'' کے بعد یہ داستان بیان ہوئی ہے۔

نپولین کے مزار پر (لغت دیکھیے)

۱- راز ہے، راز ہے تقدیرِ جہانِ تگ و تاز جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
۲- جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز
۳- جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمہ گیر سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
۴- صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز
۵- ہے مگر فرصتِ کردار نفس یا دو نفس عوضِ یک دو نفس قبر کی شبہائے دراز
۶- ''عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز''

۱- اس دوڑ دھوپ کی دنیا کی تقدیر سراسر ایک راز ہے، تاہم جوشِ عمل، اور مسلسل جہد و عمل سے تقدیر کے یہ راز کھل جاتے ہیں۔اگرچہ انسان اپنے مستقبل کے بارے میں بے خبر

ہوتا ہے لیکن مسلسل جدوجہد اور جوش عمل سے وہ اپنا مستقبل سنوار سکتا اور اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کرسکتا ہے۔(اگلے شعروں میں اس کی مثالیں دی گئی ہیں)

۲- اسی جوش عمل کے نتیجے میں سکندر یونانی کی تلوار خوب چمکی اور کوہ الونداس کی حرارت وگرمی سے پگھل کے رہ گیا۔ گویا سکندر نے اسی جوش عمل سے ایرانی شہنشاہی کا خاتمہ کردیا جو کبھی کوہ الوند کی طرح مضبوط و مستحکم تھی۔

۳- جوش عمل کی بدولت تیمور لنگ کا طوفان ہمہ گیر بنا (سب کو بہا کر لے گیا) طوفان کے سامنے نشیب وفراز کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یعنی وہ تو پستی و بلندی سے گذرتا ہوا راہ میں آنے والی ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ (تیمور کی بہت سی فتوحات کی طرف اشارہ ہے)

۴- اسی جوشِ عمل کے طفیل میدانِ جنگ میں مردان حق کا نعرہ تکبیر خدا کی آواز بن جاتا ہے۔ مردانِ حق صرف اس خالق کی رضا کے تحت میدان جنگ میں یا جہاد میں نعرہ زن ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کا یہ نعرہ گویا ان کی نہیں اس خالق کائنات کی زبان سے بلند ہوتا ہے۔

۵- لیکن اس عمل یا جوش عمل کی فرصت صرف ایک یا دو سانس یعنی ایک دو لمحوں ہی کی میسر آتی ہے، جبکہ ان دو لمحوں کے عوض قبر کی طویل راتیں ملتی ہیں۔ بالواسطہ یہ کہنا چاہا ہے کہ چونکہ زندگی مختصر ہوتی ہے، اس لیے وقت ضائع کیے بغیر خود کو جہد و عمل میں مصروف رکھنا چاہیے تا کہ اس جوش عمل کی بدولت عظمت و بقا کا سامان ہو سکے۔

۶- آخرکار ہماری منزل خاموش لوگوں کی وادی یعنی قبرستان ہے، ہمیں ایک دن مرنا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس وقت آسمانوں کے گنبد میں تو ایک ہنگامہ برپا کردے یعنی وقت ضائع کیے بغیر جوش عمل سے کام لے۔ یہ شعر حافظ شیرازی کی اس غزل کا دوسرا شعر ہے جس کا مطلع ہے:

خیز و در کاسۂ زر آب طربناک انداز
پیشتر زاں کہ شود کاسۂ سر خاک انداز

مسولینی (لغت دیکھیے)

۱- ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے، ذوقِ انقلاب ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے، ملت کا شباب

۲۔ ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی	ندرتِ فکر وعمل سے سنگِ خارا، لعلِ ناب
۳۔ رومتہ الکبریٰ! دگرگوں ہو گیا تیرا ضمیر	این کہ می بینم بہ بیداریست یا بہ خواب
۴۔ چشمِ پیرانِ کہن میں زندگانی کا فروغ	نوجواں تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
۵۔ یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود	فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
۶۔ نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا معمور ہے	زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
۷۔ فیض یہ کس کی نظر کا ہے، کرامت کس کی ہے؟	وہ کہ ہے جس کی نگہ مثلِ شعاعِ آفتاب

۱۔ فکر و عمل کی جدت و تازگی یا انوکھا پن کیا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ یہ قوم میں ذوق انقلاب کا پیدا ہونا ہے۔ فکر و عمل کی ندرت ہی سے کسی قوم کا شباب یا عروج ہے۔ اس ندرت سے قوم میں جوش و جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے اور وہ ہر لحہ آگے بڑھنے میں لگ جاتی ہے۔

۲۔ فکر و علم کی ندرت ہی کے طفیل زندگی گویا معجزوں یا حیران کن کارناموں کا مجموعہ بن جاتی ہے، اور اسی ندرت کے طفیل سخت پتھر خالص اور قیمتی لعل بن جاتا ہے۔ جس قوم میں یہ ندرت پیدا ہو جائے وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتی اور دوسروں میں بھی ایسا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

۳۔ اے اطالیہ! (اٹلی) تیرا تو ضمیر ہی دگرگوں ہو گیا ہے، یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، یہ عالم بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ مسولینی نے اٹلی کی حالت میں جو عظیم انقلاب پیدا کیا، اس کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ تیرے بوڑھوں کی آنکھوں میں زندگی کی عجیب آب و تاب اور چمک دکھائی دے رہی ہے جبکہ تیرے جوانوں کے سینے ان کے پر جوش ولولوں کے سوز سے گرم ہیں۔

۵۔ وطن کی محبت کی یہ گرمی و حرارت، یہ آرزو (دنیا پر چھا جانے کی) اور یہ اپنے جوہر نمایاں کرنے کا جذبہ، یہ سب تو ایسا ہی ہے جیسے موسم بہار مین پھول پردے میں نہیں رہ سکتے، کھل کر باہر آ جاتے ہیں۔ گویا اس سے پہلے اٹلی والوں میں وہ جوش و جذبہ نہ تھا جو اب دیکھنے میں آ رہا ہے۔

۶۔ اے اٹلی! تیری فضا شوق کے نغموں سے لبریز ہو رہی ہے۔ گویا تیرا سازِ فطرت ایسے زخمہ ور کے انتظار میں تھا جو اس کے تاروں کو چھیڑ کر سر تال پیدا کرے۔ یہ اشارہ ہے مسولینی کی طرف، جس نے آ کر اٹلی کے حالات میں زبردست انقلاب پیدا کیا تھا۔

۷۔ اے اٹلی! یہ سب فیض کس کی نظر کا ہے اور یہ کرامت کس کی ہے، ظاہر ہے یہ سب کچھ اس

عظیم شخصیت کا ہے جس کی نگاہ سورج کی کرن کی مانند ہے۔ یہ عظیم شخصیت مسولینی ہے۔

سوال

۱- اک مفلسِ خود دار یہ کہتا تھا خدا سے　　میں کر نہیں سکتا گلۂ دردِ فقیری
۲- لیکن یہ بتا، تیری اجازت سے فرشتے　　کرتے ہیں عطا مردِ فرومایہ کو میری؟

۱- ایک غریب لیکن خوددار/ غیرت مند خدا کے حضور یہ عرض کر رہا تھا کہ میں اپنی غربت کے دکھ کا گلہ شکوہ نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ تیرا ہی فیصلہ ہے اور تیرے فیصلے کے خلاف میں شکوہ نہیں کرسکتا، پھر میری خودداری بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۲- لیکن، ازراہِ کرم، یہ تو بتا کہ کیا فرشتے تیری اجازت سے گھٹیا اور پست قسم کے آدمی کو دولت وسلطنت سے نوازتے ہیں؟ یہ دراصل اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دولت وحکومت نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ سلسلہ شروع سے چلا آرہا ہے، چنانچہ حافظ کے بقول عربی گھوڑا تو پالان کے نیچے زخمی ہوگیا جبکہ سارا زریں طوق گدھے کی گردن میں ہے؟

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان
طوقِ زریں ہمہ در گردن خری بینم

محسن بھوپالی:

نیرنگیِ سیاست دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

کسی فارسی شاعر کے بقول: بھیڑیا بادشاہ ہے کتا وزیر ہے اور چوہا دربانی کر رہا ہے۔ یہ تمام ارکانِ حکومت، سلطنت کو تباہ کر رہے ہیں:

گرگ میر و سگ وزیر و موش دربانی کند
این ہمہ ارکانِ دولت، سلطنت ویراں کنند

پنجاب کے دہقان سے

۱- بتا کیا تری زندگی کا ہے راز　　ہزاروں برس سے ہے تو خاکباز

۲- اسی خاک میں دب گئی تیری آگ — سحر کی اذاں ہوگئی، اب تو جاگ
۳- زمیں میں ہے گو خاکیوں کی برات — نہیں اس اندھیرے میں آبِ حیات
۴- زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں — جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
۵- بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ — رسومِ کہن کے سلاسل کو توڑ
۶- یہی دینِ محکم، یہی فتح باب — کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب
۷- بخاکِ بدن دانۂ دل فشاں — کہ ایں دانہ دارد زحاصل نشاں

۱- اے دہقان! تو ہزاروں برس سے خاک میں کھیل رہا یعنی خاک چھان رہا ہے، ذرا یہ تو بتا تیری زندگی کا راز کیا ہے؟ کیا تو نے اپنی زندگی کے مقصد کے بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟

۲- تیری ساری حرارت وگرمیِ زندگی اسی مٹی میں دب کر رہ گئی ہے۔ صبح کی اذان ہوگئی ہے اب تو جاگ جا۔ یعنی دنیا میں ایک نیا دور آ گیا ہے، ہر ملک کے عوام میں، بیداری کے باعث، جوش وولولہ پیدا ہورہا ہے۔ تو بھی غفلت اور سستی وکوتاہی چھوڑ اور اپنے روشن مستقبل کے لیے جدوجہد کر۔

۳-۴= اگرچہ اہلِ زمین کا رزق قدرت نے زمین ہی میں رکھا ہے لیکن اس تاریکی میں آبِ حیات نہیں ہے۔ زمانے میں اسی کا نگینہ نقلی ہے جو اپنی خودی کو نہیں پرکھتا۔ زمین میں جو رزق ہے، کھیتی باڑی سے حاصل ہوتا ہے۔ زمین اندر سے تاریک ہوتی ہے، آبِ حیات تاریک غار میں ہے، لیکن کھیتی باڑی سے اس کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یعنی زندگی محض کھیتی باڑی اور کھانے پینے کا نام نہیں بلکہ اپنی خودی کی معرفت حاصل کر کے اپنی بقا کا سامان کرنا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ حقیقی زندگی اور اس کے مقصد ومرتبہ سے محروم ونا آشنا ہے۔

۵- اے کسان! تو ذاتوں، نسلوں اور قبیلوں کے بت توڑ ڈال، اسی طرح جو پرانے طور طریقے ہیں، ان کی زنجیریں توڑ دے۔ پرانے طور طریقے یہی خاندانی اور ذاتوں اور قبیلوں کے چکر یا زنجیریں ہیں جنہیں توڑ کر وحدتِ ملت کی طرف آنا چاہیے کہ اسلام میں سب انسان برابر ہیں۔

۶- یہی مضبوط ومحکم اور سچا دین نیز کامیابی کا در کھلنے کی یہی صورت حال ہے کہ دنیا میں توحیدِ خداوندی بے پردہ یعنی نمایاں ہو جائے۔ مطلب یہ کہ فرقہ بندی، نسلی وخاندانی

امتیاز وغیرہ اسلام میں جائز نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو صحیح معنوں میں توحید کی بنیادی ضرورت ہے، یعنی دنیا کے تمام مسلمان صرف ایک جھنڈے (اسلام) تلے جمع ہوں۔

۷- اے دہقانِ پنجاب! تو اپنے بدن کی مٹی میں دل کا دانہ بو، کیونکہ یہی وہ بیج/ دانہ ہے جو پیداوار کی نشان دہی کرتا ہے۔ دل کے دانے اور پیداوار سے مراد دل زندہ پیدا کرنا ہے جس سے انسان کی عظمت و شرف کا سامان ہوتا ہے۔ یعنی دل زندہ ہی سے انسان جہد و عمل کی طرف راغب ہوتا اور زبردست کارنامے سرانجام دے کر بقا حاصل کرتا ہے۔ حقیقی زندگی دل زندہ ہی سے ممکن ہے۔ چونکہ کسان مخاطب ہے، اسی لیے دانے اور فصل کی یعنی کسان کی زبان ہی میں بات کی ہے۔

نادرشاہ افغان (لغت دیکھیے)

۱-	حضورِ حق سے چلا لے کے لولوئے لالا	وہ ابر جس سے رگِ گل ہے مثلِ تارِ نفس
۲-	بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بے تاب	عجب مقام ہے، جی چاہتا ہے جاؤں برس
۳-	صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا	ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس
۴-	سرشکِ دیدۂ نادر بہ داغِ لالہ فشاں	چناں کہ آتشِ او را دگر فرو نہ نشاں

۱- وہ بادل، جس سے پھول کی رگ سانس کے تار کے مانند ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی بارگاہ سے چمکتا ہوا موتی لے کے چلا۔ سانس کے آنے جانے سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ کچھ یہی حال پھول کا ہے کہ اس کی رگ، اس بادل کے طفیل، اس کی زندگی کا باعث بن گئی ہے۔

۲- جب وہ بادل بہشت پر سے گذرا تو اسے دیکھ کر وہ بیقرار ہو گیا کہ یہ کیسا عجیب و حیران کن مقام ہے کہ جی چاہتا ہے میں یہیں برس پڑوں/ جاؤں۔

۳- بادل یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بہشت سے یہ آواز آئی کہ تو یہاں برسنے کی کیا سوچ رہا ہے، جا ہرات، کابل اور غزنی کا تازہ تازہ اُگا ہوا سبزہ تیرا انتظار کر رہا ہے۔ وہاں جا کر برس۔

۴- جا اور نادرشاہ افغان کی آنکھوں کے آنسو لالہ کے داغ پر اس طرح چھڑک کہ پھر اس داغ کی آگ کبھی بجھنے نہ پائے۔ گویا نادرشاہ کے آنسو زندگی کی حرارت و گرمی

سے لبریز ہیں، تو (بادل) وہاں جا کر افغانیوں میں وہ حرارت پیدا کر اور ایسی حرارت وگرمی جس میں کبھی کمی نہ آئے۔ افغانی قوم جذبوں اور ولولوں سے سرشار ہو جائے اور نادر شاہ کی رہنمائی میں اپنی عظمت و سربلندی کا سامان کرے۔

خوشحال خاں کی وصیت (لغت دیکھیے)

۱۔ قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
۲۔ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
۳۔ مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستاں کا یہ بچۂ ارجمند
۴۔ کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال **خاں کو پسند**
۵۔ اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ — مغل شہسواروں کی گردِ پسند

۱۔ تمام افغان قبیلے ایک ملت کی صورت اختیار کرلیں تاکہ دنیا میں افغانیوں کا نام بلند ہو۔ جب افغان اپنے تمام نسلی وخاندانی اور قبائلی امتیاز ختم کر کے متحد ومتفق ہو جائیں گے اور ایک واحد قوم کی صورت اختیار کرلیں گے تو وہ ہر دشمن (بالخصوص مغلوں) پر حاوی ہو سکیں گے۔

۲۔ مجھے اپنے ان نوجوانوں سے محبت ہے جو ستاروں پر کمند ڈالتے ہیں۔ جو بلند ارادوں والے اور جوش وولولہ کے حامل ہیں (ازراہ مزاح یہ بات ملاحظہ ہو۔ کچھ عرصہ قبل لاہور کے کسی کالج کے چند طلبا نے ایک مشہور فلم سٹار غالباً شمع کے گھر ڈاکا ڈالا تھا، راقم نے اس پر علامہ کا دوسرا مصرع ذرا بدل دیا: جو فلمی ستاروں پہ ڈالیں کمند)

۳۔ قہستان کے یہ بلند ہمت وارادہ والے نوجوان کسی بھی طرح مغلوں سے کم نہیں ہیں۔ اس صورت میں مغلوں کا محکوم کیونکر بنا جائے۔ یعنی نہیں بننا چاہیے اور ان سے ٹکر لے کر اپنی آزادی کا سامان کرنا چاہیے۔

۴-۵= اے میرے ساتھی/دوست! کیا میں تجھ سے اپنے دل کی بات کہوں؟ وہ بات یہ ہے کہ خوشحال خاں کو وہ مدفن پسند ہے، جہاں پہاڑ کی ہوائیں مغلیہ شہسواروں کے گھوڑوں کی گرد نہ لا سکیں۔ اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خوشحال خاں کو مغلوں سے بے حد نفرت تھی۔

تاتاری کا خواب (لغت دیکھیے)

۱- کہیں سجادہ و عمامہ رہزن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے باک
۲- ردائے دین و ملت پارہ پارہ قبائے ملک و دولت چاک در چاک
۳- مرا ایماں تو ہے باقی ولیکن نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک
۴- ہوائے تند کی موجوں میں محصور سمرقند و بخارا کی کفِ خاک
۵- "بگردا گردِ خود چنداں کہ بینم بلا انگشتری و من نگینم"
۶- یکا یک ہل گئی خاکِ سمرقند اٹھا تیمور کی تربت سے اِک نور
۷- شفق آمیز تھی اس کی سفیدی صدا آئی کہ "میں ہوں روحِ تیمور
۸- اگر محصور ہیں مردانِ تاتار نہیں اللہ کی تقدیر محصور
۹- تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟
۱۰- "خودی را سوز و تابے دیگرے دہ جہاں را انقلابے دیگرے دہ"

۱- (تاتاری کو خواب میں یہ کچھ نظر آ رہا ہے کہ) کہیں تو سجادہ اور عمامہ لوگوں کو لوٹنے میں لگے ہوئے ہیں اور کہیں ترسا بچوں کی بے خوف آنکھیں انہیں یعنی ان کے ایمان کو لوٹ رہی ہیں۔ سجادہ اور عمامہ علما اور صوفیہ کا استعارہ ہے، جو لوگوں کو غلط راہ پر لگا رہے ہیں۔ (نیز لغت دیکھیے)

۲- (چنانچہ اسی صورتِ حال کے باعث) دین وملت کی چادر پارہ پارہ ہو رہی ہے، جبکہ ملک اور سلطنت کا لباس تار تار ہو رہا ہے۔ دین اور ملت اور حکومت وسلطنت سب کو بہت بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔

۳- اگرچہ میرا اپنا ایمان تو برقرار و باقی ہے لیکن مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ان فتنوں کی گھاس پھوس شعلے یعنی ایمان کے شعلے کو نہ بجھا دے۔ گھاس پھوس کا ڈھیر شعلے پر ڈال دیا جائے تو شعلہ بجھ جاتا ہے۔ اس استعارے سے یہ مطلب ہے کہ گو ایمان ابھی باقی ہے لیکن ڈر ہے کہ ان فتنوں کے باعث کہیں وہ باقی نہ رہے۔

۴- (بڑے دکھ کی بات ہے کہ) سمرقند اور بخارا کی سرزمین تند و تیز ہوا کی زد میں آئی ہوئی ہے جس کے باعث یہ خطرے کے سے دوچار ہے۔

۵- میں اپنے اردگرد جدھر بھی دیکھتا ہوں مجھے یہی کچھ نظر آ رہا ہے کہ جیسے مصیبتیں انگوٹھی

ہیں اور میں ان کا نگینہ ہوں۔ اس استعارے سے یہی مراد ہے کہ ترکستان سخت خطرے میں بھی ہے اور اپنے دفاع کا سامان کرنے سے بھی عاجز ہے۔

۶۔ (تاتاری اسی خواب میں کھویا ہوا تھا کہ) اچانک سمرقند کی زمین ہل اٹھی اور ساتھ ہی تیمور لنگ کی قبر سے نور/روشنی کی ایک لہر بلند ہوئی۔

۷۔ اس نور کی سفیدی میں شفق کی سی سرخی بھی ملی ہوئی تھی۔ اس میں سے یہ آواز آئی کہ میں تیمور کی روح ہوں۔

۸۔ اگر تاتار کے دلیر و مجاہد مصیبتوں کا شکار ہیں، ان میں گھرے ہوئے ہیں تو اللہ کی تقدیر تو گھری ہوئی نہیں ہے یا نہیں گھر سکتی یعنی ان مصیبتوں اور فتنوں کا تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا، لہٰذا اگر ان سے نجات پانا مقصود ہے تو ضروری ہے کہ خدائی احکام کو اپنا لائحہ عمل بنایا جائے، اور ان مصیبتوں وغیرہ کا مردانہ وار اور متحد ہو کر مقابلہ کیا جائے کہ اسی میں تاتاریوں کی بھلائی ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

۹۔ کیا زندگی کا یہی تقاضا ہے کہ تورانی ایک دوسرے سے جدا رہیں؟ یعنی تورانی نااتفاقی کا شکار اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ظاہر ہے اس نااتفاقی کی بنا پر ان کا یہی حال ہوگا۔ اگر انہیں باوقار زندگی گذارنے کی خواہش ہے تو وہ متحد و متفق ہو جائیں۔

۱۰۔ (آخر میں روح کہتی ہے کہ) اے تاتاریو! اپنی خودی میں ایک نئی یا تازہ حرارت و گرمی اور تب و تاب پیدا کرو اور اس طرح اس دنیا میں ایک نیا اور عظیم انقلاب پیدا کر دو۔ ایسا عمل خودی کے استحکام ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔

حال و مقام (لغت دیکھیے)

۱۔ دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج — بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور
۲۔ احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ — ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور
۳۔ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
۴۔ پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

۱- اگر انسان کا دل زندہ اور بیدار ہو تو قدرت کی طرف سے اسے آہستہ آہستہ ایک اور طرح کی دیکھنے والی آنکھ عطا ہوتی ہے۔ گویا حق شناس وحقیقت شناس کے لیے جس بصیرت کی ضرورت ہے، وہ دل زندہ و بیدار رکھنے ہی سے میسر آ سکتی ہے۔

۲- سالک کے لیے زمان ومکاں کی کیفیت وحالت ہر لحہ بدلتی رہتی ہے اور یہ کیفیت پوری طرح سے احوال ومقامات پر منحصر ہے۔ یعنی جس مقام وحال پر ہوگا، اس کا زمان ومکاں کا تصور اسی کے مطابق ہوگا۔

۳- اگرچہ اذان کے الفاظ اور ان کے معانی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (خواہ وہ مُلا دے یا مجاہد) لیکن درحقیقت جذبوں کے لحاظ سے دونوں کی اذان میں فرق ہوتا ہے۔ مُلا کی اذان محض زبان سے ادا کیے ہوئے الفاظ کی صورت میں ہوتی ہے جبکہ مجاہد کی اذان اس کے قلب وروح سے بلند ہوتی ہے۔

۴- اگرچہ گِدھ اور شاہیں کی پرواز ایک ہی فضا میں ہوتی ہے لیکن گِدھ کی دنیا اور ہے اور شاہیں کی دنیا اور۔ تیسرے شعر والی بات نئے استعارے میں۔ گِدھ اگرچہ بلند فضا میں اڑتا ہے لیکن مردار کھاتا ہے جبکہ شاہین کا انداز زندگی باعزت ڈھب کا ہے۔ وہ تازہ شکار کر کے کھاتا ہے۔

ابوالعلا معرّی (لغت دیکھیے)

۱- کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی — پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
۲- اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا — شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
۳- یہ خوانِ تر و تازہ معرّی نے جو دیکھا — کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
۴- اے مرغکِ بیچارہ! ذرا یہ تو بتا تو — تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
۵- افسوس، صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو — دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
۶- تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

۱- کہا جاتا ہے کہ معرّی کبھی گوشت نہیں کھایا کرتا تھا اور ہمیشہ پھل پھول سبزی پر ہی گذر بسر کرتا تھا۔

۲- ایک دن اس کے ایک دوست نے بھنا ہوا تیتر اسے بھیجا اور یہ اس خیال سے بھیجا کہ

شاید وہ چالاک (معری) اسی تدبیر سے شکست کھا جائے، یعنی گوشت کھا لے اور یوں اس کی گوشت نہ کھانے کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

۳۔۴= معری نے جو دستر خوان پر تر و تازہ کھانا دیکھا تو ''غفران'' اور ''لزومات'' کا وہ مصنف (معری) کہنے لگا کہ اے مسکین پرندے! ذرا یہ تو بتا کہ تیرا وہ کیا گناہ تھا جس کی تجھے یہ سزا ملی، یعنی تجھے ذبح کر کے کھانے کے لیے بھونا گیا؟

۵۔ بڑے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ تو شاہین نہ بنا اور تیری آنکھ فطرت کے اشارے نہ دیکھ سکی، نہ سمجھ سکی۔ (اشاروں کی وضاحت اگلے شعر میں)

۶۔ ازل ہی سے تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے کہ کمزوری و ناتوانی کے جرم کی سزا اچانک کی موت ہے۔ کمزور اسی طرح دوسروں کا شکار ہوتے ہیں جبکہ طاقتور دوسروں کو شکار کرتے ہیں، جس طرح شاہین بلندیوں پر اڑنے کے باعث خود کسی کا شکار نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔

سنیما

۱۔ وہی بت فروشی، وہی بت گری ہے — سنیما ہے یا صنعت آزری ہے

۲۔ وہ صنعت نہ تھی شیوۂ کافری تھا — یہ صنعت نہیں شیوۂ ساحری ہے

۳۔ وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا — یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے

۴۔ وہ دنیا کی مٹی، یہ دوزخ کی مٹی — وہ بت خانہ خاکی، یہ خاکستری

۱۔ سنیما ایک طرح سے آزری صنعت ہے۔ (لغت)...... آزر ہی کی طرح بت تراشنا اور بت بیچنا ہے۔

۲۔ آزر کی وہ بت تراشی کوئی صنعت نہ تھی بلکہ وہ تو کافری کا ایک انداز تھا جبکہ سنیما صنعت نہیں جادوگری کا ایک انداز ہے۔

۳۔ بت تراشنا اور بیچنا پرانے زمانے کی قوموں کا مذہب تھا، جبکہ یہ (سنیما) جدید دور کی تہذیب کا کاروبار ہے۔ گویا آج کے بت تراش سنیما کے ذریعے بت فروشی کر کے دولت کماتے ہیں۔

۴۔ پرانی بت تراشی تو مٹی کی دنیا تھی یعنی مٹی سے بت بنائے جاتے تھے جبکہ یہ بت

(سینما) دوزخ کی مٹی سے بنائے جا رہے ہیں۔ پرانے زمانے کی بت گری کو خاکی بت خانہ کہا جائے گا کہ اس کے بت مٹی سے بنتے تھے جبکہ یہ بت خانہ راکھ ہے، دوزخ کی مٹی سے بنا ہے۔ علامہ کے نزدیک سینما کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ ناظرین کا اخلاق بگاڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔

پنجاب کے پیرزادوں سے

۱- حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
۲- اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
۳- گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
۴- وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
۵- کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو — آنکھیں مری بینا ہیں، ولیکن نہیں بیدار
۶- آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند — ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
۷- عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں — پیدا کلۂ فقر سے ہو طرہ و دستار
۸- باقی کلہ فقر سے تھا ولولہ حق — طروں نے چڑھایا نشۂ خدمت سرکار

۱- میں (اقبال) حضرت شیخ مجدد (لغت دیکھیے) کے مزار پر حاضر ہوا۔ وہ مزار جس کی مٹی آسمانوں تلے یعنی اس دنیا میں نورانی تجلیوں کے ظاہر ہونے کا مقام یا مرکز ہے۔

۲-۳= اس مٹی کا مقام و مرتبہ ایسا بلند ہے کہ ستارے بھی اس مٹی کے ذروں کے آگے شرمندہ ہیں اور اس مٹی میں وہ ہستی دفن ہے جو معرفت کے رازوں سے پوری طرح باخبر تھی اور جس کی گردن جہانگیر جیسے عظیم بادشاہ کے آگے بھی نہ جھکی تھی، اور اسی ذات کے نفسِ گرم سے اللہ والوں کی محفل گرم ہے، اس میں خوب رونق ہے۔

۴- مجدد ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے سرمائے کے محافظ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بروقت آگاہ کر دیا تھا۔ گویا انہوں نے اپنی زندگی اسلام کی حفاظت کے لیے وقف کر دی تھی۔ انہوں نے تجدیدِ دینِ اسلام کے لیے پوری پوری کوشش اور جدوجہد کی۔

۵- میں نے حضرت مجدد کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ مجھے بھی فقر یا فقر کی دولت عطا ہو۔ اگرچہ میری آنکھیں بینا ہیں لیکن ان میں صحیح بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ ان میں

نیک و بد میں تمیز کرنے کا جوہر نہیں ہے۔

۶-۷= ان کے مزار سے مجھے یہ آواز سنائی دی کہ پنجاب کے لیے فقر و درویشی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اور اہلِ نظر پنجاب کی سرزمین سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خطہ (پنجاب) جہاں فقر و درویشی کی کلاہ سے طرہ و دستار پیدا ہو یعنی درویشی کی بجائے دنیا داری اور امیری کا انداز اپنایا جائے، وہاں اللہ والوں کا رہنا ممکن نہیں۔ پنجاب کے پیرزادوں نے اپنے اسلاف کی عظمت کا خیال نہ کیا اور گدی نشین بن کر خدمتِ دین کی بجائے اپنی امیری کا سامان کیا۔

۸- کبھی فقر کی کلاہ، یعنی حقیقی فقر و درویشی سے ان لوگوں میں حق کا جوش و ولولہ تھا، وہ ہر حال میں کلمہ حق بلند کرتے تھے لیکن آج ان پیرزادوں کے طرہ و دستار نے ان میں حکومت کی خدمت کا نشہ پیدا کر دیا۔ یعنی وہ دین کی خدمت کرنے کی بجائے حکومتِ وقت کی خدمت میں لگ گئے تاکہ دولت بھی حاصل ہو اور دنیوی مرتبہ بھی بڑھے۔

سیاست

۱- اس کھیل میں تعیینِ مراتب ہے ضروری　　شاطر کی عنایت سے تو فرزیں میں پیادہ

۲- بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز　　فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

۱- شاطر (انگریز حکومت) نے یہاں جو شطرنج کا کھیل شروع کیا ہے۔ اس میں مرتبوں اور درجوں کا تعین کر لینا ضروری تھا۔ چنانچہ اس کھلاڑی نے اپنی مہربانی سے اس کا یوں اہتمام کیا کہ تجھے فرزیں بنا دیا اور مجھے پیادہ، یعنی کسی کو فرزیں اور کسی کو پیادہ۔ یعنی وقت کے حکمرانوں نے جسے اپنی عنایت و نوازش کا مستحق سمجھا اسے اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیا اور جسے نہ سمجھا اسے ہلکے درجے پر رکھا، اس میں کسی کی صلاحیتوں کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

۲- بیچارہ پیادہ تو ایک معمولی سا ناچیز مہرہ ہے، لہٰذا اگر وہ شاطر کی چالبازی/ مقصد سے آگاہ نہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ فرزیں بھی اس شاطر کے ارادے سے بے خبر ہے، گویا اس حکومت نے یہاں کے جن لوگوں کو اپنی عنایت سے اعلیٰ درجوں سے نوازا وہ بھی اس کے مقاصد اور غرض و غایت سے آگاہ نہ ہو سکے۔

فقر

۱- اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری — اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
۲- اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری — اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
۳- اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری — میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

۱- ایک فقر ایسا ہے جو شکاری کو شکار بننا سکھاتا ہے اور ایک فقر ایسا ہے جس سے دنیا کی تسخیر کے راز واضح ہوتے ہیں۔ شکار بننا یعنی ایسا صاحب فقر جہد و عمل کی قوت سے محروم ہونے کے باعث بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے، جبکہ دوسرے صاحبِ فقر پر اسی جہد و عمل کے باعث کائنات کو مسخر کرنے کے راز روشن ہو جاتے ہیں۔

۲- ایک فقر ایسا ہے جس کے اختیار کرنے کے نتیجے میں قومیں مسکینی اور درد و غم سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ اس سے ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یوں وہ اقتدار سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ ایک فقر ایسا ہے جو مٹی میں بھی کیمیا کی تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی وہ جسے بھی چھوئے وہ سونا بن جاتا / جاتی ہے۔

۳- ایک فقر حضرت امام حسینؓ کا فقر ہے اور اس فقر میں برتری و سرداری کی کیفیت ہے۔ یہی فقر کہ حضرت امام حسینؓ کا سرمایہ ہے، مسلمانی کی میراث ہے۔ گویا انہوں نے جیسا فقر اختیار کیا، مسلمانوں کو بھی ویسا ہی فقر اختیار کرنا چاہیے، نہ وہ کہ جو درد و غم اور مسکینی و بے بسی پیدا کرے۔

خودی

۱- خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض — نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
۲- یہ کہتا ہے فردوسیِ دیدہ ور — عجم جس کے سرمے سے روشن بصر
۳- ز بہرِ درم تند و بدخو مباش — تو باید کہ باشی، درم گو مباش

۱- اے مخاطب! تو اپنی خودی کو دولت کے عوض نہ بیچ، شعلے کو چنگاری کے بدلے میں نہیں دیا جاتا۔ سیم و زر گویا چنگاری اور خودی شعلہ ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں چنگاری کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔

۲۔ فردوسی جیسے عظیم ایرانی شاعر اور صاحب بصیرت کا، جس کے سرے سے ایران/ ایرانیوں کی نگاہوں میں زبردست روشنی پیدا ہوگئی، یہ کہنا ہے کہ:

۳۔ تو درم یعنی دولت کی خاطر طیش میں نہ آ اور نہ اپنی خوخصلت ہی بگاڑ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تو رہے، یعنی تیری خودی برقرار رہے، دولت و مال رہے نہ رہے، تو اس سے بے نیاز ہوجا۔

جدائی

۱۔ سورج بنتا ہے تارِ زر سے دنیا کے لیے ردائے نوری
۲۔ عالم ہے خموش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضوری
۳۔ دریا، کہسار، چاند، تارے کیا جانیں فراق و ناصبوری
۴۔ شایاں ہے مجھے غمِ جدائی یہ خاک ہے محرمِ جدائی

۱۔ سورج جب صبح طلوع ہوتا ہے تو وہ دنیا کے لیے سونے کے یا سنہرے تاروں سے چادر بنتا ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے اس کی کرنیں دنیا کو منور کر دیتی ہیں۔

۲۔ کائنات کچھ اس انداز سے خاموش اور مستی میں ڈوبی ہوئی ہے جیسے اس کی ہر شے کو حضوری میسر آ گئی ہے۔ حضوری یعنی تجلیات الٰہی کے پیش نظر ہونے کی صورت۔

۳۔ دریا، پہاڑ اور چاند تاروں کو کیا خبر کہ فراق/ جدائی اور بیقراری کیا شے ہے۔ بیقراری نتیجہ ہے جدائی کا۔ اس کا احساس تو صرف ایک سچے عاشق حق ہی کو ہوتا ہے۔

۴۔ جدائی کا غم صرف میرے ہی لیے (انسان کے لیے) مناسب ہے یا میں ہی اس کے لائق ہوں۔ یہی خاک (خاک کا پتلا انسان) جدائی کی کیفیت سے پورطرح آگاہ ہے۔

خانقاہ

۱۔ رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
۲۔ "قُم باذن اللہ" کہہ سکتے تھے جو، رخصت ہوئے خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

۱۔ اشارے کنائے میں بات کرنا آج کے دور کے حالات کے پیش نظر مناسب نہیں

ہے۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ مجھے باتیں بنانے کا فن نہیں آتا، یعنی مجھے جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ میں صاف صاف اور لگی لپٹی بغیر کہہ دیتا ہوں۔

۲- جو حضرات (اہل خانقاہ) ''قم باذن اللہ'' کہنے کی اہلیت رکھتے تھے، وہ تو رخصت ہو چکے۔ یعنی یہ حضرات صحیح صوفی اور صاحبانِ فقر تھے جو مُردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک دیا کرتے تھے، لیکن آج یہ صورتِ حال ہے کہ خانقاہیں یا تو مجاوروں کا ٹھکانا بن گئی ہیں یا پھر گورکنوں کا۔ مجاور مزاروں پر بیٹھ کر لوگوں سے نذرانوں کے بہانے روپیہ پیسا حاصل کرتے ہیں اور گورکن قبریں کھود کر پیسے لیتے ہیں۔

ابلیس کی عرضداشت

۱- کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے — پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک

۲- جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب — دل نزع کی حالت میں، خرد پختہ و چالاک

۳- ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت — مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک

۴- تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی — ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غم ناک؟

۵- جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست — باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

۱- عزازیل اس کائنات کے خالق کے حضور یہ عرض کر رہا ہے کہ آدم/ انسان کی مٹھی بھر خاک آگ کا ٹکڑا بن گئی ہے۔ یعنی انسان سراسر فتنہ انگیزیوں میں لگا رہتا ہے۔

۲- اس کی حالت کچھ ایسی ہے کہ اس کی جان/ روح تو بڑی ضعیف و نزار/ کمزور ہے جبکہ اس کا جسم موٹا اور اس کا لباس بڑا نفیس ہے۔ اس کا دل نزع کی حالت میں ہے اور اس کی عقل بڑی پختہ اور چالاک ہے۔ گویا انسان نے خدائی احکام کو پس پشت ڈال رکھا ہے جس کا نتیجہ اس صورت میں نظر آ رہا ہے۔

۳- جس شے کو مشرق کی شریعت ناپاک کہتی تھی وہ یورپ کے فقیہوں کے فتویٰ کے مطابق پاک ہے۔ اہل مشرق جوا، سود اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں جبکہ اہل مغرب کے نزدیک یہ سب کچھ جائز اور روا ہے۔ یورپ میں باقاعدہ جوئے خانے بھی بنے ہوئے ہیں اور اس کے مختلف طریقے ہیں جیسے گھڑدوڑ، لاٹری اور تاش وغیرہ۔ شراب ہر کوئی اور بلا روک ٹوک پی سکتا ہے۔

۴۔ اے مالک و خالق! کیا تجھے معلوم نہیں کہ (انسان کے ان برے اعمال کے نتیجے میں) بہشت کی حوریں جنت کی ویرانی کے تصور سے غمزدہ ہو رہی ہیں؟ یعنی ان برے اعمال کے باعث انسان دوزخ میں جائے گا اور یوں بہشت خالی اور ویران رہے گا۔

۵۔ آج کے جو سیاستدان ہیں، وہ عوام کے لیے گویا ابلیس ہیں، لہٰذا اس صورتِ حال میں اب دنیا میں میری کوئی ضرورت نہیں رہی۔ راقم یزدانی کے یہ دو قطعے ملاحظہ ہوں:

یہ ڈاکے، یہ گرانی اور یہ قتلِ نسلِ انسانی	عوام اس صورتِ حالات سے غمگیں ہیں اور بیزار بیٹھے ہیں
مگر بیدیٔ "جمہوریت" کے عیش میں ڈوبے ہوئے ہر دم	بنے ہیں راہزن جمہور کے اور درپے آزار بیٹھے ہیں

مرے وطن کی فضا کو خراب کرتے ہیں	لباسِ انس میں یہ چند "گھوڑے" اور "لوٹے"
الٰہی! یا تو انہیں اِک ضمیرِ زندہ دے	وگرنہ روز انہیں مار آٹھ دس سوٹے

(گھوڑے اور لوٹے یعنی سیاستدان جو اپنے مفاد کی خاطر پارٹیاں بدلتے رہتے ہیں)

پرواز

۱۔ کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے	ستم پہ غم کدۂ رنگ و بو کی ہے بنیاد
۲۔ خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا	شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ ایجاد
۳۔ دیا جواب اسے خوب مرغِ صحرا نے	غضب ہے داد کو سمجھا ہوا ہے تو بیداد
۴۔ جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا	وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

۱۔ ایک روز ایک درخت نے ایک صحرائی/ جنگلی پرندے سے کہا کہ اس دنیا کی، جو غموں کا گھر ہے، بنیاد ظلم و ستم پر ہے۔

۲۔ اگر خدا مجھے بھی بال و پر عطا کر دیتا تو اس عالم ایجا/ دنیا اور بھی شگفتگی و تر و تازگی آ جاتی۔ اس کی رونق میں خوب اضافہ ہوتا۔

۳۔ اس جنگلی پرندے نے اسے خوب جواب دیا اور وہ یہ کہ تو انصاف کو بھی ظلم سمجھ رہا ہے۔

۴۔ اس دنیا میں پرواز کی لذت کا حق اسے کبھی نہیں مل سکتا جس کا وجود خاک کی کشش سے آزاد نہ ہو۔ گویا ہر کوئی اپنے عزم و ارادہ اور جہد و عمل سے وہی کچھ بن سکتا ہے جس کی اسے آرزو ہو۔ ظاہر ہے درخت تو مٹی میں گڑا ہوتا ہے، اس لیے کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسے جو کچھ ملا یا ملتا ہے، وہ اس حالت میں بالکل بجا ہے، ظلم نہیں ہے۔

شیخِ مکتب سے

۱- شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روحِ انسانی
۲- نکتۂ دل پذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم قاآنی
۳- "پیش خورشید برمکش دیوار خواہی ار صحنِ خانہ نورانی"

۱- شیخ مکتب ایک معمار ہے جس کی صنعت انسانی روح ہے۔ یعنی اس کا کام طلبا کی سیرتوں کو عظیم بنانا ہے، ان میں روحانی جذبے پیدا کرنا ہیں۔ (اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو سعدیؔ شیرازی کے لفظوں میں جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے گا تو ثریا ستارے تک دیوار ٹیڑھی جائے گی۔)

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

۲- ایران کے مشہور شاعر حکیم قاآنی نے تیرے لیے ایک دل نشین نکتہ بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ:
۳- اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے گھر کا صحن خوب روشن ہو تو سورج کے آگے دیوار نہ بنا، یا ایسی دیوار نہ بنا جس سے سورج کی روشنی میں رکاوٹ پیدا ہو۔ گویا استاد کو چاہیے کہ اپنے طلبا کو ایسی تعلیم دینے سے احتراز کرے (بچے) جس سے ان کے قلب و روح تاریکی میں ڈوب جائیں اور انہیں فطرت کے سورج کی روشنی میسر نہ آئے۔ شیخ سعدی والی بات۔ اگر استاد صحیح تعلیم نہیں دیتا تو شاگرد کی ساری عمر صحیح طور پر نہیں گذرے گی۔

فلسفی

۱- بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا
۲- پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

۱- اگرچہ فلسفی بڑے لمبے پروں والا (بہت اونچا اڑنے والا) تھا لیکن وہ دلیر، نڈر اور غیرت مند نہ تھا، چنانچہ وہ اسی بنا پر محبت کے راز سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔
۲- اگرچہ گِدھ بھی شاہیں کی طرح اونچی فضاؤں میں اڑتا ہے لیکن وہ زندہ شکار کی لذت سے محروم رہا۔ گِدھ مردار کھاتا ہے، جبکہ شاہیں خود زندہ شکار کرتا ہے، کسی کا مارا ہوا

شکار اسے پسند نہیں۔ وہ دلیر بھی ہے اور غیرت مند بھی، گِدھ ان اوصاف سے محروم ہے۔ پہلا شعر یہاں دوسرے استعارے میں ہے۔

شاہیں

۱- کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
۲- بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
۳- نہ بادِ بہاری، نہ گل چیں، نہ بلبل نہ بیماریِ نغمۂ عاشقانہ
۴- خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
۵- ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ
۶- حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
۷- جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ
۸- یہ پورب، یہ پچھم چکوروں کی دنیا مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ
۹- پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

۱- (شاہین گویا کہ پرندوں کا درویش ہے جو کہہ رہا ہے کہ) میں نے اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے جہاں آب و دانہ کو رزق کہا جاتا ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی گویا پہلی درویشانہ خصوصیت ہے۔

۲- مجھے تو بیاباں کی تنہائی اچھی لگتی ہے، اس لیے کہ ازل ہی سے یا شروع ہی سے میری فطرت درویشانہ ہے۔

۳- بیاباں میں نہ تو موسم بہار کی ہوا ہوتی ہے، نہ پھول چننے والے ہوتے ہیں اور نہ بلبل ہی کا وجود ہوتا ہے اور نہ بلبل کے عاشقانہ نغمے ہی کی بیماری پائی جاتی ہے۔

۴- اہل باغ سے دوری ہی ضروری ہے، اگرچہ ان کی ادائیں دلبروں/حسینوں کی سی ہوتی ہیں لیکن مجھے ان اداؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں اداؤں کو نہیں عزم و ارادہ اور ہمت و دلیری ہی کو پسند کرتا ہوں۔

۵- جواں مرد کی غازیوں کی سی چوٹ، جنگل کی فضا میں رہنے ہی سے، کاری ہوتی ہے۔ بے حد قوت کے سبب اس چوٹ کا بھرپور اثر ہوتا ہے۔

۶- میں فاختہ اور کبوتر کا بھوکا نہیں ہوں، اس لیے کہ باز/ شاہین کی زندگی تو زاہدوں/ درویشوں کی سی ہوتی ہے۔

۷- میں جو پہلے شکار پر جھپٹتا ہوں، پھر پیچھے ہٹ آتا ہوں، اور پیچھے ہٹ کر پھر اس پر جھپٹتا ہوں تو یہ سراسر لہو گرم رکھنے کا ایک انداز ہے۔ گویا شکار کے گوشت وغیرہ سے مجھے دلچسپی نہیں، میں تو جذبوں سے سرشار ہو کر جہد و عمل کے انداز اختیار کرتا ہوں۔

۸- یہ مشرق اور یہ مغرب، یہ سب چکوروں کی دنیا ہے، جبکہ میرا نیلا آسمان بے حد وسیع ہے۔ دوسرے پرندے تو محدود فضا میں اڑتے اور عزم و ارادہ کی قوت سے بہرہ ور نہیں ہوتے جبکہ میری پرواز کی فضا کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

۹- میں پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں، اس لیے کہ شاہین کبھی آشیانہ نہیں بناتا۔ اوپر جو اپنی خصوصیت بیان کی ہیں، ان کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔

باغی مرید

۱- ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

۲- شہری ہو، دِہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ — مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

۳- نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا — ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

۴- میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد — زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

۱- (باغی مرید کے بقول) ہمیں تو مٹی کا دیا بھی میسر نہیں ہے جبکہ پیر صاحب کا گھر بجلی کے چراغوں سے روشن ہو رہا ہے۔

۲- مسلمان خواہ شہر کا رہنے والا ہے یا کسی گاؤں کا، وہ ہر صورت میں سادہ طبع ہے۔ اپنے اسی بھولے پن کی وجہ سے وہ کعبے کے ان برہمنوں یعنی پیروں کی بتوں کی طرح پوجا کرتا ہے جس طرح ہندو بتوں کی پوجا کرتے اور برہمن کو اپنا پیر مانتے ہیں، کچھ یہی حالت بھولے بھالے مسلمانوں کی ہے۔

۳- پیر اپنے مریدوں سے نیاز کا جو نذرانہ وصول کرتے ہیں، وہ نذرانہ نہیں درحقیقت ان پیرانِ حرم کا سود ہے۔ چنانچہ ہر مکر و فریب کی گدڑی میں ملبوس پیر، پیر نہیں بلکہ مہاجن ہوتا ہے جو سود وصول کرتا ہے۔

۴۔ یہ نام نہاد پیر جو آج مسندِ ارشاد پر بیٹھے ہیں، انہیں یہ مسند گویا ورثے میں ملی ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ عقابوں کے ٹھکانے کوّوں کے قبضے میں آئے ہوئے ہیں۔

ہارون کی آخری نصیحت

۱۔ ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے — جائے گا کبھی تو بھی اسی راہ گذر سے

۲۔ پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت — لیکن نہیں پوشیدہ مسلماں کی نظر سے

۱۔ خلیفہ ہارون الرشید کی موت کا جب وقت آ گیا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا جب تجھے بھی اس راہ سے گذرنا پڑے گا۔ یعنی تجھے بھی ایک دن موت آ جائے گی۔ بقول میرزا شوق لکھنوی:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

بقول انشاؔ:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

۲۔ موت کا فرشتہ کافر کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے (کافر، جو خدا کا منکر ہو) لیکن مسلمان کی نظروں سے وہ چھپا نہیں رہتا۔ کافر حیات بعد الموت کا قائل نہیں، وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا اور اسی میں کھویا رہتا ہے، جبکہ مسلمان مذکورہ حیات کا قائل ہونے کے باعث موت کو ہر وقت یاد رکھتا ہے۔

ماہرِ نفسیات سے

۱۔ جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گذر جا — ہیں بحرِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے

۲۔ کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار — جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

۱۔ اے ماہرِ نفسیات! اگر تجھ میں ہمت و دلیری ہے تو افکار و خیالات کی دنیا سے گذر جا، آگے نکل جا۔ خودی کے سمندر میں اور بھی کئی جزیرے پوشیدہ ہیں۔ صرف یہی دنیا

اس کے پیش نظر نہیں ہے۔ خودی کے زور پر انسان اپنے لیے نت نئی دنیا تخلیق کرتا ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

یا ع: اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۲- اس خاموش سمندر (خودی) کے راز تجھ پر اس وقت تک نہیں کھلیں گے جب تک تو اسے ضرب کلیم سے نہ چیرے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے سمندر پر اپنا عصا مارا اور وہ پھٹ گیا، تو بھی اس سمندر پر ضرب کلیمی سے کام لے۔ خدا کے حکموں پر سچے دل سے عمل پیرا ہونے سے انسان میں بڑی قوتیں آ جاتی ہیں۔ اے ماہر نفسیات تو بھی یہ طریقہ اختیار کر اور مشکلات سے اسی طرح نجات پا جا جس طرح حضرت موسیٰؑ کے عصا سے سمندر پھٹ گیا وہ بخیریت گذر گئے اور فرعون مع لشکر غرق ہو گیا۔

یورپ

۱- تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار — جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ

۲- خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح — دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

(ماخوذ از نطشہ)

۱- (یہ نظم مشہور جرمن فلسفی نیٹشے کے خیالات کے حوالے سے ہے) ایک مدت سے یہودی سود خوار گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ یہودی سود خوار جن کی روباہی کے آگے چیتے جیسے طاقتور جانور کی قوت بھی بیکار ہے۔ لومڑی مکار ہوتی ہے۔ لومڑی کے مقابلے میں چیتے کا ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ ان یہودی سود خواروں کی فریب کاری و مکاری کا کوئی بھی، خواہ وہ کتنا طاقتور ہو، مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۲- آج فرنگ کی حالت اس پھل کی سی ہے جو پک کر خود بخود گر جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پھل (فرنگ، یورپ) کس کی جھولی میں گرتا ہے۔ یورپ کی اس دور کی حالت کو یہودیوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ مکار و فریب کار ہیں۔ اب یورپ یہودیوں کے ہتھے چڑھتا ہے یا کسی اور کے، یہ وقت ہی بتائے گا۔ جرمنی کے ہٹلر نے تو یہودیوں کو جرمنی سے نکال دیا تھا۔

آزادیِ افکار

۱۔ جو دونیِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز — اس مرغکِ بیچارہ کا کام ہے افتاد
۲۔ ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا — ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد
۳۔ اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک — جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
۴۔ گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ — آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

۱۔ جو مسکین و غریب پرندہ اپنی پست فطرتی کی وجہ سے اڑنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر اڑے گا تو آخرکار اسے زمین پر گرنا ہی ہے۔

۲۔ ہر انسان کا سینہ/ دل جبریل امین کا ٹھکانا یا اترنے کی جگہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہر فکر فردوس کے پرندے یا پرندوں کا شکار نہیں بن سکتی، انہیں شکار نہیں کر سکتی۔ یعنی انسان کا ہر عمل احکامِ ایزدی کے مطابق ہو۔ فردوس کا پرندہ استعارہ ہے اعلیٰ اور بلند خیالات کا۔ گویا اس کی فکر ایسی ہو جو سراسر حق پرست ہو، حق کی جانب اس کا رخ ہو۔

۳۔ جس قوم کے افراد ان تمام پابندیوں سے آزاد ہوں، جو اجتماعی زندگی کی بنیادی شرط ہیں، تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس قوم میں فکر و خیال کی جو شوخی ہے، وہ خود اس کے لیے بڑی خطرناک ہوگی۔ ظاہر ہے خطرناک ہونا تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

۴۔ اگرچہ خدا کی عطا کردہ فکر ہی سے زمانہ روشن ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادیِ افکار ابلیس کی ایجاد ہے۔ صحیح فکر ہی تعمیری ہوتی ہے اسی سے زمانے کی تاریکیاں چھٹ سکتی ہیں لیکن فکر جب غیر مشروط آزادی کی حامل ہوگی تو وہ فتنوں اور خرابیوں ہی کا باعث بنے گی، اس لیے کہ یہ ابلیسی ایجاد ہے اور ابلیس انسان کا دشمن ہے۔

شیر اور خچر

شیر

ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ — کون ہے تیرے اب و جد، کس قبیلے سے ہے تو؟

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور — وہ صبا رفتار، شاہی اصطبل کی آبرو

(ماخوذ از جرمن)

شیر: اے خچر! تو جو جنگل اور بیابان کے تمام جانوروں سے الگ تھلگ نظر آتی ہے، تیرے طور طریقے اور چال ڈھال سب سے الگ ہے، ذرا یہ تو بتا کہ تیرے باپ دادا کون ہیں اور تیرا کس قبیلے سے تعلق ہے؟

خچر: (جواب میں کہتی ہے) شاید حضور میرے ماموں کو نہیں پہچانتے، یعنی وہ گھوڑا جس کی رفتار ہوا کی طرح ہے اور جو شاہی اصطبل کی آبرو ہے۔ گویا اگر خچر خود کو گدھے کی اولاد کہے تو اس کے لیے، یہ ذلت کی بات ہوگی، اس لیے اس نے ماں یعنی گھوڑی کے حوالے سے اپنے خاندان کی بات کی۔ گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے خچر پیدا ہوتی ہے جو حقیقت میں نہ گھوڑا یا گھوڑی ہوتی ہے اور نہ گدھا یا گدھی۔

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائمال و خوار و پریشان و دردمند　　تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں　　میں نُہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

چیونٹی: اے عقاب! میں تو لوگوں کے پاؤں تلے روندی جاتی ہوں اور ذلیل وخوار، پریشان اور دکھی رہتی ہوں۔ تو یہ تو بتا کہ تیرا مقام ستاروں سے بھی کیوں بلند ہے؟ (عقاب بہت بلندیوں پر اڑتا ہے اس لیے یہ کہا)

عقاب: اے چیونٹی! بات یہ ہے کہ تو تو اپنا رزق راستے کی خاک میں تلاش کرتی ہے، اسی لیے اس صورتِ حال کا شکار ہے۔ جبکہ میں تو آسمانوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ وہی بلند پرواز اور فضا میں شکار کرنے کی بات۔

قطعہ

۱- کل اپنے مریدوں سے کہا پیرِ مغاں نے　　قیمت میں یہ معنی ہے دُرِ ناب سے دہ چند

۲- زہراب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ　　جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند

۱۔ کل پیر مغاں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ میں جو کچھ کہنے لگا ہوں، وہ بات اپنی اہمیت وقدر و قیمت کے لحاظ سے خالص موتی سے بھی دس گناہ زیادہ ہے اور وہ بات یہ ہے کہ:

۲۔ جس قوم کے نوجوان غیرت مند اور صاحبِ ہنر و جوہر نہ ہوں اس قوم کے حق میں یورپ کی شراب ایک مہلک زہر ہے۔ یورپی تہذیب و معاشرت یا علوم وفنون ایسے نوجوانوں کے لیے بگاڑ کا باعث ہے اور جب کسی قوم کی نوجوان نسل بگاڑ کا شکار ہوگی، اس کا انجام تباہی ہی ہوگا۔

تمت بالخیر

maablib.org

لغت بالِ جبریل

= (بال: شہپر، بڑے پَر) بھرتری ہری: (کتاب کا شروع کا شعر "پھول کی پتی......الخ" بھرتری ہری کا ہے) بھرتری ہری قدیم دور میں مالوہ کا حکمران تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی عیش و عشرت میں گذری۔ پھر اس کی طبیعت میں کچھ ایسا انقلاب آیا کہ اس نے بادشاہت اور دنیاداری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی۔ مذکورہ شعر اس کے اس قول سے ماخوذ ہے: "عقل کے زور سے کسی شخص کا کسی مورکھ کو راہِ راست پر لانے کے لیے کوشش کرنا ایسا ہی بے سود ہے، جیسا کسی شخص کا مست ہاتھی کو کنول کے ڈنٹھل سے روکنا یا سرس کے نازک ریشوں سے ہیرے میں چھید کرنا"

حصہ اول

(۱)

۱-۵= حریمِ ذات: اللہ تعالیٰ (وجودِ مطلق) کی بارگاہ الاماں: خدا کی پناہ بتکدۂ صفات: اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظاہر، مراد مادی کائنات جو ان مظاہر سے پُر ہے، جن کی وجہ سے انسانوں میں ذاتِ ایزدی کا صحیح تصور پیدا ہوتا ہے نقش بند: نقاش، نقشے بنانے والی رستخیز: قیامت سومنات: مراد بت خانہ توہمات: توہم کی جمع، وہم وگمان

(۲)

۱-۵= کج رو: ٹیڑھے چلنے والے انجم: جمع نجم، ستارے لامکاں: عالمِ قدس باری تعالیٰ کی تجلیات کے سوا کچھ نہیں اُسے: اشارہ ہے ابلیس کی طرف جس نے آدم کو سجدہ کرنے کے خدائی حکم سے انکار کر دیا تھا حرفِ شیریں: میٹھی بات، مراد جذبہ عشق کوکب: ستارے، مراد انسان تابانی: چمک زیاں: نقصان

رباعی

= شیشہ:صراحی بخیلی: کنجوسی رزاقی: بہت روزی دینا

(۳)

۱-۷= گیسوئے تابدار: بل کھائی ہوئی زلفیں حجاب: پردہ آشکار: ظاہر، نمایاں محیطِ بیکراں: ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہ ہو، بے حد وسیع سمندر، مراد ذاتِ باری تعالیٰ۔ آبجو: ندی ہمکنار: آغوش میں لینا صدف: سیپی خزف: ٹھیکری، پتھر کا ٹکڑا دمِ نیم سوز: ادھ جلا سانس طائرک: پرندہ (ک اسم تصغیر کے طور پر ہے، چھوٹا پرندہ بھی معنی ہو سکتے ہیں اور شعری وزن کی ضرورت کے تحت محض اضافہ بھی) روزِ حساب: قیامت کا دن جب انسانوں کے اعمال کا حساب کتاب کیا جائے گا دفترِ عمل: اعمالنامہ گوہرِ شاہوار: ایسا موتی جو بادشاہوں کے لائق ہو

(۴)

۱-۷= داد: انصاف صرصر: آندھی، جھکڑ غریب الدیار: پردیسی خرابہ: ویرانہ جفا طلبی: محنت و جاں فشانی بے بنیاد: فانی قدسی: فرشتہ

(۵)

۱-۵= زندگیِ مستعار: مانگی ہوئی یا ادھار لی ہوئی زندگی، مراد عارضی و فانی زندگی پائندار: مراد ہمیشہ قائم رہنے والا وجود، ذات باری تعالیٰ ناپائندار: مراد فانی انسان بساط: حیثیت تب و تابِ یک نفس: ایک لمحہ کے لیے چمکنا اور ختم ہو جانا کھٹک: چبھن کسک: درد

رباعی

= حریمِ کبریا: خدا کی ذاتِ بابرکات نانِ جویں: جو کی روٹی حیدر: حضرت علیؓ جو عموماً جو کی روٹی کھایا کرتے تھے لیکن بڑے زبردست جنگجو اور قوی بازو تھے

(۶)

۱-۶= پریشان: منتشر گرمیِ محفل: محفل/ بزم کی رونق مجبورِ نوا: مراد آہ و فریاد

پر مجبور راہی: مسافر ناپیدا کراں: جس کا کوئی ساحل/ کنارہ نظر نہ آئے، انتہائی وسیع خودنگہداری: اپنی ذات پر نظر رکھنے کی صورتِ حال، عشق الٰہی کے مرحلوں میں اپنی ذات کا تصور، یعنی مکمل عدم محویت عالمِ بے رنگ وبو: وہ دنیا جو رنگ اور بو کی قید سے آزاد ہے، محبوبِ حقیقی کی دنیا جو اس مادی دنیا سے ماورا ہے افسانہ دنبالہ محمل: محمل کے پیچھے پیچھے جانے کی داستان، اشارہ ہے اس عام روایت کی طرف، مجنوں نے اپنے قاصد کے ہاتھ لیلیٰ کے نام پیغام بھیجا اور قاصد کے پیچھے پیچھے پھر خود بھی چل پڑا عروج: سربلندی، عظمت

(۷)

۱-۷ = دگرگوں ہے: بدل گیا ہے، انقلاب آ گیا غوغائے رستاخیز: قیامت کے دن کا سا شور وغل متاع: سرمایہ، دولت غمزہ: ناز و ادا، نخرا کافرادا: کافروں کے سے طور طریقوں والا دیرینہ: پرانی ناپختگی: غیر مضبوط ہونا، پختگی نہ ہونا آبِ نشاط انگیز: مراد ایمان کا آبِ حیات جو قلب و روح پر نشاط طاری کر دے پیدائی: ظہور، ظاہر ہونے کا عمل حجاب آمیز: مراد پردے میں ہونا، سامنے جلوہ گر نہ ہونا رومیؔ: مولانا جلال الدینؒ رومیؔ، ولادت بمقام بلخ، تاریخِ ولادت ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ (۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء) وفات بمقام قونیہ (ترکی) ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۷ ستمبر ۱۲۷۳ء) علامہ انہیں اپنا مرشدِ معنوی کہتے ہیں۔ مولانا کی مثنوی بہت مشہور ہے۔ اسے پہلوی یعنی فارسی زبان کا قرآن کہا گیا ہے اور علامہ مطالعۂ حدیث کے بعد اس کا مطالعہ کیا کرتے تھے عجم: ایران تبریز: ایران کا مشہور شہر جو حضرت شمسؒ (رومیؒ کے مرشد) کا مولد تھا کشتِ ویراں: ویران، اجڑی ہوئی کھیتی، مراد مسلمان جن کی ظاہری حالت اچھی نہ تھی یہ مٹی: مراد مسلمان زرخیز: مراد قابلیت کے جوہروں والے نم: نمی مراد موافق حالات بہا: قیمت دولتِ پرویز: ایران کے مشہور بادشاہ خسرو پرویز کی سلطنت، اس کے تمام خزانے

(۸)

۱-۷ = مینائے غزل: غزل کی صراحی، مراد شاعری بیشہ: جنگل تہی: خالی

تیغِ جگردار: ایسی تلوار جس کی کاٹ زبردست ہو عینِ حیات: سراسر یا پوری طرح زندگی مرگِ دوام: ہمیشہ ہمیشہ کی موت ماہِ تمام: چودھویں رات کا پورا چاند

(۹)

۱-ے= عالم من وتو: میں اور تو کا فرق لا الہٰ اِلّا ھو: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (توحیدِ ایزدی) چنگ: ستار کی قسم کا ایک باجا رباب: ایک قسم کی سارنگی سکوت: خاموشی لبِ جوے: ندی کے کنارے خودرَو: خود بخود اگنے والا، یا اُگا ہوا چشمہ حیواں: آبِ حیات کا چشمہ، اس چشمے کا پانی پی کر خضر نے حیاتِ جاوید پائی سبو: مٹکا، ظرف، برتن سبوچہ: چھوٹا سا مٹکا، مراد شاعری کدو: تونبا نونیاز: نیا نیا ناز بردار اولیٰ: بہتر جمیل تر: زیادہ شاداب وخوش رنگ رنگین نوا: مراد دل کش شعر کہنے والا

(۱۰)

۱-ے= متاعِ بے بہا: یعنی بہت قیمت والا سرمایہ بندگی: خدا کا بندہ ہونا اکسیر: وہ روایتی چنکی جس سے تانبے کو سونا بناتے ہیں دیر پیوندی: دیر کے بعد ملنا اسمٰعیل: حضرت اسماعیلؑ جو حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے، قرآن کریم میں ان سے متعلق واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک رات حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں، انہوں نے اس کا ذکر بیٹے سے کیا اور اس کی رائے پوچھی۔ اسمٰعیلؑ نے جواب میں کہا کہ ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم ملا ہے، انشاءاللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی جگہ قربانی کا بکرا بھیج دیا، یوں یہ سلسلہ آج تک جاری ہے لحد: قبر الوندی: الوند سے متعلق، الوند ایران کا ایک مشہور پہاڑ ہے مشاطگی: بناؤ سنگھار کرنا حنابندی: مہندی لگانا

(۱۱)

-ے= تازیانہ: بید، کوڑا تراشِ آزرانہ: آزر کی سی ہنرمندانہ تراش خراش (آزر، حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا ایک مشہور بت تراش) فراغت: آرام و

سکون، بے فکری رگِ تاک: انگور کی بیل مے مغانہ: مراد اسلامی ذوق کی شراب یا پہلے والی شراب (مغاں کے لفظی معنی ہیں پیرِ میخانہ) ہم صفیر: ہم نوا بندہ پروری: یعنی خدا کا لطف و کرم اپنے بندے پر

(۱۲)

۱-۷ = مے لعل: سرخ یا رنگین شراب لبریز: پوری طرح بھرا ہوا بساط: چٹائی، فرش پرویز: ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز، بہت بڑی سلطنت کا مالک فرسودہ: گھسا پٹا، بہت پرانا نوخیز: نیا نیا وجود میں آیا ہوا ہنگامہ نشور: قیامت کا سا شور رستاخیز: قیامت التفات آمیز: جس میں لطف و کرم کی آمیزش ہو، لطف و کرم والی تغافل: بے پروائی نشاط انگیز: مسرت و خوشی سے پُر تو با زمانہ بساز: تو زمانے کے ساتھ موافقت کر ستیز: لڑ جھگڑ، جنگ کر

(۱۳)

۱-۷ = کرشمہ سازی: ناز دکھانے کی صورتِ حال رومیؔ: مولانا جلال الدین رومیؔ (ذکر پہلے آ چکا ہے) رازیؔ: امام رازی شیخ فخر الدین جو تصوف میں امام غزالیؔ سے کمتر اور منطق و فلسفہ میں ان سے بڑھ کر ہیں، ولادت بمقام رَے (ایران) ۵۴۴ھ (۱۱۵۰ء) وفات ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) کرگس: گِدھ جو مردار جانور کھاتا ہے تازی: عربی عجمی: فارسی امتیاز: فرق تیغ بازی: تلوار چلانا امیرِ کارواں: قافلے کا سالار، جس کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہو، رہنما نے نوازی: بانسری بجانا، یہاں مراد شاعری

(۱۴)

۱-۶ = جولاں گہ: لفظی معنی جولان گاہ، گھوڑے دوڑانے کا میدان، مراد تگ و دو کا اصل میدان آب و گِل کا کھیل: مراد یہ مادی دنیا ردائے نیلگوں: نیلی چادر مشتری: چھٹے آسمان پر ایک ستارے کا نام ہم عناں: مراد ہم سفر، سفر کا ساتھی جست: چھلانگ بیکراں: جس کی وسعت کی کوئی انتہا نہ ہو درماندہ رہرو: ایسا مسافر جو تھک کر قافلے سے پیچھے یا بچھڑ کر رہ گیا ہو رحیلِ کارواں: قافلے کے کوچ کا اعلان

(۱۵)

۱-۷= دانشِ نورانی: ایسی عقل جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کر دے اور اسے اس قابل بنا دے کہ وہ حقیقتوں کو پہچان سکے۔ ایسی عقل گویا نورِ ایمان کے برابر ہے دانشِ برہانی: ایسی عقل جس میں فلسفیانہ دلیلوں سے کام لیا جاتا ہے اور حقیقتوں تک اس کی رسائی ممکن نہیں پیکرِ خاکی: مٹی کا ڈھانچا، مراد انسانی جسم اک شے: ایک چیز، مراد دل باطل: جس کی کوئی حقیقت نہ ہو تکرار: کسی شے کو بار بار کرنے یا دُہرانے کا عمل ارزانی: ارزاں یا سستا ہونا، بے قدری زندیقی: خدا کا منکر ہونے کی حالت، مذہب سے دوری ننگِ مسلمانی: مراد اسلام کے لیے باعث شرم تقدیر شکن: تقدیر کی زنجیروں کو توڑنے والی زندانی: قیدی، زنجیروں میں جکڑا ہوا

(۱۶)

۱-۱۶= جہانِ گذراں: فانی دنیا خوار: ذلیل صفاکیش: صاف دل، حق گو ہنرمند: باکمال مہاجن: سود کھانے والا، بنیا، مراد ہندو خداوند: آقا ندہی: تو نہیں دیتا بخشد: عطا کرتا یا دیتا ہے خرے چند: چند گدھے، مراد نالائق لوگ موعظہ: وعظ، نصیحت پند: نصیحت مفسر: تفسیر یا شرح و وضاحت کرنے والا پاژند: قدیم ایرانی کتاب ژند کی تفسیر، پارسیوں (آتش پرستوں) کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کتاب ان کے پیغمبر زرتشت (زردشت بھی لکھا جاتا ہے) پر نازل ہوئی تھی قریہ: گاؤں، بستی ملکوتی: فرشتوں کے سے پیوند: تعلق حق: سچی ابلہ مسجد: مسجد کا نادان یعنی مُلا زہر ہلاہل: ہلاک کر دینے والا زہر قند: شکر حق بین: سچائی پر نظر رکھنے والا حق اندیش: سچائی سوچنے والا خاشاک: کوڑا کرکٹ کوہِ دماوند: ایران کا ایک مشہور پہاڑ، مراد پہاڑ دانۂ اسپند: ہرمل، وہ کالا دانہ جو نظرِ بد کا اثر دور کرنے کے لیے آگ میں ڈالا جاتا ہے اور جو آگ پر پڑتے ہی تڑخ کر پھٹ جاتا ہے، تڑخ کی آواز کو شاعر سپند کا نالہ یا فریاد کہتے ہیں نظرباز: مراد حقیقت پر نظر رکھنے والا نکوبیں: اچھائیاں دیکھنے والا کم آزار: کسی کو تکلیف یا دکھ نہ دینے والا گرفتار: مراد عشقِ حقیقی میں گرفتار تہی کیسہ: خالی

جیب والا خورسند: خوش، مطمئن خرم: خوش شکرخند: خوشی کی ہنسی، مسکراہٹ

(۱)

پہلا حصہ

= سنائی: فارسی کے مشہور شاعر ابوالمجد مجدود سنائی غزنوی۔ ان کی تصوف سے متعلق مثنوی ''حدیقۃ الحقیقہ'' کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ پہلے شاہی دربار سے وابستہ تھے، پھر طبیعت میں انقلاب آیا تو اس دور کے بڑے صوفی شیخ ابو یوسف ہمدانی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تصوف کی طرف آئے اور اس میں بلند مقام حاصل کرلیا۔ سنائی کی وفات ۱۱۳۱ء میں ہوئی، یہی سال مثنوی حدیقۃ الحقیقہ کا ہے

عطار: نام محمد لقب فریدالدین ابو حامد نیشاپوری، عطار تخلص، چونکہ دوا سازی کا کام کرتے تھے، لہٰذا یہ تخلص اختیار کیا۔ نیشاپور کے علاقے شادباغ میں ۵۱۳ء/ ۱۱۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ شاعری میں بھی ان کا بڑا مقام ہے، دیوان کے علاوہ کئی مثنویاں لکھیں جن میں مشہور تر پند نامہ، الٰہی نامہ اور منطق الطیر ہیں، نثر میں ''تذکرۃ الاولیا'' ان کی تصنیف ہے۔ چنگیز خان نے نیشاپور میں جو قتل عام کرایا، اس میں ۱۲۶ اپریل ۱۲۰۳ء کو شہید ہوئے۔

۱-۶= پہنائے فطرت: کائنات کی وسعت سودا: جنون، عشق حلاج: حسین بن منصور باپ کا پیشہ روئی دھنکنا جس کی وجہ سے حلاج کہلایا۔ اسی حوالے سے منصور کو بھی حلاج کہا جاتا ہے۔ ولادت تقریباً ۲۴۴ھ/ ۸۵۸ء، فارس کے ایک قصبے میں پیدا ہوا۔ ۲۶۰ھ تا ۲۸۴ھ (۸۷۳ء تا ۹۰۸ء) گوشہ نشین رہا پھر عوام سے تعلق توڑ لیا اور خراسان و فارس وغیرہ کا سفر کیا۔ ۹۰۸ء میں وطن واپس ہوا۔ اس کے نعرہ انا الحق پر وقت کے علما نے موت کی سزا کا فتویٰ دیا، چنانچہ خلیفۂ بغداد کے حکم پر اسے سولی پر لٹکا دیا گیا استغنا: بے نیازی، بے پروائی تقلید: پیروی تن آساں: آرام کے عادی

دوسرا حصہ

۱-۵= بے ذوق: بے مزہ صہبا: شراب قیصر و کسریٰ: ایران کے بڑے بڑے بادشاہ، مراد بڑے بڑے بادشاہ یا حکمران گلیم: گدڑی بوذرؓ:

حضرت ابوذرؓ غفاری، حضور اکرمؐ کے صحابی جو بہت بڑے صاحب فقر و قناعت تھے
دلق: خرقہ اویسؓ: حضرت اویسؓ قرنی، جو حضور اکرمؐ کے سچے عاشق تھے، ان کی والدہ بہت ضعیف تھیں، حضور اکرمؐ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میری ملاقات کے لیے نہ آؤ اپنی والدہ کی خدمت کرو، تمہیں بہت ثواب ملے گا، اسی لیے وہ حضورِ اکرمؐ کی زیارت سے محروم رہے، جب غزوۂ احد میں انہوں نے حضور اکرمؐ کے مبارک دانتوں کے شہید ہونے کی خبر سنی تو اپنے سچے عشق کی بنا پر اپنے سارے دانت توڑ ڈالے زہراء: حضرت فاطمۃ الزہراؓ احرام: بے سلی چادر اور لُنگ جو حج کے موقع پر حاجی باندھتے ہیں خفتہ: سویا ہوا، سوئے ہوئے
بطحا: حرم کا قریبی علاقہ

تیسرا حصہ

۱-۳= لبالب: پوری طرح بھرا ہوا لا: نہیں ہے، یعنی کوئی خدا یا معبود نہیں ہے، دہریت اِلا: مگر، سوائے، یعنی اللہ کے سوا زخمہ ور: ساز بجانے والا تیز دستی: تیزی سے ہاتھ چلانا، یعنی ماہر ہونا، مہارت موجِ تند جولاں: زور شور سے اٹھنے والی لہر واویلا: چیخ پکار نہنگ: مگرمچھ تہ و بالا: الٹ پلٹ، زیر و زبر

چوتھا حصہ

۱-۳= مردانِ حُر: آزاد لوگ، مردانِ حق بینا: دیکھنے والی صاحبِ امروز: آج کا مالک، مراد دورِ حاضر کا رہنما و مختار گوہرِ فردا: آنے والے کل یعنی مستقبل کا موتی

پانچواں حصہ

۱-۸= شیشہ گر: شیشے بنانے والا، مراد شعبدہ باز خارا: سخت پتھر یدِ بیضا: سفید یا روشن ہاتھ، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ، جب وہ اپنی جیب سے ہاتھ نکالتے تو وہ روشن ہوتا نیستاں: سرکنڈوں کا جنگل خویشتن بینی: اپنے آپ کو دیکھنا، اپنی حقیقت یا معرفت سے آگاہ ہونا خویشتن داری: اپنی حقیقت و معرفت پر برقرار رہنا، اس کی حفاظت کرنا نخچیر: شکار فتراک: شکار بند صاحب دولتے: مراد بہت عظیم ہستی دانائے سبل: راستوں سے آگاہ

(سبل جمع ہے سبیل کی بمعنی راستہ) حضور اکرمؐ مراد ہیں ختم الرسل: رسولوں کا خاتم، آخری رسول، حضور اکرمؐ فروغ: روشنی، تجلی وادی سینا: کوہ طور، جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا فرقاں: فرق ہونا یٰسین: قرآن کی سورۃ جس میں حضور اکرم کو اس لقب سے یاد کیا گیا، اسی طرح سورۂ طٰہ ہے لولوئے لالا: بہت چمکیلے موتی

(۲)

۱-۷= نشاط انگیز: کیف و سرور پیدا کرنے والا انداز ملوکانہ: بادشاہوں کے سے طور طریقے ہنگامہ رستاخیز: قیامت کا شور یا ہنگامہ سرعت: تیزی تیمور: تیمور لنگ، مشہور بادشاہ، وسط ایشیا کا بہت بڑا فاتح، ولادت شہرِ سبز ۱۳۳۶ء، ۱۶۳۹ء میں تخت نشین ہوا، کئی ملک فتح کیے، ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی کو فتح کر کے بیشمار مال و دولت لے گیا، پھر ترکوں پر حملہ کیا، دمشق اور حلب کو فتح کر کے سلطان بایزید کو گرفتار کر لیا، چین پر حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء کو فوت اور سمرقند میں دفن ہوا۔ برصغیر میں مغلیہ سلطنت کا بانی بابر اسی کی نسل سے تھا۔ تیمور کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے تیمور لنگ کہلایا چنگیز: تاتاری قوم کا مشہور سپہ سالار جس نے اپنی خانہ بدوش قوم کو منظم کر کے بے پناہ قوت حاصل کر لی اور ۶۱۶ھ میں سلطان علاء الدین خوارزم شاہ کے دور میں، ایران پر حملہ کر کے وہاں قتل عام کیا اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی خوں ریز: خون بہانے والا

(۳)

۱-۹= مجذوبی: جذب ہونے کی حالت گوناگوں: رنگا رنگ، قسم قسم کے قارون: حضرت موسیٰؑ کے دور اور ان کی قوم کا ایک انتہائی مال و دولت والا شخص، جس کا مال و زر کئی اونٹوں پر لادا جاتا تھا، وہ اپنے اسی مال و زر کی کثرت کے تکبر میں راہِ حق سے منحرف ہو گیا، اس نے اس ضمن میں نصیحتوں کا کوئی اثر نہ لیا جس کے نتیجے میں قرآنی حوالے کے مطابق، خدا نے اس کا گھر زمین میں دھنسا دیا اور یوں اس کا عبرتناک انجام ہوا افلاطون: یونان کا مشہور فلسفی گردوں: آسماں کن فیکون: قرآنی آیت کا حوالہ ہے، پوری آیت یوں

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتا ہے۔ اس کائنات کی تخلیق کُن ہی سے ہوئی جیحوں: ترکستان کا مشہور دریا

(۴)

=۴ سرِ عیاں: کھلم کھلا راز نمود: ظہور، ظاہر ہونا شانہ: کندھا بارِ گراں: بھاری بوجھ بے بصر: بصیرت اور بینائی سے محروم خودنگر: جو اپنی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہو عالمِ آب و خاک و باد: چار عناصر پانی، آگ، مٹی اور ہوا کی دنیا، یہ دنیا

(۵)

=۵ خیام: خیمے، سورۂ الرحمٰن کی ایک آیت میں یہ ارشاد ہے کہ وہ یعنی حوریں جو خیموں میں بیٹھی ہیں بادہ و جام: شراب اور پیالہ، اشارہ ہے شرابِ طہور جو اہل بہشت کو ملے گی بلند بال: اونچا اڑنے والا کوہ شگاف: پہاڑ پھاڑنے والی کشاد: حل

(۶)

=۵- نسبتِ خویشی: اپنے ہونے کا تعلق، عزیز داری کا تعلق ناخوش اندیش: اچھی سوچ نہ ہونا، غلط اندیشی، بری سوچ گوسفندی: بھیڑ ہونا میشی: بکری ہونا گوسفندی و میشی: بھیڑ بکری کی طرح بزدل بے نیشی: جو کانٹے کی طرح نہ چبھے، نہ کھٹکے نم: تروتازگی بیشی: کثرت، زیادہ ہونا

(۷)

=۹- دمن: وادی، دشت و در اودے اودے: سیاہی مائل سرخی والے بن: جنگل مَن: نفس، دل سود: فائدہ، نفع دھن: دولت، مال و زر پانی پانی کرنا: شرم کے پسینے میں ڈبو دینا

(۸)

=۶ مروت: مہربانی، احسان، ایک دوسرے کا خیال رکھنا خداوندانِ مکتب: درس گاہوں کے منتظمین خاکبازی: مٹی میں یا مٹی سے کھیلنا، پستی اور کم ہمتی لا الہٰ: یعنی کلمہ توحید، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں قاروں: بہت مال و دولت

والا، قارون پر نوٹ (۳) میں ملاحظہ ہو حدیث: بات خاراشگاف: پتھروں کو چیرنے پھاڑنے والا

(۹)

۱-۵ = زیر و بم: نچلے اور اونچے سُر، اونچے نیچے سُر ریشے ریشے میں: رگ رگ میں مُلوک: جمع مَلِک (م پر زبر ل کے نیچے زیر) بادشاہ دارا و جم: ایران کے مشہور بڑے بادشاہ، مراد باعظمت لوگ (جم یعنی جمشید) شکم: پیٹ

(۱۰)

۱-۷ = پنہاں: چھپا ہوا صاحب ادراک: فہم و شعور والا پُرکار: ہوشیار، مکار چاک: پھٹا ہوا شایاں: مناسب، شان کے مطابق ہونا صاحب لولاک: مشہور حدیث قدسی کا حوالہ ''اگر تو (حضور اکرمؐ) نہ ہوتا تو میں (خدا) آسمانوں کو پیدا نہ کرتا

(۱۱)

۱-۷ = رفیق: ساتھی، ہم خیال پیرمغاں: شراب خانے کا مالک خلیق: اچھے اخلاق والا ضعف یقیں: یقین و ایمان کی کمزوری رازی: مشہور فلسفی امام فخر الدین جو رَے (ایران) میں پیدا ہوئے۔ (۵۴۴ھ) اور ہرات میں ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی ''تفسیر کبیر'' کو شہرت حاصل ہے دقیق: گہرے تائب: توبہ کرنے والا طلسم کہن: پرانا جادو عہد عتیق: پرانا زمانہ اقرار باللسان: کسی بات کا زبانی اقرار کر لینا، مان لینا زندیق: مُلحد

(۱۲)

۱-۵ = تابعِ تقدیر: تقدیر کا پابند دیرینہ: پرانا کورنگاہی: اندھاپن بھٹکا ہوا راہی: وہ مسافر جو اپنے صحیح راستے سے ہٹ گیا یا اسے بھول گیا ہو

(۱۳)

۱-۷ = حوریانِ فرنگی: انگریز یا یورپی حسینائیں جنہیں عرف عام میں میمیں کہا جاتا ہے حجاب: پردہ پا بہ رکاب: یعنی تیزی سے نکل جانے یا اڑنے والے گرداب: بھنور صوت: آواز رعشہ سیماب: پارے کی طرح کی کپکپی، بیقراری و بے تابی

(۱۴)

۱-ے = فاروقی: حضرت عمر فاروقؓ کے سے اوصاف کراری: حضرت علیؓ حیدر کرار کے سے اوصاف مِس: تانبا دلِ خوابیدہ: سویا ہوا دل، دلِ زندہ کے برعکس مشامِ تیز: سونگھنے کی تیز قوت ظن وتخمین: گمان اور اندازہ مغ زادہ: آتش پرستوں کی اولاد مولائے یثربؐ: یعنی حضور اکرمؐ

(۱۵)

۱-ے = کبر: تکبر، غرور بانگ: آواز صورِ سرافیل: قیامت کے روز اسرافیل صور پھونکیں گے/ سنکھ بجائیں گے جس سے مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے غیاب: غیر حاضر ہونے کی کیفیت زبورِ عجم: علامہ کی فارسی شاعری کا مجموعہ

(۱۶)

۱-ے = میر سپاہ: سپہ سالار، فوج کا سربراہ ناسزا: نااہل، نالائق شکستہ صف: ٹوٹی ہوئی صفوں والے، انتشار کا شکار تیر نیم کش: آدھا کھنچا ہوا تیر ہدف: نشانہ محیط: سمندر تلف: ضائع باشرف: عزت وعظمت والی سر بجیب: گریبان میں سر ڈال کر، بہت غور وفکر کرنے والے سر بکف: ہتھیلی پر سر رکھنے والا، جان کی بازی لگانے والا لاتخف: مت ڈر، سورۃ القصص کی ایک آیت کا اقتباس، حضرت موسیٰ کو وادی ایمن کے درخت سے خدا کی آواز آئی کہ تو اپنا عصا ڈال دے، جب انہوں نے اسے سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے دیکھا تو وہ منہ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ سامنے آ، اور ڈر نہیں...... خیرہ: بھونچکا، چکا چوند دانشِ فرنگ: یورپی علم وحکمت

(۱۷)

۱- زمستانی ہوا: سردیوں کی ہوا آدابِ سحر خیزی: صبح سویرے اٹھنے کے طور طریقے گرم گفتاری: کھل کر باتیں کرنا کم آمیزی: دوسروں کے ساتھ کم گھلنا ملنا یا نہ مل کر بیٹھنا زمامِ کار: مراد حکومت کی باگ ڈور طریق کوہکن: پہاڑ کھودنے کا انداز، فرہاد کو کوہکن کہا جاتا ہے حیلے: بہانے، مکر وفریب پرویزی: خسرو پرویز کی سی شہنشاہی چنگیزی: چنگیز کے سے ظلم و

ستم کرنے کا انداز سواد: گرد و نواح رومتہ الکبریٰ: مراد یورپ

(۱۸)

۱-۷= دَیرِ کہن: پرانا مندر، مراد یہ مادی دنیا انبار: ڈھیر نخچیر: شکار خلشِ پیکاں: تیر کی چبھن/کھٹک ہفتاد و دو ملت: بہتر (۷۲) فرقے ادراک: فہم وشعور فلک الافلاک: آسمانوں کا آسمان، مراد عرش راہ روِ فرزانہ: دانا مسافر/ سالک نمناک: گیلی، تر آتشناک: آگ لگا دینے والی فتراک: شکار بند

(۱۹)

۱-۷= مہجوری: دوری، جدائی میں باز آیا: میں نے چھوڑ دیا، مراد میں دور ہی اچھا بے دولتی: برکت نہ ہونا، مراد پیسے کی محتاجی رنجوری: مراد بیماری، روگ متاعِ تیموری: مراد مغلیہ دور کا سرمایہ، مغلیہ حکومت کے سبب ہندوستان جغرافیائی حدود سے ماورا ہو گیا، یعنی اس میں وحدت پیدا ہو گئی، گویا بہت قیمتی سرمایہ مہوش: مہ+وش (مہ مخفف ہے ماہ کا) چاند جیسا/جیسی، چاند کے چہرے والا (وش میں و پر زبر ہے) عیار: معیار، پرکھ، کسوٹی عینِ مستوری: سراپا چھپے ہونا ملتفت: مہربان، متوجہ کنجِ قفس: پنجرے کا کونا معموری: بھرے ہونا، پُر ہونا

(۲۰)

۱-۹= صاحبِ سرور: مراد ذوق وشوق والا، جذبہ عشق سے سرشار انسان ناصبوری: بے صبری، بے قراری ارنی: اے خدا مجھے اپنا جلوہ دکھا، اشارہ ہے حضرت موسیٰؑ اور طور کے قرآنی واقعے کی طرف، حضرت موسیٰؑ نے خدا سے ایسا کہا تھا اور جب جلوہ ظاہر ہوا تو وہ بیہوش ہو گئے حدیثِ کلیم وطور: حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور طور کی بات

(۲۱)

۱-۷= آب جو: ندی گنبدِ گرداں: گردش کرنے والا گنبد یعنی آسمان زجاج: شیشہ سنگِ خارہ: سخت پتھر مردِ ہیچ کارہ: بے عمل انسان، نکما یا ناکارہ آدمی انجم شناس: نجومی تابع: ماتحت، زیر اثر، مطیع پیرہن: لباس عینِ کرم: سراپا بخشش لعلِ ناب: خالص لعل

(۲۲)

۷- = روسیاہی: ذلت و نامرادی گدا: مراد درویش رہ و رسم: طور طریقے
کج کلاہی: ٹیڑھی ٹوپی رکھنا، مراد پادشاہی ہُما: ایک روایتی پرندہ جسے مبارک سمجھا جاتا ہے، جس کے سر پر بیٹھ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ دراصل یہ سب محض ایک روایت ہے اس میں حقیقت نہیں ہے جہانِ مرغ و ماہی: پرندوں اور مچھلیوں کی دنیا، یہ دنیا لغتِ غریب: اجنبی زبان کا لفظ

(۲۳)

۱-۷ = فرومایہ: گھٹیا، بے حیثیت کوتاہ ہاتھ: چھوٹا ہاتھ، جو بلندی تک نہ پہنچ سکے نخیل: کھجور کا درخت صلاحِ کار: معاملے کی درستی درویشِ بے گلیم: ایسا درویش جس کے پاس کمبل یا کملی نہ ہو، مراد ظاہری طور پر درویش نہ ہو بلکہ درویشی کی حقیقتوں سے پوری طرح آگاہ ہو۔

(۲۴)

۱-۷ = خبر: مراد سنی سنائی باتیں نظر: مراد کسی زندہ دل یا مردِ حق کی نظر/توجہ گراں بہا: بہت قیمتی، بہت قدر والا ہونا عروسِ لالہ: لالہ پھول کی دلہن، مراد گل لالہ (خوبصورت ہونے کی بنا پر عروس کہا ہے) کساد: کسی چیز کا نہ بکنا، مراد کھوٹا ہونا، بازار مندا پڑ جانا بے نوا: غریب، مفلس

(۲۵)

۱-۷ = شان سکندری: سکندر اعظم (یونانی بادشاہ) کی سی شان، مراد بڑی شان و شوکت گدا: بھیک، گداگری خراج: زمین کا محصول، وہ روپیہ جو ملک کے حکمران زمینداروں سے لیتے تھے قیصری: مراد بادشاہت، شہنشاہی، قیصر شاہانِ روم کا لقب تھا خواجگی: آقائی، آقا ہونا بندہ پروری: غلاموں کو پالنے کا عمل، ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا عمل عتاب: ناراضی، غصہ ملوک: جمع مَلِک، بادشاہ، وقت کے حکمران مآل: انجام سروری: سرداری، افسری

(۲۶)

۱-۸ = نیستاں: سرکنڈوں کا جنگل راوی: دریائے راوی، جو لاہور میں ہے، مراد جغرافیائی حدود نیل و فرات: دونوں مشہور دریاؤں کے نام ہیں، مراد

علاقائی حدود، چھوٹے چھوٹے خطے مردِ راہ داں: راستہ جاننے والا آدمی، مردحق یا راہنما رختِ سفر: سفر کا ساز و سامان میرِ کارواں: قافلے کا سردار، ملت کا رہنما اندیشۂ عجم: ایرانی فکر اور سوچ جبرئیل آشوب: جبرئیل کے لیے تڑپ کا باعث

(۲۷)

۱-۵= خاک داں: مٹی کی دنیا، یہ مادی دنیا مرغزار: چراگاہ، جہاں سبزہ بہت ہو بیم: خوف، ڈر خدنگِ جستہ: کمان سے نکلا ہوا تیر راہ رو نکتہ داں: حقیقتوں سے آگاہ مسافر/ سالک

(۲۸)

۱-۷= حکیمانہ: فلسفیانہ حدیثِ رندانہ: رندوں کی سی بات، رندوں کے سے رنگ ڈھنگ، طور طریقے، جذبہ عشق بزمِ جانانہ: محبوب کی محفل محرم: واقفِ حال تشنہ: پیاسا غیاب: غایب یا دور ہونے کی حالت، محرومی فرزانہ: دانشمند، عقل مند

(۲۹)

۱-۷= اُمم: جمع امت، قومیں سناں: نیزہ یا تیر کی نوک، نیزہ، بھالا طاؤس: مور کی شکل کا ایک ساز رباب: ایک قسم کی سارنگی دبدبہ نادر: نادر شاہ بادشاہ کا رعب، شان و شوکت شوکت تیموری: تیمور جیسے بڑے فاتح کی شوکت و عظمت مے ناب: خالص شراب آغوشِ سحاب: بادل کی گود/ پہلو

(۳۰)

۱-۵= راہی: راستے پر چلنے والی، مراد حرکت میں ہونا، رواں دواں ہونا مرغ: پرندہ، پرندے ماہی: مچھلی نوری حضوری: فرشتے اور قدوسی بےسوادی: بے علمی کم نگاہی: کوتاہ بینی، گہری نظر نہ ہونا دنیائے دوں: گھٹیا یا کمینی دنیا، یہ مادی دنیا راہبی: گوشہ نشینی، خلوت میں بیٹھ جانا واہی: بیہودہ، لغو، بے سرو پا

(۳۱)

۱-۸= محو: مصروف خودنمائی: خود کو نمایاں کرنا، خود کو ظاہر کرنے کا عمل کبریائی: بڑائی، عظمت نمود: نمائش، خود کو ظاہر کرنا یا نمایاں کرنا

رائی: ایک چھوٹا سا دانہ پربت: پہاڑ کم آمیز: ایک دوسرے سے میل جول نہ رکھنے والے زردرُو: پیلے چہرے والا نمود سیمیائی: حقیقت سے خالی نمائش، جو بظاہر نظر تو آئے لیکن اس کا وجود نہ ہو عقدہ کشا: الجھن دور کرنے والے برہنہ پائی: ننگے پاؤں ہونے کی حالت

(۳۲)

۷- = اعجاز: معجزہ، کرامت پاسبانی: حفاظت گفتار دلبرانہ: پیار محبت کی یا دل لبھانے والی باتیں کردار: عمل، سیرت قاہرانہ: زبردست، باطل قوتوں کے خلاف جہاد کا عمل

(۳۳)

۱-۲ = رضا: مرضی، خواہش کیمیا گر: تانبے کو سونا بنانے والا چشم سرمہ سا: سرگیں آنکھیں، سرمہ لگی آنکھیں جن میں بڑی دل کشی ہوتی ہے مجذوب فرنگی: یورپی دیوانہ، اشارہ ہے مشہور مجذوب فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کرسکا اور اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا، اس کی کتاب Super Man (فوق البشر) مشہور ہے

(۳۴)

۱-۲ = خودآگاہی: اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے باخبر ہونے کی کیفیت عطاّر: مشہور مثنوی گو اور صوفی شاعر خواجہ فریدالدین عطارؒ ولادت چھٹی صدی کا نصف اول اور وفات ساتویں صدی ہجری کا ربع اول رومؔی: مولانا جلال الدین رومیؒ رازؔی: امام رازیؒ ولادت ۵۴۴ھ وفات ۶۰۶ھ غزاؔلی: امام غزالیؒ ولادت ۴۵۰ھ طوس، وفات ۵۰۵ھ کم کوش: کم کوشش کرنے والے یا محنت و عمل نہ کرنے والے طائر لاہوتی: لاہوت کا پرندہ، تصوف کی اصطلاح میں روحانی ترقی کی آخری منزل لاہوت ہے، جہاں خدا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، گویا روحانی ترقی کے بلند ترین مقام پر اڑنے والا پرندہ دارا و سکندر: دو قدیم مشہور بادشاہ، مراد بڑے بڑے بادشاہ بوئے اسداللہی: اسداللہ ہونے کی خوشبو یا جھلک، اسداللہ (اللہ کا شیر) حضرت علیؓ کا لقب حق گوئی: سچی بات روباہی: لومڑی پن، عیاری، مکاری

(۳۵)

۱-۶= جنگاہ: جنگ گاہ، میدانِ جنگ، لڑائی کا میدان تیغ بے نیام: ننگی تلوار جو میان میں نہ رکھی ہو قیام: نماز کی اصطلاح، اٹھنے کا عمل، مراد جہد و عمل تن آساں: آرام طلب

(۳۶)

۱-۶= مشتاقی: مراد عشق پے بہ پے: مسلسل، لگاتار دردآشنا: درددل رکھنے والا نشیمن: آشیانہ، گھونسلا، ٹھکانا صادق: سچی طلب: مانگ، مراد تڑپ تاب ناکی: ظاہری چمک دمک براقی: بجلی جیسی چمک دمک بجلی کے چراغ: بلب، الیکٹرک کے بلب آفاق گیری: کائنات یا دنیا کو تسخیر کرنے کا عمل زد: نشانہ غماز: آنکھ سے اشارہ کرنے والا/ والی، چغلخور کم اوراقی: تھوڑے پتے ہونا (اوراق جمع ورق، پتے) خلاقی: تخلیق، پیداوار

(۳۷)

۱-۵= روبرو کر: سامنے لا، اس کے مقابل کر مقامِ رنگ و بو: رنگ اور خوشبو کا مقام یعنی یہ دنیا جستجو: تلاش بے کرانہ: جس کا کوئی کنارہ نہ ہو، بے حد وسیع عریاں: برہنہ، لباس کے بغیر رفو کر: سی

(۳۸)

۱-۷= پیرانِ کلیسا و حرم: گرجے اور کعبے کے امام یا پیشوا، مذہبی رہنما کدو کاوش: جدوجہد اور کوشش فغفوری: بادشاہت، فغفور چین کے بادشاہوں کا لقب تھا (لفظی معنی دیوتا کا بیٹا) پیدائی: ظہور، ظاہر ہونے کی حالت مستوری: چھپنے یا پوشیدہ رہنے کی حالت ترکانِ عثمانی: ترکی کے بادشاہ ترکانِ تیموری: مغل بادشاہ، مغلیہ خاندان کے بادشاہ شاہینِ کافوری: سفید رنگ کا شہباز جو بہت کمیاب ہے

(۳۹)

۱-۵= بے چوب کلیم: حضرت موسیٰؑ کے عصا کے بغیر دانشِ حاضر: جدید دور کا فلسفہ اور سائنس سحر قدیم: پرانا جادو، فرعون کے جادوگروں کا جادو عیار: چال باز، فریبی غریبانِ محبت: محبت کے مسافر گراں سیر: وہ مسافر جو زیادہ بوجھ کے باعث تیز نہ چل سکے راحلہ و زاد: سواری اور راستے کا خرچ

نصاب: زروسیم یا دولت کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو

(۴۰)

۱-۷= تہی: خالی   قناعت: جو مل جائے اس پر راضی رہنا

(۴۱)

۱-۷= دوام: ہمیشگی   تمنائے خام: کچی خواہش، فضول یا بیکار قسم کی خواہش
روئداد: داستان، کہانی   ''ارنی'': مجھے اپنی صورت دکھا، حضرت موسیٰؑ نے
کوہ طور پر خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی صورت یا اپنا جلوہ دکھا
روا: جائز   افشائے راز: بھید ظاہر کرنا   شیوۂ رندانہ: مراد عشق کے طور
طریقے (انداز)   بےنم: نمی کے بغیر، بے اثر   تشنہ کام: پیاسا

(۴۲)

۱-۷= غیرتِ جبریل: جبریل کے لیے باعث رشک   صورِ اسرافیل: وہ سنکھ یا بگل
جو اسرافیل قیامت کے روز بجائیں گے، جس کی آواز پر مردے قبروں سے اٹھ
کھڑے ہوں گے   خلیلؑ: حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ جنہیں نمرود نے آگ میں
ڈال دیا تھا اور یہ آگ اللہ کے حکم سے گلزار بن گئی تھی   نشاطِ رحیل: کوچ کی
خوشی، مسرت   نظر: مراد بصیرت   تیغِ اصیل: مراد تیز کاٹنے والی تلوار
غریب: نرالی، انوکھی   نہایت: انتہا   حسینؓ: حضرت امام حسینؓ جنہیں
کربلا میں شہید کیا گیا   اسمٰعیلؑ: حضرت اسمٰعیلؑ جنہیں ان کے والد حضرت
ابراہیمؑ خدا کے حکم پر ذبح کرنے لگے لیکن پھر خدا کی طرف سے ان کی جگہ دنبہ رکھ
دیا گیا جسے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کر دیا (قرآنی تلمیح)

(۴۳)

۱-۵= رعنائی افکار: خیالات کی خوبصورتی و دل کشی/ بانکپن   خیبر: یہودیوں کا قلعہ خیبر
جسے حضرت علیؓ نے اپنی دلیری و جوانمردی سے فتح کیا تھا   حیدر کرار: حضرت علیؓ
آئینہ دیوار: شیشے کی دیوار یعنی نازک دیوار والا   سست بنیاد: کمزور بنیاد والا

(۴۴)

۱-۵= حادثہ: واقعہ، نئی بات   آئینہ ادراک: عقل و شعور کا آئینہ   شرر زندہ: مراد
تیز شعلہ   پیچاک: پیچ و خم، الجھاؤ

(۴۵)

۱-۷= کوشک: محل زرّاقی: مکروفریب داورِ محشر: یعنی خدا سادہ اوراقی: مراد اعمال نامے کا خالی ہونا، عمل نہ ہونا مردِ آفاقی: رنگ ونسل اور جغرافیائی حدود سے پاک آدمی مے شبانہ: رات کی شراب کرشمہ: ناز و ادا تریاقی: تریاق ہونا، تریاق جس سے زہر کا اثر دور کیا جاتا ہے براقی: چمک دمک

(۴۶)

۱-۷= مغربیوں: جمع مغربی، مراد اہل یورپ، فرنگی عروج: بلندی، عظمت کہکشاں: کاہ کشاں، چھوٹے چھوٹے ستاروں کی قطار جو آسمان پر اندھیری رات میں سڑک کی مانند دکھائی دیتی ہے نیلگوں: نیل گوں، نیلے رنگ کے کائنات: مراد سرمایہ مشعل: چراغ تیرہ: تاریک بے بصر: بینائی سے محروم مانع: رکاوٹ، روکنے والی/ والا حجت: دلیل لولاک: حدیثِ قدسی، اگر تو (حضور اکرمؐ) نہ ہوتا تو یہ کائنات پیدا نہ کی جاتی۔

(۴۷)

۱-۶= گوہر یک دانہ: یکتا یا بہت قیمتی موتی یک رنگی: ایک رنگ کا ہونا سنجرو طغرل: ایران کے مشہور اور بڑے مسلمان بادشاہ، مراد عظیم بادشاہ فارابیؔ: ابو نصر فارابی، مشہور فلسفی ولادت ۸۷۰ء وفات ۹۵۰ء رومیؔ: مولانا جلال الدین رومیؒ، وفات قونیہ ترکی ۶۷۲ھ عشق یداللہی: مراد حضرت علیؓ کا سا عشق جن کے ہاتھوں میں بہت قوت تھی اور ان کا وار کاری تھا دَیر: مندر، بت خانہ دربانی: پاسبانی میری: امیری، دولتمندی

(۴۸)

۱-۷= خلیلؑ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ جنہوں نے کعبہ کے بت توڑ ڈالے تھے لا الہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، توحید آوارگان: جمع آوارہ، ادھر ادھر بے مقصد بھٹکنے پھرنے والے خدایان: جمع خدا، کار فرما، کام چلانے والے نصیب: حصہ کدو: شراب کی بوتل

(۴۹)

۱-۴= اندیشۂ چالاک: تیز وطرار عقل صیقل: جلا، صفائی، پالش پہنائے

چمن: چمن کی وسعت، چمن کا پھیلاؤ   عرق ناک: شرم کے مارے پانی پانی ہو جانا

(۵۰)

=۷- سرور و رعنائی: مراد کھانا پینا، عیش و مستی اور بناؤ سنگھار   غرض: مطلب، ضرورت   تحقیر: کسی کی ہتک کرنا، توہین کرنا   کشاد: کھلا ہونا، فراخی
پرویز: ایران کا قدیم بڑا اور مشہور بادشاہ خسرو پرویز جو بڑا عیش پسند تھا
فرہاد: شیریں کا عاشق جسے پرویز نے شیریں کے مرنے کی جھوٹی خبر پہنچا کر اسے خودکشی پر مجبور کر دیا تھا   رموز: جمع رمز، مرادراز، بھید   رشی: ہندی لفظ بمعنی عابد، زاہد، خدا پرست یہ لفظ ہندو بھگتوں اور عابدوں کے لیے مخصوص ہے، علامہ نے یہاں یہ لفظ اس دور کے مشہور ہندو لیڈر مہاتما گاندھی آنجہانی کے لیے استعمال کیا ہے۔ گاندھی نے اس مقصد کی خاطر بہت برت (روزے) رکھے تاکہ ہندوؤں میں جو چار ذاتیں ہیں، جن کی وجہ سے وہ چھوت چھات اور پاک ناپاک کے چکر میں پڑے رہتے ہیں (ہندو اپنی اچھوت قوم کو ہاتھ لگانا یا ان کے ہاتھ کا پکا کھانا وغیرہ نہیں کھاتے تھے کہ وہ پلید اور ناپاک لوگ ہیں) وہ ختم ہو جائیں اور ان میں مساوات پیدا ہو جائے لیکن ہندوؤں نے اپنے رڈیوں سے گاندھی جی کی کوششیں بیکار کر دیں   کلیمی: حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا سا انداز، انہوں نے فرعون کے جادوگروں کے جادو کا توڑ اپنے عصا سے کیا تھا۔

(۵۱)

=۳- غمازی: چغل خوری، شکایت   حنابندی: مہندی لگانا، بناؤ سنگھار کرنا
خاکی: مراد اس دنیا کا رہنے والا   افلاکی: آسمانوں پر رہنے والا   رومی: ملکِ روم کا رہنے والا   شامی: ملک شام کا رہنے والا   کاشی: کاشان (ایران) کا رہنے والا   سمرقندی: سمرقند کا رہنے والا   آدابِ خداوندی: خدائی طور طریقے، یعنی تمام مخلوق سے اشرف و افضل ہونے کا جذبہ
تڑپ: مراد جذبہ عشق

(۵۲)

=۷ مُہرہ: نَرد، شطرنج کی گوٹ   رومیؒ: مولانا رومیؒ   رازیؒ: امام فخر الدین رازی   جامِ جمشید: ایران کے قدیم بادشاہ کا جام/ پیالہ جو شیشے کا بنا ہوا تھا،

ایک روایت کے مطابق اس میں سے دنیا کے حالات نظر آتے تھے، یہ محض داستان ہے، دراصل شیشے کی وجہ سے اس میں سے قریب پڑی ہوئی چیزیں نظر آتی تھیں شیشہ بازی: مرادعیاری و مکاری ترکی: ترکی زبان تازی: عربی زبان آزر: حضرت ابراہیمؑ کے دور کا مشہور بت ساز، مراد بت ساز خلیلاں: جمع خلیل، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے حوالے سے کہا ہے، جنہوں نے کعبہ کے تمام بت توڑ ڈالے تھے، مراد ان کی سنت پر عمل کرنے والے خارا تراشی: پتھر تراشنا اور بت بنانا خارا گدازی: پتھر پگھلانا پائندگی: ہمیشگی، بقا خاک بازی: مٹی چھاننا، فضول اور بیکار کام کرنا

(۵۳)

۱-۵= جَرَس: قافلے کے کوچ کی گھنٹی راحلہ: سواری سالک: تصوف یا سلوک کی راہ پر چلنے والا

(۵۴)

۱-۶= عارف: صاحب معرفت ذوقِ آتش آشامی: آگ پینے کا شوق، مراد تیز شراب پینے کا ذوق اعجمی: غیر عرب، عام آدمی، نادان زمزمہ سنج: نغمہ الاپنے والا، ترانہ گانے والا جامہ ہائے احرامی: احرام کا لباس، احرام وہ خاص لباس جو حاجی حج کے موقع پر پہنتے ہیں مقامِ شبیری: حضرت امام حسینؓ کا سا مقام و مرتبہ کوفی و شامی: مراد حق کے دشمن (کوفہ اور شام والے امام حسینؓ کے خلاف جنگ آزما ہوئے تھے) مقامِر: جواری، جوا کھیلنے والے پختہ کار: چالاک اور ہوشیار ہاتھ کی خامی: ناتجربہ کاری سنجر: سلطان سنجر، ایران کا عظیم مسلمان بادشاہ جنید: حضرت جنیدؒ وفات ۹۰۹ء بسطامی: حضرت بایزید بسطامیؒ وفات ۸۷۵ء بعض کے مطابق ۸۷۸۔۸۷۷ء لطفِ خاص: خاص مہربانی ناخوش اندامی: جسم کا غیر موزوں ہونا، جس پر کوئی لباس خوبصورت نہ لگے

(۵۵)

۱-۵= مہِ نو: ماہِ نو، پہلی کا چاند، ہلال تگ و دو: بھاگ دوڑ، دوڑ دھوپ، جہد و عمل واہوا: کھلا پرتو: سایہ، روشنی پنپ: سرسبز و شاداب ہونا سازگار: موافق،

راس ایبک: سلطان قطب الدین ایبک (اس کا مقبرہ انارکلی لاہور سے ملحقہ سڑک پر ہے) ہندوستان کا دوسرا مسلم بادشاہ تھا، گھوڑے سے گر کر ۱۲۱۰ء میں فوت ہوا غوری: سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان کا پہلا مسلم بادشاہ، ۱۲۰۶ء میں باطنی فرقے کے ایک پیرو نے قتل کر دیا خسرو: امیر خسروؒ، فارسی کے عظیم شاعر لقب ''طوطیِ ہند'' ولادت ۱۲۵۳ء، وفات ستمبر ۱۳۲۵ء' خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید خاص تھے

(۵۶)

۱-۵= فردا: آنے والا کل، مستقبل دوش: گذرا ہوا کل، ماضی دُرِناب: خالص موتی گلگونہ فروش: سرخی پوڈر بیچنے والا آہنگ: سُر تال سروش: آوازِ غیب، طبیعت سے اٹھنے والے نغمے

(۵۷)

۱-۵= شیری: شیر ہونا، مراد دلیری و بہادری روباہی: لومڑی پن، عیاری و مکاری شبانی: گڈریا پن، گلہ بانی تمہید: آغاز کلیم اللہی: اللہ سے باتیں کرنے والا ہونا، حضرت موسیٰؑ کچھ عرصہ حضرت شعیبؑ کے پاس رہے اور ان کی بھیڑ بکریاں چَراتے رہے، پھر ان کی بیٹی سے شادی کی اور مصر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں طور والا واقعہ پیش آ گیا، اس لحاظ سے ان کا گڈریا پن ان کے کلیم اللہ ہونے کی تمہید تھا قافلہ سالار: مراد ملت کے رہنما، لیڈر خوش الحان: اچھی یا سریلی آواز والا ظلمتِ شب: رات کی تاریکی

(۵۸)

۱-۳= سلمانؔ: مسعود سعد سلمان، غزنوی دور کا مشہور ایرانی شاعر جو لاہور میں پیدا ہوا، اسے لاہور سے بڑی محبت تھی، چنانچہ لاہور پر اس کی دلچسپ نظم بھی ہے، وہ لاہور کا حاکم بھی رہا، اور لاہور میں قید بھی رہا۔ ولادت ۱۰۴۶ء وفات ۱۱۲۱ء یا ۱۱۲۵ء خوش آہنگ: مراد اچھی شاعری والا جفاکش: سختیاں سہنے والے، محنت و مشقت کرنے والے تجسس: تلاش و کوشش فرہنگ: علم طاؤس: مور تقلید: پیروی

(۵۹)

۱-۷= سریر: تخت میروں کا میر: سرداروں کا سردار عفت: پاکی، پاکیزگی

مسیح: حضرت عیسیٰؑ مسیح   کلیم: حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ   جویائے راہ: راستہ تلاش کرنے والا   دانائے راہ: راستہ جاننے والا، راستے سے باخبر و آگاہ   مقامِ نظر: ایسا مقام جہاں سے سب کچھ نظر آتا ہے   مقامِ خبر: ایسا مقام جو صرف بتا سکتا ہے   موجود: مرادخالقِ کائنات، خدا   اشہدان لاالہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوااور کوئی معبود نہیں ہے

(٦٠)

١-٥= گرمِ طواف: چکر لگانے میں بے حد مصروف   حرم: کعبہ   غلاف: تکیہ وغیرہ کا اوپر کا کپڑا، یہاں مراد وہ مخملی غلاف جسے ہر سال حج کے موقع پر کعبہ کی مرکزی عمارت پر چڑھایا جاتا ہے   یک زباں: مراد کسی ایک بات پر متفق ہونے والے   اعراف: زمین سے بلند چیز، قرآن کریم کی رو سے جنت اور دوزخ کے درمیان کی بلندی جو دونوں (جنت و دوزخ) کو ایک دوسرے سے الگ الگ کرتی ہے   رازیؔ: امام فخرالدینؒ رازی   صاحبِ کشاف: جاراللہ محمود زمخشری جس کی تفسیر قرآن کا نام کشاف ہے اور مستند تفسیر سمجھی جاتی ہے   نزولِ کتاب: مراد ضمیر قرآن کریم کا نازل ہونا   تہ جرعہ: تلچھٹ

(٦١)

١-٦= رقیب: ایک دوسرے کے مقابل، مراد دشمن   خطیب: خطبہ دینے والا، مراد مذہبی رہنما   سخن رس: بات کی تہ تک پہنچنے والا   شعرِ غریب: انوکھا یا نادر شعر   ہم جوار: ہمسایہ، تاریخی تلمیح کی طرف اشارہ ہے، غازی مصطفیٰ کمال اتاترک کی قیادت میں ترک اسلامی اور ایشیائی قوموں کی بجائے یورپ کے زیادہ قریب ہو گئے تھے اور اپنے اس عمل پر انہیں فخر بھی تھا، پھر ان کے طور طریقے بھی اہل یورپ کے سے ہو گئے، یہاں تک کہ کمال نے ترکی رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط کو رواج دیا۔

قطعہ

١-٣= مناجات: دعا   جمادات: جمع جماد، بے جان چیزیں، پتھر، دھات وغیرہ   نباتات: جمع نبات، پودے، سبزیاں

رُباعیات

۱-۳۹= نامحرمانہ: ناواقفی، بیگانگی، اجنبیت کلیسا: عیسائیوں کی عبادت گاہ، گرجا
پیراہنِ چاک: پھٹا ہوا لباس ظلامِ بحر: سمندر کی تاریکی مکانی: مراد
خاص جگہ، یہ دنیا لامکانی: مراد خدا یا محبوب حقیقی کا عرش نشین ہونا
پریشاں: منتشر، ادھر ادھر بکھرا ہوا/بکھری ہوئی رنگین نوائی: دلنشین نغمے
خلیلؑ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ جنہیں نمرود نے آگ میں ڈالا تھا جو خدا کے حکم
سے گلزار بن گئی آتش نشینی: آگ میں بیٹھنا خودگزینی: مراد خودی،
اپنی حقیقت اور اپنی اہلیتوں صلاحیتوں سے آگاہ ہو کر ان میں پختہ ہونا
سازِعجم: مراد دنیا بھر کی فلاح و بہبودی توحیدِ اُمم: امتوں/قوموں کی وحدت
تہی: خالی اندیشہ غرب: یورپ والوں کے افکار و خیالات نَے
نوازی: بانسری بجانا اور اس کے ذریعے پیغام حق پہنچانا مقامِ نغمہ: نغمے کا سُر
تال تازی: عربی آلودہ: لتھڑی ہوئی غزنوی: سلطان محمود
غزنوی جیسے بادشاہ کی طبیعت ایازی: ایاز، محمود غزنوی کا غلام تھا، مراد
غلامی مکیں: موجود، رہ رہا ہے اسیر: قیدی، گرفتار گردش
دَوراں: زمانے کی گردش افلاکی: یعنی بلند لولاکی: مراد صاحب
لولاک، حضور اکرمؐ کا غلام اصل: بنیاد، فطرت بے باکی: بے خوفی
مصطفائی: حضور اکرم محمد مصطفیؐ کے اوصاف کبریائی: خدائی عظمت زد:
نشانہ رنگ و بو: مراد یہ مادی دنیا چارسو: چار طرفیں مشرق، مغرب،
شمال، جنوب، مراد حدود، دنیا اللہ ھو: وہی اللہ ہے، صوفیوں کا ایک نعرہ جو
وہ آنکھیں بند کر کے اور دل میں خدا کا تصور کر کے خلوت میں لگاتے رہتے ہیں
ظرفِ حیدرؓ: مراد حضرت علیؓ حیدر کرار کی سی بلند حوصلگی حرفِ رازی: امام فخر
الدین رازی کی فلسفیانہ باتیں یا موشگافیاں حاصل: پیداوار، ثمرہ
وہ: یعنی محبوب حقیقی ناقہ: اونٹنی محمل: کجاوہ جادہ: راستہ
خاشاک سوزی: گھاس پھوس یا تنکوں کو جلانے کا عمل دم: سانس گرمیِ
محفل: بزم یا انجمن کی رونق جوہر: استعداد، اہلیت، خوبی فروغ:

روشنی فروغِ دیدۂ افلاک: آسمانوں کی آنکھ کا تارا صیدِ زبوں: معمولی شکار شہِ لولاک: یعنی حضور اکرمؐ کج: ٹیڑھی پریشاں: منتشر، صحیح حالت میں نہ ہونا، غیر مطمئن، بے چین جذب اندروں: مرادعشق حقیقی کا جذبہ مقام رنگ و بو: مراد یہ دنیا برنگِ بحر: سمندر کی طرح کف: جھاگ، کنارے پر اٹھنے والے بلبلے دامن کھینچتا جا: دامن بچائے رکھ رختِ گل: پھول کا سامان، لباس سمن: چنبیلی کا پھول راہ رَو: راستہ چلنے والا، مسافر روشن بصر: روشن آنکھ یا بینائی والا درونِ خانہ: گھر کے اندر جہانِ مرغ و ماہی: پرندوں اور مچھلیوں کی دنیا، یہ مادی دنیا محکوم: حکم کیا گیا، غلام طغرل وسنجر: ایران کے مشہور اور عظیم مسلمان بادشاہ جہاں بینی: دنیا کو دیکھنے کا عمل، دنیا کے حالات پر گہری نظر ہونا جمشید: قدیم ایران کا مشہور بادشاہ جس کا جام شراب شیشے کا بنا ہوا تھا اور روایت کے مطابق اس میں سے باہر کی دنیا کے حالات نظر آتے تھے، دراصل شیشے کی وجہ سے اس جام میں باہر کی چیز نظر آتی تھی جسے ''دنیا کے حالات'' بنا دیا گیا بے خانماں: جس کا کہیں یا کوئی گھر نہ ہو (خانہ و مان کی تخفیف ہے، یعنی گھر اور سامان) اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے والا نوشیرواں: قدیم ایران کا مشہور اور عظیم بادشاہ دَمن: دامن، پہاڑ سے ملی ہوئی زمین، دشت و در، پہاڑ کی وادی خیبر شکن: مراد یہودیوں کے بہت بڑے قلعہ کو فتح کرنے والا، قلعہ توڑنے والا اسلاف: جمع سلف، پرانے بزرگ جذب درون: باطن یا دل کا جوش و جذبہ جو عشق کی علامت ہے زمرہ: جماعت، گروہ ''لاتحزنوں'': قرآنی آیت یہ الفاظ قرآن کی کوئی آٹھ سورتوں ......البقرا، آل عمران آیت ۱۷۰، المائدہ آیت ۶۹، الانعام آیت ۴۸، الاعراف آیت ۳۵، یونس آیت ۶۲ وغیرہ البقرہ کی ۶ آیتوں میں ہیں، نمبر ۳۸، ۶۲، ۱۱۲، ۲۶۲، ۲۷۴، ۲۷۷، یہاں جو حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ یونس سے ہے بوالحسن: مشہور صوفی حضرت ابوالحسن بصری مرگِ بدن: جسم کی موت اہتمام: بندوبست بندگی: بندہ ہونا، خدا کا بندہ ہونا استغفراللہ: خدا کی پناہ خشک وتر: تمام خشکی اور پانی کا علاقہ، مراد کائنات بے بصر: بصیرت سے عاری

خود بیں: خود کو دیکھنے والا، اپنی حقیقت و صلاحیت سے آگاہ   خدا بیں: خدا کی معرفت سے ناواقف   جہاں بیں: دنیا یا کائنات کے رازوں سے باخبر   دم عارف: صاحب معرفت و عرفان کا سانس   ریشۂ معنی: حقیقت کا رگ و ریشہ   شعیبؑ: غزل ۵۷ کی لغت دیکھیے   شبانی: گلہ بانی، چرواہے کا کام   کلیمی: مراد خدا سے کلام کرنا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے کیا تھا   اسرارِ نہانی: چھپے ہوئے راز (اسرار جمع سر، بھید، راز)   ''لن ترانی'': تو نہیں دیکھ سکتا، کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کی خدا سے گزارش پر خدا کا جواب، قرآنی تلمیح   حدیث: بات   نمودار: ظاہر   مہدی: ہدایت کرنے والا آخر زمانی: آخری زمانے میں آنے والا، مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قیامت سے پہلے جب دنیا میں فسق و فجور حد سے بڑھ جائے گا تو اللہ تعالیٰ ایک مہدی بھیجے گا جو دنیا کی باطل قوتوں کو تہس نہس کر کے اسلام کا پرچم بلند کرے گا، اسے آخری دور کا مجدد سمجھا جاتا ہے، گویا یہی مہدی اور آخر زمانی ہے جاودانہ: ہمیشہ رہنے والی   دوش: گذرا ہوا کل، زمانہ ماضی   فردا: آنے والا کل، زمانہ مستقبل   امروز: آج، زمانہ حال   حکیمی: حکمت و فلسفہ کی باتیں یا باریکیاں   نامسلمانی: مسلمان نہ ہونا، اسلام سے دوری رمزِ پنہانی: چھپا ہوا راز   گر: آسان اصول   غریبی: مفلسی نگہبانی: حفاظت   نارسا: نہ پہنچنے والی، بے اثر

قطعہ

=۲ اہلِ خیاباں: باغ والے، اہلِ چمن (خیابان بمعنی کیاری، جدید فارسی میں ROAD کے معنی ہیں)   نشاط آور: مسرت و سرور لانے والا، ولولہ انگیز   طرب ناک: خوشی و انبساط سے بھرا ہوا   چاک: تار تار

دُعا

=۱ قرطبہ، ہسپانیہ (سپین) کا ایک مشہور شہر جہاں دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کا رقبہ دو لاکھ ترانوے ہزار نو سو بیس فٹ ہے۔ اس میں سنگِ مرمر کے

۱۴۱۷ استون ہیں اور مینار ایک سو دس فٹ بلند ہیں، اس کا منبر ہاتھی دانت کا تھا جس پر بہت سے جواہرات لگے ہوئے تھے، رات کو اس میں دس ہزار جھاڑ فانوس روشن ہوتے تھے اور ہر جھاڑ چار سو اسی پیالوں (۴۸۰) کا تھا۔ چودھوی صدی عیسوی کے نصف اول میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو ملک پر قبضہ کرنے والے نے اس مسجد کے محراب کے سائے میں گرجا تعمیر کر لیا۔ علامہ ۱۹۳۲ء میں جب یہاں گئے تھے تو ایسا زمانہ تھا جب یہ عظیم مسجد اذان تک سے محروم تھی اور آج بھی ہے، قرطبہ مسلمانوں کا دارالحکومت بھی رہا ہے، اس کے مکانوں کی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار تھی، دکانیں اسی ہزار چار سو، مسجدیں سات سو، حمام نو سو، کارخانے پانچ ہزار تین سو، آبادی دس لاکھ تھی، دس میل لمبی سڑک پر اتنی روشنی تھی کہ اس پر دن کا گمان ہوتا تھا، شہر میں درس گاہوں کا بھی کوئی شمار نہ تھا، پانی کے لیے نل لگائے گئے تھے اور ہر جگہ خوبصورت فوارے بنائے گئے تھے، گندے پانی کے نکاس کے لیے نالیاں تعمیر کی گئی تھیں، غرض یہ عظیم شہر مسلمان حکمرانوں کی عظمت اور ان کے عوامی خدمت کے جذبوں کا ایک عملی نمونہ تھا، جسے بدقسمتی سے خبیث و ظالم عیسائی غاصبوں اور قابضوں نے بگاڑ کے رکھ دیا

اہلِ صفا: پاکیزہ یا پاک باطن و دل حضرات
سرخوش: بہت اچھا، بہت ترو تازہ
لبِ آبجو: ندی کے کنارے
پُرسوز: مراد سرخی، لالہ کے اندر سرخی ہوتی ہے، اس لیے پُرسوز کہا
رفیق: ساتھی، ہمراہی
مطلع: طلوع ہونے کی جگہ، طلوع
صبحِ نشور: قیامت کی صبح
اللہ ہو: صرف وہی اللہ یا خالق و معبود ہے
کاخ و کو: محل اور کوچے (گلیاں)
شرابِ کہن: پرانی شراب، مراد وہ پرانا جذبۂ عشق جس سے پہلے مسلمان سرشار تھے
جلوتی: محفل یا بزم میں بیٹھنے والے، دنیا کی چہل پہل اور رونق میں دلچسپی لینے والے، دنیا دار
خلوتی: اہل تصوف جو خانقاہ نشین ہوتے ہیں
لامکاں: جس کی کوئی حد نہ ہو، عرشِ خدا
چار سو: چار طرفیں، یہ دنیا
روبرو: آمنے سامنے، کھل کر

مسجدِ قرطبہ (اس پر نوٹ آچکا ہے)

پہلا بند

۸- = نقش گر: نقش بنانے والا سلسلۂ روز و شب: دن اور رات کی گردش، مراد زمانہ ممات: موت حریرِ دو رنگ: دو رنگا ریشم (سفید یعنی دن، سیاہ یعنی رات) ذات: یعنی خالقِ کائنات، خدا تعالیٰ کی ذات زیر و بم: نچلے اور اونچے سُر (ساز کے حوالے سے) روز و شب ممکنات: ممکن کی جمع، خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر مخلوق صیرفی: صراف، کھرے کھوٹے کو پرکھنے والا کم عیار: جو معیار پر پورا نہ اترے، وزن اور خاصیت کے لحاظ سے اس میں کمی ہو برات: مقدر، قسمت بے ثبات: فانی و عارضی، ناپائیدار کہن: پرانا

دوسرا بند

۸- = ثباتِ دوام: ہمیشہ پائیدار رہنا صاحب فروغ: ترقی پذیر، ترقی پانے والا مردِ خدا: وہ انسان جس کے تمام کام خدا کی رضا کے مطابق ہوں سبک سیر: تیز رفتار تقویم: جنتری، کیلنڈر پیکرِ گل: مٹی کا ڈھانچا، مراد انسان جو مٹی سے بنا ہے تابناک: روشن، آب و تاب والا صہبائے خام: ایسی شراب جس میں کچھ ملایا نہ گیا ہو اور وہ خالص ہو کاس الکرام: (کاس: پیالہ، کرام: سخی) اہل کرم کا پیالہ جس سے دوسروں کو بھی حصہ ملے ابن السبیل: راستے کا بیٹا یعنی مسافر امیرِ جنود: لشکر کا سالار، سپہ سالار فقیہ: شرعی مسائل جاننے والا، مراد پاک باطن عالم

تیسرا بند

۸ = حرمِ قُرطبہ: مراد مسجد قرطبہ رفت و بود: یعنی فنا (رفت: وہ گیا، بود: وہ تھا) خشت: اینٹ چنگ: منہ سے بجایا جانے والا باجا صوت: آواز

سِل: پتھر　سرود: نغمہ، راگ　دل فروز: دل کو روشن کرنے والی
سینہ سوز: سینہ جلانے والی، مراد سینے میں عشق حقیقی کی تڑپ پیدا کرنے والی
کشود: سلجھاؤ　کفِ خاک: مٹی کی مٹھی، انسان　سپہرِ کبود: نیلا آسمان
لے: نغمہ، سُر　نے: بانسری　رگ و پے: جسم کی رگیں اور پٹھے، مراد
جسم کا رُواں رُواں یا ریشہ ریشہ

چوتھا بند

۱-۸= جلیل و جمیل: شان و عظمت اور حسن و جمال والی/ والا　بِنا: بنیاد، عمارت
در و بام: دروازے اور چھتیں یا چھت　شام: ملکِ شام　ہجوم نخیل: کھجور
کے درختوں کی کثرت　وادی ایمن: جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا
تھا، وادی سینا　سِرِ کلیمؑ و خلیلؑ: حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیمؑ خلیل
اللہ کا راز　بے حدود: جس کی کوئی حد نہ ہو، لامحدود، نہایت وسیع　بے
ثغور: جس کی سرحدیں نہ ہوں (ثغور جمع ثغر، سرحد)　دجلہ: عراق کا مشہور
دریا　ڈینوب: وسطی یورپ کا مشہور دریا ڈینیوب جو جنوبی جرمنی سے نکلتا اور
آسٹریا، ہنگری اور رومانیہ میں سے گذرتا ہوا بحیرۂ اسود میں گرتا ہے
نیل: مصر کا مشہور دریا　غریب: حیران کن، انوکھے　رحیل: کوچ
فارس: شہسوار　رحیق: صاف اور خالص شراب　اصیل: تیز کاٹ
والی　پنہ: پناہ کا مخفف

پانچواں بند

۱-۸= نیاز: عاجزی، خاکساری　غالب: جسے دوسروں پر غلبہ حاصل ہو　کارآفریں:
نئے سے نیا اور مفید کام کرنے والا　کارکشا: مشکل کام کو آسان بنانے والا
کارساز: بگڑے کام سنوارنے والا　نوری نہاد: جس کی فطرت نوری ہو　مولا
صفات: جس میں آقا و مولا کی صفتیں ہوں　غنی: بے نیاز　قلیل: تھوڑا، کم
جلیل: عظیم　دمِ جستجو: خدا کی تلاش کے وقت　رزم: جنگ، لڑائی　نقطہ
پرکارِ حق: ایسا مرکز جس پر خدا کی پرکار گھومتی ہے　مجاز: غیر حقیقی

چھٹا بند

=۸ سطوت: شوکت وعظمت   دینِ مبیں: روشن دین، اسلام،   حرم مرتبت: کعبہ کے ہم رتبہ، یعنی بہت عزت وحرمت والی   تہِ گردوں: آسمان کے نیچے، دنیا میں   نظیر: مثال   ''خلق عظیم'': قرآنی آیت کا اقتباس ''اے رسولؐ! تو بڑے خلق پر پیدا ہوا ہے'' سورہ القلم۔ آیت: ۴   ظلمت یورپ: یورپ کی تاریکی، یورپ کے DARK AGES کی طرف اشارہ ہے، یعنی جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا   صدق: سچائی، راست بازی   اُندلسی: اندلس کے رہنے والے، اندلس، ہسپانیہ کے ایک صوبے کا نام تھا، مسلمانوں کے دَور میں یہ لفظ پورے اسلامی ہسپانیہ کے لیے مستعمل تھا   گرمِ اختلاط: اپنے پرائے سے بے تکلف تواضع کے ساتھ ملنے جلنے والے، مہمان نواز، پرتپاک   روشن جبیں: روشن پیشانیوں والے، حسین، خوبصورت   چشمِ غزال: ہرن کی سی آنکھیں، حسیناؤں کی دلکش آنکھیں

ساتواں بند

=۸- بلاخیز: ہلچل ڈالنے والا   المنی: جرمنی   اصلاح دیں: مراد ہے وہ تحریک (REFORMATION) جو جرمنی کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر پادری مارٹن لوتھر نے یورپ اور روم کے کلیسا کے خلاف اٹھائی تھی، جس کی بنا پر عیسائیوں کے دو فرقے بن گئے، پوپ کے ماننے والے کیتھولک کہلائے اور لوتھر کے پیرو پروٹسٹنٹ، رومن کیتھولک کی تعلیمات میں یہ دو عجیب باتیں تھیں (۱) پوپ عیسائیوں کے گناہ معاف کرسکتا ہے، چنانچہ معافی ناموں کی فروخت کا باقاعدہ کاروبار ہوتا تھا۔ (۲) حقانیت کا دارومدار کلیسا پر ہے، بائبل پر نہیں، ۱۵۱۷ء میں لوتھر نے ان دونوں نظریات کے خلاف آواز بلند کی اور ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو شہر کے سب سے بڑے گرجے کے دروازے پر اپنا احتجاج لکھ کر لگا دیا، چنانچہ اسی بنا پر اس کے پیرو PROTESTANT کہلائے، ۱۵۳۰ء میں پوپ نے لوتھر کو کلیسا سے خارج کر دیا لیکن اس کی تحریک کے باعث عیسائی دنیا کی اکثریت کو پوپ کی

غلامی سے نجات مل گئی   پیر کنشت: مراد پوپ، کلیسا کا سب سے بڑا پادری/ بزرگ   فرانسیس: فرانس، فرانسیسی   انقلاب فرانس: ۵ مئی ۱۷۸۹ء کو پیرس میں شخصی حکومت (بادشاہت) کے خلاف سارے ملک کے نمائندوں کی میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملوکیت/ بادشاہت کو ختم کر کے جمہوریت قائم کی جائے۔ چنانچہ تین سال کی جدوجہد کے بعد ۱۷۸۲ء میں وہاں جمہوریت قائم ہوگئی اور بادشاہ لوئی شانزدہم (سولہواں لوئی) کو جنوری ۱۷۹۳ء میں اور اس کی ملکہ کو اکتوبر ۱۷۹۳ء میں بجلی کی کرسی پر بٹھا کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ یہ واقعہ انقلابِ فرانس کہلاتا ہے   رومی نژاد: اٹلی کے لوگ، اطالوی   کہنہ پرستی: پرانی چیزوں کی عبادت/ پوجا کرنے کا عمل   پیر: بوڑھی، بوڑھا   لذتِ تجدید: تازہ کرنے کی لذت، اشارہ ہے مسولینی کی جدوجہد کے باعث اٹلی کو برتری و عظمت ملنے کی طرف، لیکن دوسری جنگ عظیم یورپ میں یہ عظمت بھی وہاں کی دوسری عظمتوں کی طرح ختم ہوگئی   گنبدِ نیلوفری: نیلا آسمان

آٹھواں بند

۱-۸= سحاب: بادل   لعل بدخشاں: بدخشاں کے لعل مشہور ہیں، بدخشاں، پاکستان اور خراسان کے درمیان علاقہ جو لعل کی گویا منڈی ہے   دخترِ دہقاں: کسان کی بیٹی، دیہاتی لڑکی   آبِ روانِ کبیر: کبیر کا بہتا ہوا پانی، الکبیر اندلس کا مشہور دریا جس کے دونوں کناروں پر قرطبہ آباد ہے اور مسجد قرطبہ اس کے قریب واقع ہے   کوئی: یعنی خود علامہ اقبال   بے حجاب: مراد نمایاں، بے نقاب، واضح طور پر   تاب: قوتِ برداشت   امم: جمع امت، امتیں، قومیں   کشمکش: کھینچا تانی   حساب: مراد جائزہ لینا، جانچ پڑتال کرنا   سودائے خام: غلط خیال، بیکار بات

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

۱-۴= بے شرر: جس میں کوئی چنگاری نہ ہو، سوز سے خالی   مردِ حُر: آزاد مرد

زنداں: قید خانہ تیغ دودم: دو دھاری تلوار، جو دونوں کناروں سے کاٹ کرتی ہے

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت......

عبدالرحمٰن اول: اندلس میں اموی سلطنت کا بانی اور اندلس کا پہلا مسلم فرمانروا اور مسجد قرطبہ کی تعمیر کا آغاز کرانے والا تھا۔ بیس برس کا تھا جب عباسیوں نے اموی سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور اس خاندان کے ہر فرد کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمٰن جان بچا کر بھاگا اور شام و مصر سے ہوتا ہوا اندلس پہنچا۔ یہاں اس نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ اندلس کے اموی گورنر پر فتح پائی اور چند سالوں میں اپنی سلطنت مضبوط کر لی۔ جانباز و دلیر اور خوش اخلاق حکمران تھا۔ اسی سے اندلس کی اسلامی سلطنت کو عروج ملا۔ اس نے مسجد قرطبہ کے ساتھ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کروایا اور اس کے پچھلے باغ میں ملک شام کی کھجور کی گٹھلی سے درخت بویا۔ ایک دن شام کے وقت وہ حسب معمول اس باغ میں ٹہل رہا تھا اور اپنے عزیزوں، دوستوں وغیرہ کی بے وفائی و غداری سے آزردہ خاطر تھا۔ اسی عالم میں اس کی نظر کھجور کے درخت پر پڑی جس سے اچانک اس کی وطن کی یاد تازہ ہوگئی اور دل بھر آنے پر بے اختیار چند اشعار اس کی زبان پر جاری ہوئے۔ اس نظم کا پہلا حصہ ان اشعار کا آزاد ترجمہ ہے اور دوسرے بند میں علامہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔
(عبدالرحمٰن ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۲ھ/ ۷۹۰ء میں فوت ہوا۔)

پہلا بند

۱-۵= وادی: مراد اپنا وطن نخلِ طور: طور کا وہ درخت جس پر حضرت موسیٰؑ پر خدا کا جلوہ ظاہر ہوا تھا مغرب: یورپ ناصبور: بیقرار، بے چین غربت: پردیس بارور: پھلے پھولے نم سحر: صبح کی نمی، شبنم

دوسرا بند

۵-= پارہ پارہ: ٹکڑے ٹکڑے شناوری: تیرنا، تیراکی پیدا: ظاہر، نمایاں

شام: ملک شام جو عبدالرحمٰن کا اصل وطن تھا، جہاں سے وہ اندلس پہنچا تھا، اسی لیے اسے ٹوٹا ہوا ستارہ کہا ہے

ہسپانیہ

۱-۷ = امیں: امانت دار، محافظ   بادِ سحر: صبح کی ہوا، فضا   سنانیں: جمع سنان، نیزوں کی نوکیں   کوہ و کمر: پہاڑ اور اس کا دامن   حنا: مہندی   تب و تاب: چمک دمک، تپش و حرارت   غرناطہ: اندلس کا مشہور شہر جو قرطبہ کی عظمت مٹ جانے کے بعد ہسپانیہ کے آخری مسلم حکمران خاندان کا دارالحکومت تھا، جو ۱۴۹۲ء میں ہسپانیہ کے عیسائی حکمران شاہ فرڈی نینڈ کے حوالے ہوا۔ الحمرا نام کا مشہور شاہی محل اسی شہر میں تھا، جس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے
حضر: سفر کی ضد، اقامت، قیام

طارق کی دعا
(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

= طارق: طارق بن زیاد، بربر قوم سے تعلق تھا۔ جب اس قوم نے اسلام قبول کیا تو ان کے والد بھی مسلمان ہو گئے۔ نوجوانی ہی میں بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چنانچہ سلطنت امیہ کے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ جب موسیٰ بن نصیر خلیفہ ولید کے دور میں افریقہ کا حاکم بنا تو اس نے طارق کو ۹۲ ہجری (۷۱۱ء) میں سات ہزار فوج دے کر اندلس پر چڑھائی کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہاں وہ ایک پہاڑ پر ٹھہرے جو آج تک جبل الطارق یا جبرالٹر کے نام سے مشہور ہے۔ طارق نے آغاز میں گرد و نواح کے علاقے فتح کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے مزید پانچ ہزار فوج بھیج دی اور وہ رمضان ۹۲ھ میں دریائے لکہ کے کنارے سپین کے بادشاہ راڈرک کی ایک لاکھ فوج سے معرکہ آرا ہوئے اور اسے شکست دے کر وہاں اسلامی جھنڈا لہرا دیا ''طارق کی دعا'' میں دراصل علامہ نے طارق کے ان جذبات کی عکاسی، اپنے الفاظ میں کی ہے جو اندلس کے میدانِ جنگ میں جنگ شروع ہونے سے قبل، طارق کے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

دراصل طارق نے ہسپانیہ کے ساحل پر اترتے ہی کشتیاں جلانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ کسی مجاہد کو واپسی کا خیال تک نہ آئے اور وہ سراپا عزم و ہمت اور دلیری کا مجسمہ بن کر دشمن سے ٹکر لیں۔ یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی کل بارہ ہزار فوج نے ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کر کے اسے زبردست شکست دی۔ علامہ نے ''پیامِ مشرق'' میں بھی طارق کے کشتیاں جلانے کے واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا پہلا شعر ہے:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست

۱-۱۰= پراسرار بندے: ایسے انسان جن کے راز ہر کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے دونیم: دو ٹکڑے ہیبت: خوف، دبدبہ رائی: ایک قسم کی سرسوں جس کا دانہ بہت چھوٹا ہوتا ہے، مراد دانہ مالِ غنیمت: شکست خوردہ فوج کا وہ مال جو فاتح فوج کو لوٹ میں ملے کشور کشائی: ملک فتح کرنا یا کرنے، سلطنت و حکومت خیاباں: پھولوں کی کیاری، باغ (جدید فارسی میں بمعنی Road جیسے خیابانِ اقبال) یکتا: بے مثل خبر: مراد دین وحیات کی حقیقتوں سے باخبری نظر: مراد بصیرت جو کسی شے کی گہرائی تک دیکھتی ہے کشاد: حل، کھلنا ''لاتذر'': سورۂ نوح کی آیت کی طرف اشارہ ہے، ''نوحؑ نے خدا سے کہا کہ اے میرے رب! زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑ'' عزائم: جمع عزم، بلند حوصلے

لینن (خدا کے حضور میں)

= لینن: مشہور روسی انقلاب پسند اور کمیونزم کا بہت بڑا حامی اور روس کا پہلا صدر، ولادت ۱۸۷۰ء بمقام سمبرسک، اصل نام ولادیمر اِلچ اولیا نوف (VLADIMIR ILITCH ULIANOV) تھا۔ اس کا باپ سکولوں کا انسپکٹر تھا۔ بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں زارِ روس کے خلاف سازش کے جرم میں اس کے بڑے بھائی کو پھانسی دی گئی، جس کا لینن نے شدید اثر لیا اور انقلابی جذبے سے سرشار ہو کر اور زبردست قوتِ ارادی کا مالک ہونے کے

باعث اس نے تیس برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد جدید دور کا سب سے بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ ۱۸۹۷ء میں اس نے اشتراکیت (کمیونزم) کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنالیا۔ ۱۸۹۸ء میں اسے تین برس کے لیے مشرقی سائبیریا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے روس کو خیر باد کہا اور ٹراٹسکی کے ساتھ مل کر اشتراکیت کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ نکالا۔ روس کا ۱۹۱۷ء کا انقلاب اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ روس میں موجودہ بالشویک حکومت کی بنیادیں اسی نے استوار کی تھیں۔ ۱۹۲۴ء میں فوت ہوا۔

۱-۲۲= انفس و آفاق: روحوں کی اور جسموں کی دنیا (انفس جمع نفس مراد روحوں کی دنیا، آفاق جمع افق، مراد جسموں کی یا مادی دنیا) پیدا: ظاہر، نمایاں آیات: جمع آیت، نشانیاں متغیر: بدلتے رہنے والے بینائے کوکب: ستاروں کو دیکھنے والا، ماہر علم نجوم، نجومی (کواکب: جمع کوکب، ستارے، بینا: دیکھنے والا، مراد ماہر) دانائے نباتات: علم نباتات کا ماہر خرافات: بیہودہ اور لغو باتیں اعصار: جمع عصر، زمانے نگارندہ: لکھنے والا آنات: جمع آن، اوقات اسلوب: انداز، روش، طریقہ متلاطم: طوفان برپا کرنے یا ہجوم کرنے والے معبود: جس کی عبادت کی جائے سماوات: جمع سما، آسمان درخشندہ: چمکتے ہوئے، چمکتی ہوئیں فلزات: دھاتیں چشمہ حیواں: آب حیات کا چشمہ، ایک مفروضہ چشمہ جس کا پانی پینے سے انسان ہمیشہ کے لیے زندہ رہتا ہے، اس تک رسائی کے لیے بہت گہرے اندھیروں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق سکندر یونانی نے خضرؑ کو اپنا رہنما بنا کر اس چشمے کی تلاش شروع کی۔ حضرت خضر نے تو پانی پی لیا لیکن سکندر تاریکیوں میں آگے نہ بڑھنے کے باعث اس پانی سے محروم رہا۔ حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سارا واقعہ محض ایک داستان ہے ظلمات: جمع ظلمت، تاریکیاں رعنائی: خوبصورتی و زیبائی مرگِ مفاجات: اچانک کی موت مساوات: سب انسانوں کو برابر حقوق حاصل ہونے کی صورتِ حال، برابری مدنیت: تہذیب و تمدن فیضانِ سماوی: آسمانی فیض بخارات: جمع بخار، بھاپ، مراد بھاپ سے چلنے والی مشینیں شاطر: شطرنج کا کھلاڑی،

چالاک   غازہ: سرخی جو عورتیں چہرے کو لگاتی ہیں   مکافات: بدلہ
تزلزل: زلزلہ، تغیر، انقلاب، تہ و بالا ہونے کی صورتِ حال   پیرانِ خرابات:
میخانے کے منتظمین

فرشتوں کا گیت

-۵= بے زمام: جس کی لگام یا باگ ڈور نہ ہو   کوچہ گرد: گلی کوچے میں پھرنے والے، جن کا کوئی ٹھکانا نہ ہو   بلند بام: اونچی چھت والا، اونچے اونچے محل والے   بندگی: غلامی   گرہ کشا: مسئلے حل کرنے یا الجھنیں دور کرنے والا   پردگی: چھپی ہوئی

فرمانِ خدا (فرشتے سے)

-۸= کاخِ امرا: امیر یا بادشاہوں کا محل   کنجشک: چڑیا   فرومایہ: جس کی کوئی حیثیت نہ ہو، ناچیز   حائل: رکاوٹ ڈالنے والے   بسجودے: ایک سجدہ سے   بطوافے: ایک طواف سے   مرمری سلیں: سنگ مرمر کی صلیں جن سے کعبہ تعبیر کیا گیا ہے   تہذیب نوی: جدید تہذیب

ذوق وشوق

پہلا بند

علامہ اقبال دسمبر ۱۹۳۱ء میں عالمی مسلم کانگریس فلسطین میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ کوئی آٹھ دن بیت المقدس میں رہے۔ کانگریس کے جلسوں میں شرکت کے علاوہ انہوں نے فلسطین کے بعض مشہور اور مقدس مقامات بھی دیکھے۔ اس نظم کے پہلے بند کے پہلے دو شعروں میں مشہور عربی ''قصیدہ بردہ'' کی شعری تلمیحات آ گئی ہیں۔

= نمود: ظہور، نمایاں ہونا   سود: فائدہ   زیاں: نقصان   کبود: نیلی   سحاب: بادل   کوہِ اضم: حجاز کا ایک پہاڑ جو مدینہ منورہ سے شمال کی جانب

کچھ فاصلے پر واقع ہے طیلساں: چادر نخیل: کھجور کا درخت
ریگ: ریت کاظمہ: مدینہ منورہ کے مختلف ناموں میں سے ایک نام
پرنیاں: ریشم طناب: رسی عیشِ دوام: ہمیشہ ہمیشہ کی یا دائمی راحت/عیش

دوسرا بند

۱-۶ = کہنہ: پرانی واردات: مراد احساسات و نظریات غزنوی: مراد سلطان محمود غزنوی، جس نے برصغیر میں آ کر ہندوؤں کے بہت بڑے مندر پر قبضہ کیا اور اسے توڑ ڈالا۔ اس کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے سومنات: مذکورہ مندر حسینؓ: حضرت امام حسینؓ جو کربلا کے میدان میں شہید کیے گئے تابدار: روشن، چمکدار دجلہ و فرات: عراق کے مشہور دریا، فرات کے کنارے کربلا کی جنگ ہوئی تھی بدر و حنین: دو جنگیں (غزوات) جن میں حضور اکرمؐ خود شریک ہوئے تھے

تیسرا بند

۱-۶ = معنیِ دیریاب: وہ معنی و مطلب جو دیر یا مشکل سے سمجھ آئے قافلہ ہائے رنگ و بو: کائنات کے قافلے یا دین کی عظمت پر مائل لوگ اور روحانی ذوق والے جلوتیانِ مدرسہ: (جلوتیاں، جلوتی کی جمع) ظاہری علوم پڑھنے پڑھانے والے لوگ، ارباب ظاہر خلوتیاں میکدہ: مراد ذکر و فکر میں مصروف لوگ، ارباب باطن تہی کدو: خالی برتن آتش رفتہ: مدت سے بجھی ہوئی آگ کھوئے ہوئے: مراد ماضی کے مسلمان جنہوں نے جذبۂ عشق سے سرشاری کے باعث بڑی عظمت و بقا حاصل کی مدہ: مت دے

چوتھا بند

۱-۶ = لوح و قلم: تختی اور قلم (لوح محفوظ) مراد علم الٰہی کے بیان کی ایک مثالی صورت، پوری کائنات پر حاوی علم الٰہی الکتاب: مراد قرآن کریم گنبدِ آبگینہ رنگ: شیشے کے رنگ والا آسمان محیط: سمندر سنجر: ایران کے

سلجوقی خاندان کا ایک مشہور بادشاہ (یہ خاندان مسلمان تھا) سلیم: عثمانی خاندان کا مشہور حکمران جس نے مصر فتح کیا اور جس کے عہد میں عثمانی ترکوں کو خلافت کا منصب ملا اور حرمین شریفین کی خدمت ملی جنیدؒ: مشہور عظیم ولی اللہ حضرت جنیدؒ جن کا تعلق بغداد سے تھا بایزیدؒ: یہ بھی مشہور عظیم ولی اللہ گذرے ہیں جن کا تعلق بسطام سے تھا قیام: نماز کے لیے کھڑے ہونا غیاب: غائب ہونے کی صورت تیرہ و تار: تاریک، جو اندھیروں میں ڈوبی ہوئی/ ڈوبا ہوا ہو

پانچواں بند

=۶- نخلِ بے رطب: کھجور کا درخت جسے کوئی کھجور نہ لگے معرکہ کہن: پرانا معرکہ، مراد حق اور باطل کے درمیان کشاکش/ کھینچ تان گاہ: کبھی حیلہ: مراد عجیب تدبیر می کشد: کھینچتا ہے بولہب: ابولہب جو حضور اکرمؐ کا ایک چچا اور حضور اکرمؐ اور اسلام کا بدترین دشمن تھا، قرآن کریم کی سورہ ''تبت یدا'' اسی کی مذمت میں نازل ہوئی تھی بہانہ جو: بہانے ڈھونڈنے والی

پروانہ اور جگنو

= آتشِ بے سوز: ایسی آگ جس میں جان نہ ہو دریوزہ گر: بھکاری، بھیک مانگنے والا

جاوید کے نام

جاوید: علامہ کے فرزندِ عزیز جاوید اقبال جو کچھ عرصہ قبل بطور چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور ریٹائر ہوئے تھے، اس نظم میں جاوید کے حوالے سے مسلم نوجوانوں سے بھی خطاب ہے۔

=۵ سراغ: نشان ہزار گونہ: ہزار قسم کی فروغ: مراد ترقی، روشنی، چمک دمک فراغ: دل جمعی، اطمینان، فراغت زاغ: کوا ظریف: خوش طبع، زندہ دل خوش اندیشہ: اچھی سوچ اور فکر والا شگفتہ دماغ: کھلا ہوا

دماغ، تروتازہ دماغ والا

گدائی (بھیک مانگنے کا عمل)

۱-۵= رندِ زیرک: دانا رند گدائے بے حیا: ڈھیٹ قسم کا یا بے شرم بھکاری بے کلاہی: مراد دوسرں کی ٹوپیاں چھین کر عریانی: یعنی عوام کو لباس سے محروم کرکے زریں: سونے کی یا سنہری آبِ لالہ گوں: لالہ کے رنگ کا یعنی سرخ پانی، مراد سرخ شراب دہقان: کسان کشید: نکالی ہوئی، کھینچے جانے کا عمل کیمیا: مٹی کو سونا بنا دینے والی چیز بے نوا: مفلس خراج: مالیہ وغیرہ جو حکومت کسانوں سے وصول کرتی ہے، ٹیکس، محصول

مُلا اور بہشت

۱-۴= ضبطِ سخن: بات پر قابو پانا تقصیر: خطا، قصور لب کشت: کھیت کا کنارہ، مراد بہشت کا سبزہ وگل جدل: بحث، لڑائی جھگڑا قال واقول: کسی کتاب کے رد میں لکھی ہوئی کتاب کی عبارت ''قال'' کہلاتی ہے، اور تردید کی عبارت ''اقول'' ہے سرشت: فطرت، خصلت بدآموزی: برائی سکھانا، بری تعلیم دینا ملل: جمع ملت، قومیں کنشت: آتش پرستوں کی عبادت گاہ

دین وسیاست

۱-۷= رہبانیت: ترکِ دنیا، عیسائی پادری بس گرجے ہی میں زندگی بسر کرنے اور شادی بیاہ نہ کرنے ہی میں راضی رہے ہیں، قرآن کریم میں ان کے اس عمل پر تنقید کی ہے خصومت: دشمنی راہبی: ترکِ دنیا سربزیری: سر جھکائے رہنے یا نیچے رکھنے کا عمل، سرنگونی دوئی: دو ہونا، وحدت کی ضد نابصیری: نابینائی، اندھا پن صحرانشیں: بیابان یا ریگستان کا رہنے والا، یہاں حضور اکرمؐ کی طرف اشارہ ہے بشیری: لوگوں کو راہِ حق پر چلا کر ثواب کی خوشخبری سنانا نذیری: ڈرانا، برے کاموں سے روکنا، خبردار کرنا جنیدی: حضرت جنید

بغدادی کی سی صفت، دین داری اردشیری: قبل از اسلام کے ایران کے مشہور بادشاہ اردشیر کی سی صفت، یعنی شہنشاہی، سیاست

الارض لِلّٰہ

(یہ زمین اللہ ہی کی ہے، وہی اس کا حقیقی مالک ہے)

۱-۴= سحاب: بادل پچھم: مغرب (اِدھر سے آنے والی ہوا کھیتی کو سرسبز و شاداب کرتی ہے) بادِ سازگار: موافق ہوا خوئے انقلاب: بدلتے رہنے کی عادت/خصلت دہ خدا: گاؤں کا زمیندار، چودھری، گاؤں کا مالک آبا: جمع اب، باپ دادا

ایک نوجوان کے نام

۶-= تن آسانی: آرام طلبی، محنت کرنے سے جی چرانا امارت: امیری، سرداری شکوہِ خسرو: ایران کے مشہور بادشاہ خسرو پرویز جیسی شان و شوکت، بادشاہانہ شان و شوکت استغنائے سلمانی: حضرت سلمانؓ فارسی کی سی بے نیازی معراجِ مسلمانی: اسلام کا عروج، بلندی عقابی روح: مراد ہمت و ارادہ کی بلندی علم و عرفاں: دماغی جوہروں کو چمک دمک دینے والا علم اور ایسی حالت جو تزکیہ قلب اور حق شناسی کا باعث بنتی ہے۔

نصیحت

۳-= عقابِ سال خورد: بوڑھا عقاب (عقاب ایک شکاری پرندہ بہت اونچا اڑتا ہے) شہپر: بڑا پر، بازو رفعت: بلندی چرخِ بریں: بلند آسمان سخت کوشی: بہت محنت کرنا تلخ: کڑواہٹ انگبیں: شہد

لالۂ صحرا

۸= گنبدِ مینائی: مراد نیلا آسمان پہنائی: وسعت، فراخی راہی: مسافر کلیموں: کلیم کی جمع، مراد اللہ سے کلام کرنے والے، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کی طرح

عظیم ہستیاں شعلۂ سینائی: کوہ طور کا سا شعلہ جذبۂ پیدائی: خود کو ظاہر کرنے کا جذبہ، جذبۂ خودنمائی یکتائی: یکتا ہونا، بے مثل ہونا غواص: تیراک، غوطہ لگانے والا رعنائی: حسن و جمال تماشائی: دیکھنے والا/ والے

ساقی نامہ

پہلا بند

۱-۱۲= خیمہ زن: خیمہ لگانے والا، ڈیرے ڈالنے والا ارم: بہشت سوسن: ایک نیلے رنگ کا پھول جسے عموماً زبان سے تشبیہ دی جاتی ہے نسترن: چنبیلی خونیں کفن: خون کا کفن، یعنی سرخی سِل: پتھر لالہ فام: لالہ کے سے سرخ رنگ والا پردہ سوز: پردے یا پردوں کو جلا ڈالنے والی ممولا: چھوٹی سی کمزور چڑیا غالباً انسان مراد ہے

دوسرا بند

۱-۱۴= شیشہ باز: مراد عیار و مکار گراں خواب: گہری نیند سوئے ہوئے، غفلت کا شکار ہمالہ: کوہِ ہمالیہ، مراد ہندوستان، برصغیر ہند چشمے ابلنے لگے: آزادی کی لہریں دوڑنے لگی ہیں طورِ سینا: جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا فاراں: مکہ معظمہ کی وہ پہاڑی جس سے اسلام کا سورج طلوع ہوا دونیم: دو ٹکڑے زنار پوش: زنار یا جنیو باندھا ہوا (جنیو ہندوؤں کا وہ مقدس دھاگا جو وہ گلے میں ڈالے رکھتے ہیں) خرافات: لغو باتیں، فضول باتیں، لغویات روایات: مراد غیر اسلامی قصے کہانیاں حمیت: غیرت فرد: بے مثل مقامات: جمع مقام، منزلیں، وہ روحانی مرتبے یا منزلیں جو کسی سالک کو خدا کی راہ میں پیش آتے ہیں

تیسرا بند

۱-۱۷= شرابِ کہن: پرانی شراب، مراد عشق حضورؐ اکرم کی نعمت شب زندہ

دار: راتوں کو جاگ کر اللہ کی عبادت میں معروف رہنے والے گرداب: بھنور
ثابت: ایک جگہ رُکی/ٹھہری ہوئی سیار: بہت چلنے والی ناؤ: کشتی
غزالان: غزال کی جمع، ہرن ثبات: قرار، اپنے موقف پر قائم رہنے کا عمل
مرغزار: سبزہ زار رزم گاہ: میدان جنگ

چوتھا بند

دمادم: مسلسل، ہر لحہ، ہر پل یم: دریا رم: دوڑنا، تگ ودو، بھاگ دوڑ
موجِ دود: دھوئیں کی لہر گراں: ناگوار عناصر: جمع عنصر، چار عناصر یعنی
آب و آتش باد و خاک (پانی، آگ، ہوا اور مٹی) بے چگوں: بے مثل، ایک
دوسرے سے جداگانہ وضع قطع رکھنے والی شش جہات: چھ طرفیں، دائیں،
بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے (جہات جمع جہت) تکرار: بار بار دہرانا
خُو: خصلت، شریعت انجمن آفریں: محفل بنانے سجانے والی ببول: کیکر
کا درخت جرۂ شاہین: بڑی طاقت والا شہباز سیماب رنگ: یعنی
پارے کی طرح تیزی سے اڑنے والا آلودہ چنگ: جس کے پنجے بھرے
ہوں ناصبور: بیقرار، بے چین

پانچواں بند

فریب نظر: نظر کا دھوکا برگ وساز: ساز و سامان، اسباب حضر: ایک
جگہ یا اپنے گھر میں ٹھہرے رہنا مجاز: حقیقت کی ضد، غیر حقیقی کٹھن: سخت،
مشکل مکافات: بدلہ گھات: تاک زوج زوج: جوڑا جوڑا،
نر اور مادہ کی صورت مذاقِ دوئی: دو ہونے کا ذوق تیز جولاں: تیز
دوڑنے والی زودرس: جلد پہنچنے والی رمِ یک نفس: ایک سانس کی دوڑ
یعنی ایک سانس کے آنے جانے کی صورت

چھٹا بند

جلوہ بدمست: مراد جلوت کو بے حد پسند کرنے والی تابناک: روشن، چمکدار

من وتو: میں اور تو تجسس: تلاش، جستجو ریگِ رواں: چلنے یا اڑنے والی ریت سبک: ہلکا تقویم: قیام، مضبوطی، استحکام نشیب وفراز: اونچ نیچ (نشیب: نیچ، فراز: اونچ) پس وپیش: پیچھے آگے (آگے پیچھے) صورت پذیر: مراد ظاہر ہونے یا نمودار ہونے والی

ساتواں بند

۱-۱۷= زہر ناب: خالص زہر، تیز اثر والا زہر، مہلک زہر آب: چمک ارجمند: قدر و قیمت والی فروفال: شان وشوکت محمود: محمود غزنوی، غزنوی خاندان کا مشہور بادشاہ ایازی: ایاز ہونا، ایاز محمود غزنوی کا غلام تھا، مراد غلامی اہتمام: انتظام، بندوبست خورد ونوش: کھانا اور پینا خاکداں: مٹی کا گھر، دنیا شیر مولا: اللہ کا شیر صید: شکار بے نمود: جو ظاہر نہیں ہوئیں یلغار: حملہ، یورش سرنوشت: تقدیر

زمانہ

۱-۱۰= حرفِ محرمانہ: مراد گہری بات، رمز حوادث: جمع حادثہ، نئے نئے واقعات راکب: سوار مرکب: سواری تازیانہ: بید، کوڑا نجومی: جو ستارے دیکھ کر کسی کے آنے والے واقعات بتاتا ہے، ستارہ شناس ہدف: نشانہ جوئے خوں: خون کی ندی عالمِ پیر: پرانی دنیا، پرانا جہان مقامر: جواری، جوا کھیلنے والا، قمار باز قمار خانہ: جواخانہ، مراد سرمایہ داری

فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۱-۵= سیمابی: پارے سے بنا ہوا سرشت: فطرت، خوخصلت کوکبی و مہتابی: ستاروں اور چاند کی سی چمک دمک، روشنی شکرخوابی: میٹھی یا گہری نیند گراں بہا: بہت قیمتی نخلِ کہن: پرانا درخت شادابی: تر و تازگی مضرابی: مضراب کا عمل یعنی ستار کے تاروں کو مضراب سے حرکت میں لا کر سُر تال پیدا کرنا

روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

معرکہ بیم ورجا: خوف اور امید کا معرکہ تصرف: اختیار، قبضہ گنبدِ افلاک: آسمانوں کا گنبد، آسمان گردوں: آسماں ناپید: غائب، جو نظر نہ آئے آہ رسا: دور تک پہنچنے والی آہ جہان تاب: دنیا کو روشن کرنے والا ضو: روشنی پیکرِ گِل: مٹی کا ڈھانچا، انسان جس کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے پیہم: مسلسل، لگا تار نالندہ: رونے والا، مراد بجنے والا عود: باجا خون ریز: خون بہانے والا، خون پسینا ایک کرنے والا کم آزار: کم تکلیف دینے والا، کسی کو نہ ستانے، تنگ کرنے والا ازل: دنیا کی تخلیق کا وقت

قطعہ

نسیم سحری: صبح کی تازہ ہوا اطلس: ایک قسم کا چمکیلا ریشمی کپڑا سرِ خار: کانٹے کی نوک سوزن: سوئی

پیر و مرید

مرید ہندی، پیر رومی

۲۴بند: پیرِ رومیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ مرید ہندی: یعنی علامہ اقبال جنہوں نے رومیؒ کو اپنا غائبانہ مرشد قرار دیا ہے چشم بینا: دیکھنے والی آنکھ، حقیقت کو پہچاننے والی آنکھ زار وزبوں: ذلیل وخوار، رسوا مست چنگ: ساز کی آواز پر مست بے ثبات: ناپائدار، فانی بافروغ: بہت روشنی والا، مراد ظاہری علوم وفنون کی روشنی کرب: بے چینی، اطمینان نہ ہونا کشاد: مراد گتھیاں سلجھنا خاوراں: مشرق، مراد اہل مشرق مسحور: جادو کی ہوئی، مراد شیدا وفریفتہ غرب: مغرب، یورپ، یورپ کی تہذیب وثقافت خوشتر: زیادہ اچھی حورِ غرب: مراد یورپ کی حسینائیں (میمیں) گرم

خوں: جسے اپنے جذبات پر قابو نہ ہو ساحر: جادوگر صیدِ زبوں: خوار و رسوا شکار تا کجا: کب تک پشہ اے: ایک مچھر جندل: پتھر عُود: ایک قسم کی خوشبودار شے آویزش: لڑائی مقدم: سبقت یا برتری حاصل ہونا قلب: مراد کھوٹا سکہ سِرّ: بھید، راز ذہب: سونا روشن بصر: آنکھیں روشن ہونا یا کرنا غایت: مقصد خبر: مراد علم نظر: مراد براہ راست دیکھنا سود: فائدہ، نفع مرد: مراد مردِ حق ندیم: مصاحب ہم نفس: ساتھی، دوست گلیم: گدڑی خاصانِ بدر: غزوۂ بدر کے ممتاز اصحاب حدیث: بات، حقیقت جبر: انسان مجبور ہے قدر: وہ مختار ہے کاروبار خسروی: بادشاہی اور حکمرانی کا کاروبار یا سلسلہ راہبی: ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشین ہونے کا عمل آب و گل: پانی اور مٹی یعنی جسمانی خواہشات اِدراک: فہم و شعور، سمجھ فراغ: فراغت نخچیروں: شکاروں داغ داغ: بہت زخمی محکم: مضبوط طالب: تلاش کرنے والا باش: ہو جا پیکار: لڑائی، مقابلہ کارِ دنیا: دنیاوی کام ابلہِ دنیا: دنیا کے کام سے ناواقف سوزِ سخن: شاعری کا سوز۔ تیرہ روز: تاریک دن والے، مراد بدنصیب، مصیبت زدہ پوستین: بالوں والی کھال کا کوٹ دوناں: جمع دُوں، گھٹیا اور کمینے لوگ

جبریل وابلیس

ہمدم دیرینہ: پرانا ساتھی چاکِ دامن رفو ہونا: پھٹے ہوئے دامن کا سِل جانا، گناہ کی معافی ہونا سبو: مٹکا، گھڑا بے کاخ وکو: جہاں کوئی محل اور گلی کوچہ نہ ہو ''تقنطوا'': تم ناامید ہو ''لاتقنطوا'': تم ناامید نہ ہو مشتِ خاک: مٹی کی مٹھی، مراد انسان تار و پو: تانا بانا رزم: جنگ، لڑائی خیر و شر: نیکی اور بدی الیاس: حضرت الیاسؑ جن کا ذکر قرآن کریم میں دو مرتبہ آیا ہے، سورۂ انعام اور سورۂ والصفات میں۔ دوسری سورت میں ان کا ذکر اس طرح ہے کہ الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے بے دست و پا: بے بس یم بہ یم: سمندر سے سمندر یعنی سمندروں میں

اذان

۷= نجمِ سحر: صبح کا ستارہ مریخ: ایک مشہور ستارہ جسے فارسی میں ''جلادِ فلک'' کہتے ہیں، اسے منحوس سمجھا جاتا ہے ادا فہم: مراد حقیقت کو پہچاننے والی سزاوار: بہتر، مناسب زہرہ: یہ بھی مشہور سیارہ ہے جسے رقاصہ فلک بھی کہا جاتا ہے اور جو تیسرے آسمان پر ہوتا ہے کرمکِ شب کور: ایسا کیڑا جسے رات کو کچھ نہ دکھائی دے، مراد انسان کوکب: ستارہ مہِ کامل: چودھویں کا چاند ثریا: وہ چھ ستارے جو ایک گچھے کی صورت میں زمین سے بہت دور بلندی پر واقع ہیں، خوشۂ پروین اور عقدِ پروین بھی کہا جاتا ہے ثابت: وہ ستارے جو ایک جگہ ٹکے رہتے ہیں سیار: وہ ستارے جو چلتے رہتے ہیں بانگِ اذاں: اذان کی آواز لبریز: پُر، مراد گونجی

محبت

۵= تُرکی: تُرکوں کی سی تازی: عربوں کی سی غزنوی: سلطان محمود غزنوی ایازی: ایاز یا غلام ہونا، غلامی، ایاز سلطان محمود کا غلام تھا جس سے سلطان کو بہت محبت تھی کارفرما: اپنا کام کرنے والا، عمل پیرا شیشہ بازی: فریب کاری مرعوب: رعب میں آیا ہوا، خوف زدہ اسکندری: بادشاہی، سکندرِ یونانی مشہور عظیم بادشاہ آئینہ سازی: آئینہ بنانا، روایت کے مطابق اس سکندر نے ایک آئینہ بنا کر اسکندری کے مینار پر لگا دیا تھا تاکہ دشمن کی فوجوں کی آمد کا پتا چل سکے

ستارے کا پیام

۲= سرشت: فطرت درخشانی: چمک داغِ جگر: مراد عشق

جاوید کے نام

۵= دیار: ملک فطرت شناس: قدرت کو پہچاننے، سمجھنے والا سکوت: خاموشی

شیشہ گرانِ فرنگ: یورپ کے شیشہ یا صراحی بنانے والے، یورپی تہذیب سفال: مٹی شاخ تاک: انگور کی بیل ثمر: پھل لالہ فام: لالہ کی طرح سرخ

فلسفہ و مذہب

۱-۵= سپہر بریں: اونچا / بلند آسمان تسلسل: لگا تار آنا غریب الدیار: پردیسی، اجنبی بوعلی: بوعلی سینا، جو بہت بڑا فلسفی اور حکیم تھا رومی: مولانا جلال الدین رومیؒ راہرو: راہ رو، راستہ چلنے والا

یورپ سے ایک خط

۱-۳= خوگر: عادی محسوس: مراد مادی چیزیں بحرِ پُرآشوب: بہت طوفانی سمندر قافلۂ شوق: ذوق و مشرب کا قافلہ عصر: زمانہ احرار: جمع حُر، آزاد لوگ، مراد اہلِ حق

جواب

۱-۲= کہ: کاہ کا مخفف، گھاس ہمچون: مانند آہوانہ: ہرن کی طرح ختن: ایک مشہور ملک جہاں کے ہرن مشہور ہیں ارغوان: ایک درخت کا نام جس کی ٹہنیاں باریک ہوتی ہیں اور بہار میں پھولوں سے سرخ ہو جاتا ہے

نپولین کے مزار پر

۱-۶= نپولین: نپولین بونا پارٹ ایک مشہور فاتح، ولادت اٹھارہویں صدی عیسوی روم کے ایک جزیرے میں ہوئی، ترقی کرتے کرتے فرانس کا فرمانروا بن گیا۔ تین سال کی مدت میں اس نے روس، برطانیہ اور ترکی کے علاوہ پورے یورپ کو فتح کر لیا۔ کچھ عرصہ زوال کا شکار رہ کر پھر اقتدار میں آ گیا اور فوراً برطانیہ اور جرمن کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، لیکن واٹرلو کے میدان میں اس نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے (ولادت ۱۷۶۹ء، وفات قید و بند کی حالت میں ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو

ہوئی، علامہ نے اس کی مسلسل جدو جہد اور جوش و ہمت کے حوالے سے بات کی ہے، ایک غیر معروف اور یتیم ہونے کے باوجود بہت بڑا سپہ سالار اور فرمانروا بن گیا کردار: عمل، جدوجہد جہانِ تگ و تاز: دوڑ دھوپ کی دنیا طلوع: مراد چمک کوہ الوند: الوند کا پہاڑ، ایران کا ایک مشہور پہاڑ گداز: پگھل گیا، پانی پانی ہوگیا تیمور: تیمور لنگ، مشہور مغل بادشاہ، اس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے اسے تیمور لنگ (لنگڑا) کہا جاتا ہے، اس نے ہندوستان کے بہت بڑے علاقے میں کافر و ظالم حکومت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ ولادت شہرِ سبز ۱۳۳۶ء، اس نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا، چین پر حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء کو انتقال کر گیا نشیب اور فراز: بلندی اور پستی ہمہ گیر: سب پر قابو پانے والا عاقبت: آخرکار وادیٔ خاموشاں: قبرستان غلغلہ: شور و ہنگامہ

مسولینی

۷= مسولینی: (BENITO MUSSOLINI) اٹلی کا سربراہ، ولادت صوبہ فارلی کے ایک قصبے میں ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو ہوئی، وہ اٹلی (اطالیہ) کا وزیر اعظم اور آمر مطلق تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں وہ اتحادیوں کے ساتھ رہا۔ جنگ ختم ہونے پر اٹلی میں اشتراکیت کی تحریک زوروں پر پھیل گئی جسے اس نے سختی کے ساتھ ختم کر کے ایک نئی تحریک فاشزم (FASCISM) شروع کی ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو وزیر اعظم مقرر ہوا اور ملک کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بعد اصلاحات شروع کیں۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح کے سبب وہ مستعفی ہوگیا، ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو وہ گرفتار ہوا اور دو روز بعد اسے اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا ندرت: انوکھا پن، تازگی، جدت سنگِ خارا: سخت پتھر لعل ناب: خالص لعل، بہت قیمتی لعل رومۃ الکبریٰ: مراد روم، اطالیہ، اٹلی دگرگوں: تلپٹ پیرانِ کہن: پرانے بوڑھے سینہ تاب: جن کے سینے گرم ہوں معمور: آباد، لبریز، بھری ہوئی زخمہ ور: ساز بجانے والا رباب: ستار، ساز

سوال

۱-۲ = خوددار: عزت نفس کو پیشِ نظر رکھنے والا، غیرت مند مردِ فرومایہ: گھٹیا یا کمینہ آدمی میری: دولت، حکومت

پنجاب کے دہقان سے

۱-۷ = خاکباز: خاک باز، مٹی سے کھیلنے والا یعنی خاک چھاننے والا دہقان: کسان خاکیوں: جمع خاکی، مراد انسان جو مٹی سے تخلیق ہوئے ہیں برات: رزق شعوب: جمع شعیب، بڑے قبیلے قبائل: جمع قبیلہ رسوم کہن: پرانی رسمیں (رسوم: رسم) سلاسل: جمع سلسلہ، زنجیریں فتحِ باب: دروازے کا کھلنا، کامیابی کا دروازہ کھلنے کی صورتِ حال فشاں: ڈال، بو حاصل: فصل

نادر شاہ افغان

= نادر شاہ: افغانستان کا بادشاہ محمد نادر خان، ابتدائی تعلیم ملٹری کالج ڈیرہ دون (یو پی) میں ہوئی۔ مزید فوجی تعلیم کے لیے انگلستان گیا۔ واپسی پر امیر امان اللہ خان کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ ۱۹۱۹ء میں امیر نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو نادر کے دانشمندانہ رویے سے ناراض ہو کر اسے فرانس میں سفیر بنا کر بھیج دیا۔ ۱۹۲۹ء میں جب بچہ سقہ نے کابل میں شخصی حکومت قائم کی تو نادر خان نے واپس آ کر بچہ سقہ کا خاتمہ کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں اس نے نصاب تعلیم مرتب کرانے کے لیے مولانا سلیمان ندویؒ، ڈاکٹر راس مسعودؒ اور علامہ اقبالؒ کو کابل آنے کی دعوت دی۔ تینوں وہاں پہنچے، لیکن نادر خاں کو ان کے مشورے سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ نومبر ۱۹۳۳ء میں کسی بدخواہ نے رائفل کی بھال مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

۱-۴ = لولوئے لالہ: روشن/ چمکیلا موتی ہرات و کابل اور غزنی: افغانستان کے مشہور شہروں کے نام، کابل وہاں کا دارالحکومت ہے سبزہ نورس: تازہ تازہ اگا ہوا سبزہ سرشک: آنسو فشاں: ڈال فرونہ نشاں: نہ بجھا، نہ بجھنے دے

خوشحال خاں کی وصیت

= خوشحال: خوشحال خاں خٹک، مغل بادشاہ عالمگیر کے دور کا مشہور پشتو شاعر تھا، مغلوں کی حکومت کے خلاف تھا، اس نے افغانوں کو مغلیہ حکومت سے آزاد کرانے کی خاطر ان میں قبائلی اور نسلی تعصب پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی، علامہ کو اس کے صرف جذبۂ آزادی کی قدر تھی، ورنہ وہ تو ملی وحدت کے بہت بڑے داعی تھے۔
خوشحال کی کوئی سو نظموں کا انگریزی ترجمہ لندن میں ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔

-۵= قہستان: افغانستان کے ایک حصے کا نام بچۂ ارجمند: مراد ہمت والا/ والے ہونہار نوجوان مدفن: دفن ہونے کی جگہ بادِ کوہ: پہاڑ کی ہوا گردِ سمند: گھوڑے یا گھوڑوں کی گرد

تاتاری کا خواب

= تاتاری: اس سے مراد وہ تمام لوگ جنہیں قدیم دور میں چینی اور ترکستان کے باشندے کہا جاتا تھا، ان کی سلطنتیں باہمی جنگ وجدل سے کمزور ہوئیں جس سے روس نے انہیں بتدریج فتح کرلیا۔

-۱۰= سجادہ: جائے نماز، مُصلا عمامہ: پگڑی، دستار ترسا بچہ: آتش پرستوں کا لڑکا جسے اس کے حسن وجمال کی بنا پر شراب خانے میں ساقی گری پر لگایا کرتے تھے رہزن: لٹیرا بے باک: نڈر، بے خوف ردائے دین: دین کی چادر پارہ پارہ: ٹکڑے ٹکڑے محصور: گھری ہوئی سمرقند: ایران کا مشہور شہر بخارا: ترکی وایرانی مسلمانوں خاص طور پر سادات کا مشہور شہر، بخاری وہ لوگ جو ہجرت کرکے برصغیر آئے چنداں کہ: جس قدر بھی بینم: میں دیکھتا ہوں تیمور: تیمور لنگ شفق آمیز: جس میں شفق کی سی سرخی ہو تورانی: توران یعنی ترکی کے رہنے والے، ترک

حال ومقام

=۴ حال: مراد فرد کی ذہنی اور اخلاقی کیفیت جو کسی بھی طرح اس پر طاری ہو

مقام: مرتبہ، تصوف کی اصطلاح میں وہ روحانی درجہ جس پر کوئی سالک پہنچا ہو
بتدریج: درجہ بدرجہ، آہستہ آہستہ چشم نگراں: دیکھنے والی آنکھ، مراد بصیرت
موقوف: منحصر احوال: جمع حال، مذکورہ حال مقامات: جمع مقام، مذکورہ مقام سالک: راستہ چلنے والا، مراد محبوب حقیقی کی تلاش میں روحانی منزلیں طے کرنے والا تفاوت: فرق کرگس: گِدھ

ابوالعلامعرّی

= عربی کا مشہور شاعر احمد بن عبداللہ بن سلیمان، ولادت شام کا علاقہ معرۃ النعمان، ۳۶۳ھ/۹۷۳ء، اسی بنا پر اسے معری کہا جاتا ہے، قبیلہ تنوخ سے تعلق تھا، چھوٹی عمر ہی میں چیچک کے باعث اس کی بینائی جاتی رہی۔ ۳۵ برس کی عمر میں بغداد آیا، دو سال وہاں رہا، پھر کسی مشہور عالم سے بحث کے نتیجے میں وہاں سے واپس چلا گیا اور گوشہ نشین ہوگیا، پھر ساری عمر باہر نہ نکلا۔ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں فوت ہوا۔ حافظہ بہت قوی پایا تھا، اپنے وقت کا بڑا ادیب، فلسفی، شاعر، طنز نگار، معلم اخلاقیات، تارک دنیا تھا، انسانی نسل کے اضافے کو جرم سمجھنے کے سبب ساری عمر شادی نہ کی۔ مرتے وقت اپنی قبر پر ایک شعر لکھنے کی وصیت کی جس کا ترجمہ ہے ''میری ہستی وہ ظلم ہے جو میرے باپ نے مجھ پر کیا تھا'' زندگی کے آخری ۴۵ سال صرف سبزیاں ہی کھائیں۔

۱-۶= مات: شکست، ہار شاطر: شطرنج کھیلنے والا، مراد چالاک ''غفران'' و ''لزومات'': معری کی کتابوں کے نام مرغکِ بیچارہ: یعنی مسکین و غریب مکافات: بدلہ، سزا ضعیفی: کمزوری مرگِ مفاجات: اچانک کی موت، ناگہانی موت

سنیما

۱-۴= بت گری: بت بنانا صنعت آزری: بت بنانے کی صنعت، آزر، حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام جو اپنے وقت کا بہت بڑا بت تراش اور بت فروش تھا
شیوۂ ساحری: جادوگری کا انداز اقوام: جمع قوم عہدِ کہن: پرانا زمانہ

خاکستری: راکھ کا بنا ہوا

پنجاب کے پیرزادوں سے

-۸= شیخ مجدد: حضرت شیخ احمد سرہندی، لقب مجدد الف ثانی، ولادت سرہند ۱۵۶۳ء، وفات ۱۶۲۵ء دین کی تجدید کا کام (ایک ہزار سال گذرنے کے بعد) شروع کیا۔ اسی لیے ''الف ثانی'' (دوسرا ہزار سالہ دور) کے مجدد کہلائے، جہانگیر کے دور میں ایرانی درباریوں نے اس سے ان کی شکایت کی، جہانگیر نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا۔ انہوں نے اس وقت کے رواج کے مطابق نہ تو اسے تعظیمی سجدہ کیا اور نہ سنت کے برعکس سلام کرنا گوارا کیا، جہانگیر نے ان کے اس طرز عمل پر انہیں قلعہ گوالیار میں نظر بند کرا دیا، پھر خود ہی رہا کر دیا اور ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا بلکہ ایک مدت تک اپنے ساتھ رکھا اور جب وہ ایک مرتبہ کشمیر جا رہا تھا، ان کی دعوت بھی اس نے قبول کر لی مطلع انوار: نوروں کے طلوع ہونے یا ظہور کی جگہ صاحب اسرار: معرفت کے رازوں سے باخبر احرار: جمع حُر، آزاد انسان مراد اہل حق کلہ فقر: درویشی کی کلاہ طرہ و دستار: مراد دنیاداری اور امیری کے طور طریقے سرکار: مراد وقت کے حکمران

سیاست

۱-۲= تعیین: مقرر کرنا مراتب: جمع مرتبہ فرزیں: وزیر، شطرنج کا وہ مہرہ جس کا درجہ بادشاہ کے بعد ہوتا ہے پیادہ: شطرنج کا سب سے کم اہمیت مہرہ شاطر: یہاں مراد انگریز حکومت

فقر

-۳= صیاد: شکاری نخچیری: شکار ہونا، شکار بننا جہاں گیری: دنیا کو مسخر کرنے کا عمل دلگیری: دکھ درد شبیری: امام حسینؓ والا میری: سرداری و برتری

خودی

۱-۳= سیم وزر: چاندی اور سونا، مراد دولت فردوسی: فارسی کا مشہور مثنوی نویس جس کا شاہنامہ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، ولادت ۹۴۱ء، وفات ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء مباش: مت ہو باشی: تو رہے مباش: مت یا نہ رہے

جدائی

۱-۴= ردائے نوری: روشنی کی چادر ناصبوری: بے قراری، بے چینی، بے صبری شایاں: مناسب، شان کے لائق محرم: واقفِ حال

خانقاہ

۱-۲= رمز و ایما: اشارہ کنایہ موزوں: مناسب سخن سازی: باتیں بنانے کا فن قم باذن اللہ: خدا کے حکم سے اٹھ، حضرت عیسیٰؑ کسی مردے کو یہ کہتے تو وہ زندہ ہو جاتا گورکن: قبر کھودنے والا/ والے

ابلیس کی عرض داشت

۱-۵= عزازیل: ابلیس کا اصل نام پرکالہ آتش: آگ کا ٹکڑا، مراد بہت فتنہ انگیز لاغر: کمزور، دبلی پتلی فربہ: موٹا بدن زیب: بدن کو سجانے والا، نفیس ملبوس: لباس، پوشاک نزع: دم نکلنے کی حالت جمہور: عوام تہ افلاک: آسمانوں کے نیچے یعنی زمین پر

لہو

۱-۲= ہراس: ڈر خوف بے وسواس: جو کسی وسوسے یا خوف کا شکار نہ ہو، نڈر، بے خوف گراں بہا: بہت قیمتی افلاس: غربت، مفلسی، ناداری

پرواز

۴= غم کدۂ رنگ و بو: رنگ و بو کا مقام جو غموں کا گھر ہے، یہ دنیا عالمِ ایجاد: یعنی یہ دنیا شگفتہ: تر و تازہ، شاداب داد: انصاف بیداد: ظلم

شیخ مکتب سے

۳= شیخ مکتب: استاد، ٹیچر، پروفیسر عمارت گر: عمارتیں بنانے والا، معمار دلپذیر: دل کو لبھانے والا، دل نشین حکیم قا آنی: ایرانی کا مشہور شاعر، ایران کی کلاسیکی شاعری جس پر ختم ہوئی، میرزا حبیب اللہ، ولادت شیراز ۱۸۰۷ء، وفات ۱۸۵۴ء، قصیدے میں اس نے پرانے شعرا کی پیروی کی اور ان کے انداز کو کمال تک پہنچایا برکش: مت بنا خواہی ار: اگر تو چاہتا ہے

فلسفی

= بلند بال: لمبے پروں والا جسور: دلیر، جسارت والا، نڈر غیور: غیرت مند کرگس: گِدھ

شاہیں

= خاکداں: مٹی کا گھر، یہ دنیا کنارا: علیحدگی راہبانہ: ترکِ دنیا یا درویشوں کی سی گل چیں: پھول توڑنے والا، پھول چننے والا خیابانی: خیابان یعنی باغ میں رہنے والا / والے حمام: فاختہ، کبوتر پورب: مشرق پچھم: مغرب بے کرانہ: جس کا کوئی کنارہ نہ ہو، بیحد وسیع

باغی مرید

= برہمن: ہندوؤں کے مذہبی رہنما خرقۂ سالوس: مکر و فریب کا لباس مہاجن: بنیا، جو سود کھاتا ہے مسندِ ارشاد: وعظ و نصیحت کی مسند زاغ: کوا

ہارون کی آخری نصیحت

۱-۲= ہارون: عباسی خاندان کا پانچواں خلیفہ، مہدی کا بیٹا اور منصور کا پوتا، ۷۸۶ء میں مسند نشین ہوا، وفات ۸۰۹ء وقتِ رحیل: کوچ یعنی موت کے وقت
پسر: بیٹا ملک الموت: موت کا فرشتہ

ماہرِ نفسیات

۱-۲= قلزمِ خاموش: خاموش سمندر، خودی کا سمندر

یورپ

۱-۲= تاک: گھات روباہی: لومڑی پن، فریب کاری و مکاری پلنگ: چیتا
فرنگ: انگریز، یورپ

آزادیِ افکار

۱-۴= دونِی فطرت: پست فطرتی، گھٹیا فطرت افتاد: گرنا، گر پڑنا

شیر اور خچر

= ساکنان: جمع ساکن، رہنے والا اب وجد: باپ دادا صبا رفتار: ہوا کی طرح چلنے والا ماموں: مراد گھوڑا

چیونٹی اور عقاب

= پائمال: پاؤں تلے روندی ہوئی خوار: ذلیل دردمند: دکھی، غمزدہ
نہ سپہر: نَو (۹) آسمان

قطعہ

۱-۲= پیرِ مغاں: لفظاً شراب خانے کا مالک، مراد صوفی یا عالم، استاد دُرِناب: خالص

موتی　　زہراب: زہر میں ملا ہوا پانی　　دہ چند: دس گنا　　بے
افرنگ: یورپ کی شراب یعنی یورپی علوم وفنون

تمت بالخیر

maablib.org

مزید کتابیں

کتاب	مصنف
زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
اپنا گریباں چاک (خودنوشت سوانح حیات)	ڈاکٹر جاوید اقبال
اقبال فراموشی	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال کا فکری نظام اور تصورِ پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی)	ترتیب و تالیف: محمد اکرام چغتائی
مفکرِ پاکستان	محمد حنیف شاہد
کلیاتِ اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا (اعلیٰ ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
شکوہ جواب شکوہ	علامہ محمد اقبال
علم الاقتصاد	علامہ محمد اقبال
اقبال شناسی اور آغا صادق	ترتیب: ڈاکٹر نوید حسن
علامہ اقبال کی سیاسی زندگی	محمد سلیم
اقبال ___ نئی تفہیم	ڈاکٹر صدیق جاوید
اقبال: شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر	ڈاکٹر سلیم اختر
علامہ اقبال - حیات، فکر، فن	ڈاکٹر سلیم اختر
اقبال اور ہمارے فکری رویے	ڈاکٹر سلیم اختر
فکرِ اقبال کا تعارف	ڈاکٹر سلیم اختر
فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو	پروفیسر محمد عثمان
اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی
ولی سے اقبال تک	ڈاکٹر سید عبداللہ
اعجازِ اقبال	ڈاکٹر سید عبداللہ
اقبال اور عصری مسائل	ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف

شرح اقبال

اُردو

۱) بانگِ درا
۲) بالِ جبریل
۳) ضربِ کلیم
۴) ارمغانِ حجاز (فارسی - اُردو)
۵) اسرار و رموز
۶) پیامِ مشرق
۷) جاوید نامہ
۸) زبورِ عجم
۹) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق / مسافر

Title	Author
The Reconstruction of Religious Thought in Islam	Allama Muhammad Iqbal
The Development of Metaphysics in Persia	Allama Muhammad Iqbal
Iqbal and Tagore: New Avenues for their Comparative study	M. Ikram Chaghatai
Iqbal: New Dimensions	Ed. by M. Ikram Chaghatai
Iqbal Afghan and Afghanistan (English, Urdu, Persian, Pashto)	// //
Iqbal: The Spiritual Father of Pakistan	Rashida Malik
Iqbal: The Great Poet of Islam	Sh. Abdul Qadir
A Voice from the East (The Poetry of Iqbal)	Zulfiqar Ali Khan

Rs. 350.00

www.sang-e-meel.com

ISBN 969-35-1732-6
9 799693 517322